فصاحتِ نبویؐ

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ

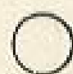
لاہور۔ پاکستان

أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ بَيْدَ أَنِّي مِنْ قُرَيْشٍ

فصاحتِ نبویؐ

تالیف

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر



اسلامک پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
۱۳-ای، شاہ عالم مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

طابع:- اشفاق مرزا منیجنگ ڈائریکٹر
ناشر:- اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ
۱۳-ای۔ شاہ عالم مارکیٹ۔ لاہور
مطبع:- گرین وے پرنٹرز لاہور
اشاعت:-

پہلی بار	جون ۱۹۸۳ء	۱۱۰۰
دوسری	مارچ ۱۹۸۸ء	۱۱۰۰

قیمت:- ۴۲/- روپے

فہرست مضامین



مقدمہ

پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور تعلیمات کا ہر پہلو فصول و الواب کے بجائے الگ الگ جامع اور مفصل کتابوں کا موضوع بننے کا مستحق ہے۔ سیرت نبویؐ کا موضوع ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس کا ہر گوشہ جواہر حکمت و عرفان کا امین ہے۔ ہمیشہ سے اہل فکر و دانش اس بحر بیکراں میں غوطہ زن ہوتے رہے اور گوہر مقصود کا سرمایہ لیکر کامیاب و کامران ساحل مراد پر اُترتے رہے ہیں۔ جستجوئے حق اور تلاش حکمت کا یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا مگر نہ تو کوئی فکر کمالات نبوی کی انتہا کو پہنچ سکے گی اور نہ کوئی قلم ان جواہر حکمت و معرفت کا احاطہ کر سکے گا جو سیرت نبوی اور تعلیمات محمدی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام، کے مختلف گوشوں میں بکھرے پڑے ہیں، عشاق کمالات محمدی کی تشنگی بڑھتی ہی جائے گی وہ جس قدر گہرائی میں اتریں گے اسی قدر جذبہ تلاش کی پیاس میں اضافہ ہوتا جائے گا کیونکہ یہ وہ مے کہنہ ہے جس کے میخوار کبھی تسلی نہیں پاتے۔ بقول احمد شوقی

أَتَتِ الدُّهُورُ عَلَى سُلَافَتِهِ وَلَمْ
تَفْنَ السُّلَافُ وَلَا سَلَا النُّدَمَاءُ

یعنی آپ کی سیرت و تعلیمات کی بہترین شراب پر کئی زمانے بیت گئے لیکن نہ تو یہ شراب ختم ہو سکی اور نہ میخواروں کی تسلی ہو پائی!

یہ تو جدید مصر کے قومی شاعر احمد شوقی کی بات ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر تیرہ صدیاں بیت جانے کے بعد پیدا ہوا اور صرف سیرت وتعلیمات کے کمالات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے مگر جن لوگوں نے اس مجسمۂ کمالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عملی زندگی میں ان کا مشاہدہ کیا ان کا تاثر تو آنے والوں کے لئے تصدیق حق کے سلسلے میں موجب یقین وایمان اور دعوت فکر کا حکم رکھتا ہے، چنانچہ ابو سفیان بن الحارث القرشی الہاشمیؓ کہتے ہیں:

نَبِیٌّ کَانَ یَجْلُوْ الشَّکَّ عَنَّا ۔۔۔ بِمَا یُوْحیٰ اِلَیْہِ وَمَا یَقُوْلُ

فَلَمْ نَرَ مِثْلَہٗ فِی النَّاسِ حَیًّا ۔۔۔ وَلَیْسَ لَہٗ مِنَ الْمَوْتیٰ عَدِیْلُ

ترجمہ: آپؐ ایک ایسے نبی تھے جو وحی ربانی اور اپنے اقوال حکمت سے ہمارے شکوک کو زائل کر دیتے تھے، نہ زندہ انسانوں میں ان کی نظیر ہمیں نظر آئی اور نہ گزر جانے والوں میں ان کا ہمسر ہوا۔

شاعر دربار نبوت حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

اَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ ۔۔۔ وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ ۔۔۔ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

یعنی: آپ سے بہتر میری آنکھ نے کوئی دیکھا نہیں اور آپؐ سے حسین تر کسی عورت نے جنا ہی نہیں، آپؐ ہر عیب سے یوں پاک پیدا ہوئے جیسے آپؐ اپنی خواہش اور مرضی کے مطابق ڈھل کر پیدا ہوئے ہوں!

(۱)

ایسی ہستی کی سیرت وتعلیمات کا مطالعہ یقیناً ایک اہم اور بلند موضوع ہی نہیں ایک اعلیٰ ترین انسانی فریضہ اور پاکیزہ ترین اسلامی عقیدہ بھی ہے بلاشبہ نبی امی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک قلب وروح کے لئے

سامانِ راحت وتسکین اور پاکیزہ غذا کی حیثیت رکھتی ہے۔

راقم الحروف کا مرغوب موضوع مطالعہ تاریخ انسانی کے عظیم وجلیل انسانوں کے سوانح حیات ہیں لیکن سیرت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اس سلسلے کا مرغوب ترین اور سب سے زیادہ پسندیدہ موضوع ہے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا مطالعہ نہ صرف صبر واستقامت، ہمت وعزیمت اور اعلیٰ وارفع مقاصد کی خاطر تن من دھن کی قربانی کا بے مثال جذبہ پیدا کرنے کا باعث ہے بلکہ اس سے دلوں کو سرور سرمدی اور روحوں کو حیات جاوداں بھی نصیب ہوتی ہے!

ایک دریتیم جو وادیٔ بے آب وگیاہ میں پیدا ہوتا ہے، جاہل اور اکھڑ قوم میں پروان چڑھتا ہے، تبلیغ حق کے لئے حوصلہ شکن مراحل اور کٹھن منزلوں سے گزرتا ہے مگر اس کے پائے عزیمت میں لغزش نہیں آتی، وہ اپنے مکارم اخلاق سے خون کے پیاسوں کے دل جیت لیتا ہے، امی ہے مگر فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دیتا ہے اور علم ومعرفت کی وہ شمع روشن کرتا ہے، جس کی ضوفشانیاں انسان کو تسخیر کائنات کی راہ دکھا کر اسے چاند پر پہنچا دیتی ہیں، جس کی نگاہ کے اعجاز کی بدولت ریگستان عرب کے ذرات روشنی کے چراغ بن کر انسانیت کا مقدر اور تاریخ کا رُخ بدل دیتے ہیں اس ہستی کی سیرت پاک کا مطالعہ بھی اسی قدر اہم اور مفید کیوں نہ ہو؟!

(۳)

مخدومی ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی ذاتِ گرامی میرے لیے ہمیشہ علمی کاموں کے لئے دعوت اور میدان تحقیق میں حوصلہ افزائی کا ذریعہ ثابت ہوئی ہے، یہ حقیر سی کوشش بھی ان کی طرف سے تحریک عمل کا ہی نتیجہ ہے، وہ جب ہمارے پرنسپل تھے تو اپنے ساتھیوں کو اور خصوصاً نوجوان اساتذہ کو علمی اور تحقیقی کام کی تحریک کے ساتھ ساتھ رہنمائی بھی کرتے رہتے تھے۔ اور

اب اُردو دائرہ معارف اسلامیہ کے شعبے کے سربراہ کی حیثیت سے بھی
علمی اور تحقیقی کام کے لئے مجھے اکثر مجبور کرتے رہتے ہیں اگرچہ یہ جزو ان کے
اپنے ادارے کیلئے ہی ہے، اُنھوں نے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت
کے تمام پہلوؤں کے متعلق ایک جامع مقالہ تیار کرانے کا فیصلہ کیا تو ـ
"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت خطیب" میرے حصے میں آیا، مآخذ سیرت
کے مطالعہ اور مقالہ کی تیاری کے بعد خیال ہوا کہ اس موضوع پر تو ایک
مستقل کتاب بھی لکھی جا سکتی ہے، چنانچہ اپنی کم مائیگی اور علمی بے بضاعتی
کے باوصف اس خیال کو حقیقت کا روپ دینے کا فیصلہ کیا اور یوں ایک
حقیر کاوش کا حاصل آپ کے سامنے ہے!

(۴)

فصاحت و بلاغت، جس کا اوّلین و بہترین اظہار خطابت ہی ہے،
ہمیشہ نبوت و قیادت کا جزو لاینفک رہی ہے، اصلاحِ انسانیت اور تبلیغ
رسالت ربانی اگر منصب و مقام نبوت تھا تو خطیبانہ فصاحت و بلاغت
ہمیشہ نبوت کی آن تھی! تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو جہاں جہاں اور جب
کبھی بھی رسالۃ اللہ کی تبلیغ کا فریضہ سونپا گیا تو انہیں اپنی اپنی قوم کی
زبان میں ہی بات کرنے کا حکم ہوتا کہ پیغام ربانی کی تبلیغ و تفہیم میں کوئی
ابہام و غموض یا کوئی الجھن اور مشکل نہ پیدا ہو اور بیانِ نبوت وضاحت و سہولت
کے ساتھ گوش و ہوش کے واسطوں سے دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے!
یہیں سے وہ حکمتِ قرآنی عیاں ہوتی ہے جس کے مطابق ہر خطے اور قوم میں
نبی مبعوث ہوئے (وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ، الرعد ۱۳:۷) اور اُنھوں نے اپنی اپنی
قوم کی زبان میں ہی تبلیغ کی اور اللہ کا پیغام کھول کر بیان کرتے رہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ

ہم نے کوئی بھی رسول ایسا نہیں بھیجا جو اپنی قوم کی زبان میں تبلیغ

نہ کرتا ہو، کیونکہ اسی طرح وہ نازل کردہ پیغام ان کے سامنے
کھول کر بیان کر سکتا تھا!

یہ بات، کہ خطابت ہمیشہ قیادت و نبوت کا لازمی خاصہ رہی ہے،
آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کے سوانح حیات سے منکشف ہوتی ہے جو
تقریباً ایک ہزار سال تک اپنی قوم میں خطیبانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ
مدلل انداز میں تبلیغ رسالت کا فریضہ انجام دیتے رہے، کتاب اللہ میں اس
حقیقت کی یوں صراحت ہوئی ہے۔

قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا
بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (ہود ۱۱:۳۲)

اے نوحؑ تو نے ہم سے جھگڑا اور بحث و مناقشہ کیا جواب بہت طول پکڑ
گیا ہے اس لئے اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو جس عذاب
کی تو ہمیں وعید سناتا ہے اسے لے ہی آ:

موحّد اعظم جد الانبیاء حضرت خلیل ربِ جلیلؑ بھی موہبۂ خطابت اور
بلاغت سے نوازے گئے تھے اور مدلل جدل و مناقشہ اور دندان شکن جواب
دینے کی خداداد صلاحیت رکھتے تھے، حتیٰ کہ جلال موسوی کی آن بان بھی
بلاغت و خطابت کی محتاج ہوئی اور نبوت سے سرفرازی کے بعد خداوندِ
قدوس سے اپنے شرح صدر کی دُعا کے ساتھ ساتھ فصاحتِ ہارونی کی امداد
کے لئے التجا بھی کی حالانکہ جسمانی قوت و ہیبت کا یہ عالم تھا کہ آلِ فرعون
میں سے ایک آدمی ان کے ایک تھپڑ کی بھی تاب نہ لا سکا تھا، یہی ہیبت
جسمانی اور جلال موسوی تھا جسے دیکھ کر قوم شعیب نے پنگھٹ خالی کر دیا
اور دُخترِ نبیؑ نے انہیں "قوی امین" قرار دیتے ہوئے اپنے ہاں گلہ بانی کا
فریضہ سونپنے کی سفارش کی تھی (سورۃ القصص)؛ اعجازِ مسیحی کی توانائیاں
شاں ہی حسن بیان اور ندرتِ تشبیہ و تمثیل تھی، عربوں کا بھی سرمایۂ فخر

خطیبانہ فصاحت و بلاغت اور قدرتِ کلام تھی، اِن کی زبان بیشمار لغوی کمالات سے متصف ہونے کے باعث خدا کے آخری پیغام کا محفوظ و مصون وسیلہ بننے کی اہل ٹھیری، چنانچہ اس قوم میں مبعوث ہونے والا نبی فصاحت و بلاغت کے اس مقام پر تھا جہاں تمام کمالات اور بلندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور وہ افصح العرب اور صاحب جوامع الکلم کہلانے کا سزاوار ٹھیرا، مشیئت الٰہی نے قرآنِ مجید کے نزول کے لئے اسی قلب اطہر اور زبان پاک کو منتخب کیا۔

(۵)

اس کتاب میں اُسی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت اور خطیبانہ حسن بیان کا تذکرہ مقصود اصلی ہے لیکن ضمنی طور پر انسانی تاریخ میں عموماً اور اسلامی تاریخ میں خصوصاً خطابت وقیادت کے باہمی ربط کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم آپ کو اس کتاب میں ایک ایسا اعراض بھی نظر آئے گا جو شاید بعض "روشن ذہنوں" کو ناگوار معلوم ہو مگر ہم تو اس اعراض کو ایک ناانصافی کے ازالے کا نام دیں گے۔ ایک ایسی بے انصافی جس کا پس منظر محض جہالت کی تاریکی اور خیرہ چشمی سے انکارِ حقیقت کے سوا اور کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا! لوگ عموماً فن خطابت اور اِس کی تاریخ کا آغاز یونانیوں سے کرتے ہیں مگر یہ بھُول جاتے ہیں کہ یونان مغرب میں ہے اور سورج تو سب سے پہلے مشرق میں ہی چمکا تھا، انوارِ مشرق نے ہی مغرب کو روشنی عطا کی جس کا سب سے بڑا اور واضح ترین ثبوت یہ ہے کہ خود مسیحیت کا ظہور بھی مشرق میں ہوا اور یورپ کی سرد تاریکیوں میں ٹھٹھرنے والوں کو اس نے بعد میں خدا آشنا کیا، یہ الگ بات ہے کہ یورپ کی کج ذہنی نے عقیدۂ تثلیث تراش لیا اور مسیحی تعلیمات کو مسخ کر کے رکھ دیا۔

بہرحال تہذیب انسانی کے قافلے نے مشرق سے مغرب کی طرف

سفر کیا ہے، اس قافلے کو تحریک دینے والی قوت مظہر انوار نبوت کی خطابت تھی اس لئے تہذیب انسانی کی طرح اس خطابت کے فن کا نقطۂ آغاز بھی سرزمین مشرق ہی تھی، یونانی فلاسفہ سے صدیوں پہلے انبیاء کرام کے نفوس قدسیہ نے یہاں علم و عرفان کی شمعیں روشن کیں، انسانیت کی ذہنی و فکری تربیت کی اور صراطِ مستقیم دکھانے کے لئے اپنی خطیبانہ خداداد صلاحیتوں کو استعمال کیا۔ اس لئے عام روش سے ہٹ کر بات کا آغاز یہاں انوار نبوت کے خطیبانہ کمالات سے کیا گیا ہے اور ایک مستقل باب میں ان کا مفصل تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

"فصاحتِ نبوی" سات ابواب میں منقسم ہے شروع کے تین ابواب تمہیدی ہیں جن میں اختصار کی کوشش کی گئی ہے، پہلے باب (قیادت اور خطابت) میں انسانی تاریخ میں فن خطابت کی اہمیت سے بحث کی گئی ہے، دوسرے باب (نبوت اور خطابت) میں انبیاء کرامؑ کے کمال خطابت کا ذکر ہے، تیسرے باب میں (عرب اور خطابت) میں عربوں کی خطابت کا اجمالی ذکر ہے اور چوتھا باب (افصح العربؐ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے لئے مختص ہے اس کے بعد کے چار ابواب کلام نبوتؐ کے متنوع جواہر پر مشتمل ہیں، جوامع الکلم، خطباتِ نبویؐ، مکاتیب نبوی، اور معاہدات و مواثیق کے نمونے بطور مشتے از خروارے درج ہیں۔

یہ کام اپنے کاوش کنندہ کے اعتبار سے تو حقیر ہے مگر اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت عظیم الشان ہے، اپنی کم علمی، کم مائیگی اور احتمالِ لغزش کا بھی احساس ہے تاہم نیت نیک اور ہدف مخلصانہ ہے، وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ!

۹ر جنوری ۱۹۸۰ء

ظہور احمد اظہر
شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی

قیادت اور خطابت

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قیادت اور خطابت

انسانی عقل و شعور قیادت و رہنمائی کے سائے میں پروان چڑھا ہے، اور قیادت و رہنمائی ہمیشہ نطق و بیان کی مرہونِ منت رہی ہے گویا تاریخِ انسانی میں قیادت و خطابت کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے، انسانی علوم و تہذیب کا قافلہ نطق و گویائی اور زورِ خطابت سے تحریک پاتا رہا ہے۔

خالقِ فطرت نے انسان کو عقل و شعور کی صلاحیت عطا فرمائی ہے جس کے ذریعے وہ اخذ و تحصیل کے بعد استنتاج اور استنباط کے مراحل سے گزرتا ہے، جدید و قدیم علوم و معارف کا یہ وسیع و طویل سلسلہ دراصل انسانی عقل و شعور کی ان استخراجی و استنباطی صلاحیتوں کا حاصل ہے لیکن عقل و شعور کے طفیل استنتاج و استنباط کی یہ رفتار نطق و گویائی کے بغیر تیزی سے آگے نہیں بڑھ سکتی تھی کیونکہ اخذ و تحصیل اور استنباط کے بعد تعلیم و تلقین کا مرحلہ بھی تھا جو نطق و بیان کے بغیر طے نہیں ہو سکتا تھا، تو گویا قدرت نے حضرتِ انسان میں دو قوتیں ودیعت کر کے اسے اشرف المخلوقات ہونے کا مستحق ٹھیرایا۔ ان میں سے ایک قوت عقل و شعور ہے اور دوسری قوت کا نام نطق و بیان ہے، ان دو قوتوں کو آب و تاب عطا کر کے احسن تقویم کے سزاوار انسان کو اپنے نور سے منور فرمایا یعنی اسے علم کی روشنی عطا کی پھر ان صلاحیتوں کے اختراع اور اجتماع سے انسان کو خلافتِ الٰہی کا تاج فضیلت نصیب ہوا[1] اور یوں یہ خاکی انسان مسجودِ جن و ملک

[1] قرآن مجید (۲: ۳۰ تا ۳۵)

ٹھیرا اور خلیفۃ اللّٰہ فی الارض کی حیثیت سے تسخیرِ کائنات پر مامور ہوا۔

نطق و بیان قدرت کا عظیم عطیہ ہے

خالقِ کون و مکان اور رب العالمین نے اولادِ آدم پر جو احسانات کئے ہیں اور اسے جس انعام و اکرام سے نوازا ہے اس کا حصر و احاطہ قلم و قرطاس کی حدود سے باہر ہے، یہی احسان کیا کم ہے کہ اسے انسان بنا کر اشرف المخلوقات کے مرتبے پر فائز کیا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ[1] کے مطابق اسے حسن و جمال اور اخلاق و خصال کے بہترین سانچے میں ڈھالا اور پھر وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ[2] (ہم نے اولادِ آدم کو بزرگی عطا کی) کی رو سے اسے عزت و تکریم کا تاج پہنایا، ان لاتعداد انعاماتِ ربانی میں سے ایک اہم فضل و انعام نطق و بیان کی صلاحیت اور قلم کا استعمال بھی ہے، ارشادِ ایزدی ہے[3]۔

"اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ"

اللہ رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا، انسان کی تخلیق فرمائی پھر اسے نطق و بیان کی تعلیم دی۔

عقل و شعور اور نطق و بیان کی نعمت عظمیٰ کی تکمیل قلم و قرطاس کی محتاج تھی، علم و دولت کی سعادت دراصل عقل و شعور کی تربیت اور نطق و بیان کو رعنائی بخشنے کے لئے تھی، عقل و شعور کے ظرف کے مطابق انسان کو علم کی دولت میسر آئے تو اس کی شخصیت میں اعتدال و توازن پیدا ہو سکتا ہے نہ نطق بیان کی صلاحیت کو جلا مل سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شرفِ نبوت سے نوازا گیا تو تخلیق و ہدایت کے احسانِ ربانی کے ساتھ دولتِ علم اور قرطاس و قلم کی عظمت کا بھی اعلان ہوا[4]۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ

[1] سورۃ التین آیت ۴ [2] سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷۰ [3] سورۃ رحمٰن آیت ۱ تا ۴
[4] سورۃ العلق (۹۶: ۱ تا ۵)

مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

آپ اپنے اس رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا، اس نے انسان کو
ایک لوتھڑے سے تخلیق کیا، پڑھ کر تیرا رب تو سب سے زیادہ بزرگی
والا ہے، جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا، انسان کو وہ کچھ سکھایا
جو وہ نہیں جانتا تھا![1]

نطق وبیان کی حکمت واہمیت

قرآنِ مجید میں نطقِ لسانی اور لب کشائی کی صلاحیت کو اللہ تعالیٰ کی اہم وعظیم نعمتوں میں سے شمار کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی میں اس نعمتِ کبریٰ کو نہایت اور فیصلہ کُن کردار ادا کرنا تھا یہ وہ صلاحیت تھی جسے تاریخِ انسانی میں محیر العقول اور معجز نما کارنامے انجام دینا تھے۔ نطق و بیان اور خطیبانہ بلاغت سے تاریخ کے رُخ بدلنے تھے، اس کے ذریعہ اثر قوموں کو بنتا اور بگڑنا تھا۔ اہلِ نطق و بیان کی خطیبانہ فصاحت و بلاغت سے وہ کام ہونے تھے جو شمشیر و سنان اور توپ و تفنگ سے بھی انجام نہیں دئے جاسکتے تھے۔ اسی لئے تو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ نیزے اور تلوار کے زخم تو بھر جاتے ہیں زبان کے زخم نہیں بھرتے۔

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِئَامٌ   وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

نطق و بیان کی عظیم نعمت میں ایک حکمت یہ بھی پنہاں تھی کہ اس کے ذریعے نہ صرف انسانی تاریخ و تمدن کے قافلے کو تحریک ملنا تھی بلکہ بنی نوعِ انسان کو دو آفتوں سے نجات بھی نصیب ہونا تھی اور زبان و قلم کے جہاد سے دنیا میں بھوک اور غلامی کا بھی خاتمہ ہونا تھا۔ اللہ کا منشا یہ تھا کہ انسانیت کی بے بسی اور مجبوری کی ان دو علامتوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے اللہ کی اس نعمتِ کبریٰ کو کام میں لایا جائے، زیورِ نطق و بیان اور سلاحِ بلاغت سے مزین ہونے کے بعد حضرتِ انسان کو تفکر و امتنان کے طور پر مشکل ترین کام انجام

دینا تھا تاکہ اللہ کے بندے جھوٹے خداؤں کی جبرو دستیوں سے آزاد ہوں اور خدا کی زمین پر صرف اس کے بندے بن کر سکھ چین کی زندگی بسر کریں۔ یہ کام نطقِ لسانی اور خطیبانہ شعلہ بیانی کا محتاج تھا، قرآن مجید کہتا ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي كَبَدٍ ۝ أَيَحْسَبُ أَن لَّن يَقْدِرَ عَلَيْهِ
أَحَدٌ ۝ يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ أَيَحْسَبُ أَن لَّمْ
يَرَهُ أَحَدٌ ۝ أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ۝ وَ
هَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ
مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ۝
يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝

یقیناً ہم نے انسان کو مشقت و ذمہ داری کے لئے پیدا کیا، کیا وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس پر کسی کو غلبہ حاصل نہیں ہوگا، وہ کہے گا: میں نے بہت سا مال برباد کر دیا، کیا وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے دیکھا ہی نہیں؟! کیا ہم نے اس کے لئے دو آنکھیں نہیں بنائیں، اسے زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے؛ اور کیا ہم نے اسے دو نمایاں راستے نہیں دکھا دیئے مگر اس نے مشکل گھاٹی سے گذرنے کی ہمت نہیں کی اور تجھے معلوم ہے یہ مشکل گھاٹی ہے کیا؟ یہ مشکل گھاٹی غلاموں کو آزاد کرانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم کو یا بے بس مسکین کو کھانا کھلانا ہے۔[1]

قرآنِ مجید کی ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کے لئے ایک ایسا پیغام دیا ہے جو انسانی آزادی اور خوشحال و پر سکون زندگی کی ضمانت دیتا ہے وہ پیغام یہ ہے کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے جو آج کاشت ہوگا کل اسی کا پھل ملے گا۔ انسان یہاں عمل کی کسوٹی پر پرکھے جانے کے لئے آیا ہے۔[2]

---

[1] سورۃ البلد (۹۰: ۴ تا ۱۶) [2] سورۃ الملک: آیت ۲

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ،

"اللہ قادرِ مطلق وہ ذات ہے جس نے موت وحیات کا سلسلہ اس لئے بنایا ہے تاکہ وہ یہ آزما سکے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہترین ہے"

انسان کے اس امتحان اور اس آزمائش کے بارے میں سورہ ملک کی مندرجہ بالا آیات میں ایک واضح لائحہ عمل دیا گیا ہے۔ انسان اس دنیا میں عمل کے لئے آیا ہے۔ اسے اپنے ابنائے جنس کی سعادت وسکون کے لئے اپنا خون جگر صرف کرنا ہے۔ انسانیت کو بھوک اور غلامی سے نجات دلانا ہے اس مقصد کی خاطر انسان کو نورِ بصیرت ولبصارت بھی عطا ہوا ہے اور نطق وبیان کی قوت بھی عطا ہوئی ہے۔ یہ عطیات خدا کے عظیم الشان احسان وانعام کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر رب العلمین کو بہت ناز ہے کہ اس نے نورِ بصیرت کے ساتھ ساتھ انسان کو قوت لسانی اور شعلہ بیانی کا ملکہ عطا کیا ہے۔

انسانیت کی طویل تاریخ پر ایک مجموعی نظر ڈالنے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ہر جگہ اور ہر دور میں انسان کی مجبوریاں صرف دو رہی ہیں۔ عزت وسکون کی آزاد زندگی اور پیٹ کی آگ کو بجھانے کے لئے حسبِ ضرورت وافر سامانِ خوراک! اس کے ساتھ ہی یہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسانوں کو ان دو مجبوریوں سے چھٹکارا دلانے کے لئے جب بھی کوئی تحریک اٹھی تو اس کا آغاز، ترقی اور کامیابی ہمیشہ زبان کی شعلہ بیانیوں اور خطابت کی ولولہ انگیزیوں کی مرہون منت رہی، آج بھی محکوموں کی آزادی اور بھوکوں کو عزت کے ساتھ ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کے لئے زبان اور قلم کا جہادِ اکبر ہی کام آرہا ہے قرآن مجید میں بھی نطق وبیان کی یہی اہمیت اور زورِ قلم کے اسی پہلو کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

بیان وبلاغت اور قرآن حکیم

قرآن مجید اللہ کا آخری پیغام اور رسالتِ محمدی کا دائمی معجزہ ہے جو ازل سے ابد تک زندہ وتابندہ ہے۔ اس کا اسلوب بیان اور معیارِ فصاحت وبلاغت قادرِ مطلق کا ایک چیلنج ہے جو پہلے بھی تھا اور آج بھی اسی طرح قائم ہے۔ اس کے اسلوب بیان کے لفظی ومعنوی محاسن جہاں ذوق سلیم کی تسکین کا سامان اور قلب وجگر کے لئے پیغام حیات ہیں وہاں ان سے قرآن کریم کے اعجاز بیان کی تصدیق واعتراف بھی مقصود ہے۔ کتاب اللہ کا طرزِ استدلال، حقائق کی تصویر حسبِ موقع اندازِ تخاطب اور مخاطبین کو قائل کرنے کا پیرایۂ بیان ہمیں ایک ہی حقیقت کا احساس دلاتا ہے کہ انسانیت کا قافلہ علم وتہذیب نطق وبیان کا مرہون منت ہے۔ کتاب اللہ میں ذکر وبیان کے الفاظ اس کثرت سے دوہرائے گئے ہیں کہ فصاحت وبلاغت کی اہمیت کا اعتراف کئے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی انقلاب کی منزل اوّل کے طور پر ایک ایسی قوم میں مبعوث کیا گیا جس کا سرمایہ[1] زیست وطرۂ امتیاز ہی خطیبانہ فصاحت وبلاغت اور شعلہ بیانی تھی۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس بات کو دہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی مقدس کے ذریعہ انسانوں کے لئے باتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، وہ وعظ ونصیحت فرماتا ہے، اس کی آخری کتاب مبین بھی ایک بیان وموعظت ہے؛

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ

"یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیات کو کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہِ ہدایت پر گامزن ہو جاؤ۔"

(سورۃ البقرہ : آیت ۲۶۶)

---

[1] البیان والتبیین ۲/۶ تا ۱۰، شرح دیوان حسان طبر قوتی ص ۱۶

اللہ کا یہ بیان فرمانا اس قدر اہم اور کارآمد ہے کہ انسان کی ساری فلاح
وسعادت اور نجاتِ اخروی کا تمام سامان اسی سے وابستہ ہے چنانچہ یہ بیان ربّانی
کہیں تو ایمان ویقین کی دولت میسر آنے کا سبب ہے (لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ: البقرہ ۲ : ۱۱۸)
کبھی ذکر ونصیحت کا سامان پیدا کرتا ہے (لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ - البقرہ ۲ : ۲۲۱)
تقویٰ وطہارت کا وسیلہ بھی یہی ہے (لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ - البقرہ ۲ : ۱۸۷)
عقل وفکر کی قوتوں کو بھی اسی بیانِ ربانی سے جلا ملتی ہے (البقرہ ۲ : ۲۱۹، ۲۴۲)
ذکر وشکر کا وسیلہ بھی یہی ہے (البقرہ ۲ : ۲۲۱، المائدہ : ۵ : ۸۹) اور گمراہی
سے بچانے کیلئے بھی یہی بیانِ ربّانی کام آیا ہے:

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ
یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے بیان فرماتا ہے کہ تم کہیں گمراہ نہ
ہو جاؤ، اور اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ (النساء : ۴ : ۱۷۶)

کتاب اللہ خود بیانِ ربانی کا ایک اعجاز ہے مگر خود بھی ایک وعظ وبیان ہے[1]

"هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ":
یعنی اللہ کی یہ کتاب انسانیت کے لئے ایک بیان ہے اور جو
اہلِ تقویٰ ہیں ان کے لئے وعظ وہدایت ہے"

تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے نطق وبیان کی اعلیٰ ترین
صورتیں عطا فرمائیں اور اللہ کے ہر ایک نبی نے بلاغ مبین کا فریضہ بحسن وخوبی
انجام دیا اور یہی مقصودِ ربانی تھا[2]

وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ:
یعنی رسول کا مشن اور منصب تو بات کو واضح طور پر بیان
کر کے پہنچا دینا ہے:

اللہ کے تمام رسول بھی یہی فرماتے رہے کہ ہمارا منصب رسالت

[1] سورۂ آل عمران (۳ : ۱۳۸) [2] العنکبوت (۱۹ : ۱۸)

تو یہی ہے کہ بات کو کھول کر بیان کر دیں اور اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچا دیں[1]

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝
یعنی ہمارا فرضِ منصبی تو پیغامِ ربانی کو واضح کر کے پہنچا دینا ہے"

اللہ کا ایک اولوالعزم نبی ایسا بھی تھا جسے بیان وبلاغت پر مکمل قدرت
نہ تھی۔

تو اسے اللہ کے حضور دعا کرنا پڑی کہ عطائے نبوّت کے ساتھ ساتھ
زبان کو فصاحت وبلاغت کے قابل بنا دے اور شرح صدر فرما دے اور
میرے بھائی کو بھی میرے ساتھ نبوت سے نواز دے کہ وہ فصیح البیان ہے[2]

وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ
یعنی موسیٰ نے اپنے رب سے عرض کیا کہ میرا سینہ گھٹتا ہے اور
میری زبان میں روانی نہیں ہے اس لئے ہارونؑ کو بھی منصب
رسالت بخش دیجئے۔

ہر نبی اور رسول کو اللہ تعالیٰ نے بیان وبلاغت کی قدرت سے نوازا
تھا اور وہ اپنی اپنی امت کی زبان میں نہایت فصیح وبلیغ انداز خطابت میں
اللہ کا پیغام بیان کرتے رہے[3]

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ
لِيُبَيِّنَ لَهُمْ،
یعنی ہم نے کوئی بھی نبی ایسا نہیں بھیجا جو اپنی قوم کی زبان
میں گفتگو نہ کرتا ہو، تاکہ وہ ہمارا پیغام انہیں کھول کر
بیان کر دے"

[1] سورۂ یٰس (۳۶ : ۱۷) [2] الشعراء (۲۶ : ۱۳) [3] سورۂ ابراہیم، (۱۴ : ۴)

جاحظ نے یہ آیت کریمہ پیش کرنے کے بعد لکھا ہے[1]:

إِنَّ مَدَارَ الْأَمْرِ عَلَى الْبَيَانِ وَالتَّبْيِينِ وَعَلَى الْإِفْهَامِ وَالتَّفَهُّمِ. وَكُلَّمَا كَانَ اللِّسَانُ أَبْيَنَ كَانَ أَحْمَدَ كَمَا أَنَّهُ كُلَّمَا كَانَ الْقَلْبُ أَشَدَّ اسْتِبَانَةً كَانَ أَحْمَدَ وَالْمُفْهِمُ لَكَ وَالْمُتَفَهِّمُ عَنْكَ شَرِيكَانِ فِي الْفَضْلِ، إِلَّا أَنَّ الْمُفْهِمَ أَفْضَلُ مِنَ الْمُتَفَهِّمِ وَكَذَلِكَ الْمُعَلِّمُ وَالْمُتَعَلِّمُ:

یعنی اس میں حکمت یہ تھی کہ بات کا دارومدار بیان و توضیح اور افہام و تفہیم پر ہے جس قدر بھی زبان زیادہ بیان و بلاغت پر قادر ہو گی اسی قدر زیادہ قابلِ تعریف ہو گی جس طرح کہ جس قدر انسان کا دل زیادہ روشن ہو تو زیادہ قابلِ ستائش ہوتا ہے، جو شخص تجھے کوئی بات سمجھاتا ہے یا جس کو تو سمجھائے دونوں قلب و لسان کی روشنی کی فضیلت میں برابر کے شریک ہیں، ہاں البتہ سمجھانے والا سمجھنے والے سے افضل ہوتا ہے، معلّم اور متعلم کے سلسلے میں بھی یہی اصول کارفرما ہے!"

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو استدلال اور مباحثہ کی صلاحیت سے بھی نوازا تھا۔ کیونکہ تفہیم حق کی راہ میں حجت و دلیل پیش کرنے کے علاوہ مناظرہ و مجادلہ بھی کرنا پڑتا تھا حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنی قوم اور خود ساختہ خداؤں سے احتجاج و استدلال کا موقع پیش آیا۔ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے دربار فرعون میں جو مناظرہ کیا تھا اسے قرآن مجید نے متعدد سورتوں میں مختلف اسلوب بیان کے ساتھ پیش کیا ہے۔

افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو بیان و بلاغت کی وہ بلندیاں عطا ہوئی تھیں جن کے بعد اور کوئی نہایت یا حد باقی

[1] کتاب البیان والتبیین، جلد اوّل صفحہ ۱۱

نہیں رہ جاتی، آپ کو تبلیغ یعنی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ پیغامِ حق پہنچانے کا حکم ہوا۔ اپنے مخاطبین کے سامنے "قول بلیغ" ارشاد فرمانے کی تلقین ہوئی اور ایک مقام پر تو یوں حکم ہوا[1]۔

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ

یعنی ہم نے آپ پر کتاب مبین اس لئے نازل کی ہے کہ اسے آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کر دیں کہ یہ ہے وہ پیغام جو اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا ہے۔

نطق و بیان کے کمال سے محرومی ایک بہت بڑا عیب ہے، چنانچہ اس محرومی کا احساس دلاتے ہوئے جاحظ لکھتا ہے[2]!

"وَضَرَبَ اللهُ عزوجل مثلا لعيّ اللسان ورداءة البيان حين شبّه أهله بالنساء والولدان فقال تعالى:

أَوَمَنْ يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ:

یعنی اللہ تعالیٰ نے نقص لسانی اور خراب اندازِ بیان کی مثال پیش کرنا چاہی تو ایسے لوگوں کو عورتوں اور بچوں سے تشبیہ دی۔ چنانچہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ۔

یعنی کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جو بحث و جدال میں بات کو واضح کر سکنے والے بیان سے بھی قاصر ہو؟ (قرآن ۴۳ : ۱۸)

گزشتہ سطور میں وارد ہونے والی آیات اور دیگر اقوال اور اقتباسات پر ایک مجموعی انداز میں نظر غائر ڈالیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ منطق و گویائی کی قوت اور بیان و بلاغت کی صلاحیت ایک ایسا عطیہ و احسان ربانی ہے جو ربِ جلیل نے حضرت انسان پر ارزاں فرمایا ہے، یہی وہ طرۂ امتیاز ہے جس سے نہ صرف یہ کہ حیوان ناطق دیگر حیوانات سے ممتاز ہو جاتا ہے بلکہ

[1] سورہ النحل (۱۶ : ۴۴)، [2] البیان والتبیین ۱ : ۱۴

نطق و بیان کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہونے والا انسان جب خطیب و مقرر کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے تو وہ اپنے ابنائے جنس میں عزت و منزلت اور تفوق و برتری کے علاوہ اپنی شعلہ نوائی اور معجز بیانی سے تاریخ کے دھارے بدلنے کے قابل بھی ہو جاتا ہے، قیادت و امامت کا تاج اس کا حق ٹھیرتا ہے، جہاں شمشیر و سناں اور توپ و تفنگ کے علاوہ دیگر تمام مادی وسائل کام نہ آسکیں وہاں ایک فصیح و بلیغ کی شعلہ بیانی کام کر جاتی ہے، ہتھیاروں سے بیزار اور زخموں سے نڈھال انسانیت سپہ سالاروں کے بجائے آتش بیان زعماء و قائدین کے پیچھے لگ جاتی ہے، یہیں سے انسانیت کی قیادت ان لوگوں کا مقدر بن جاتی ہے، جو اپنی زبان سے انسانوں کے جذبات اور دھڑکتے دلوں کے ترجمان بن جاتے ہیں، خطیب کی زبان سامعین کے احساسات کی تعبیر و اظہار کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یوں یہ خطیب قائدین انسانیت کے قافلے کے میر کارواں بن جاتے ہیں، قافلے والے ان قائدین کی سحر انگیز آواز پر لبیک کہتے ہوئے چل پڑتے ہیں، پھر نہ انہیں پر خطر و پیچ راہوں کا ڈر رہتا ہے اور نہ ان کے دل میں سود و زیاں کی پروا رہتی ہے، پس لفظوں کا ایک جادو ہے جو قافلے کے سر چڑھ کر بولتا ہے، اور یہی خطیبانہ قیادت یا قائدانہ خطابت تاریخ انسانیت کو ایثار و جاں سپاری اور رفعت و عظمت کی کہکشاں بنا ڈالتی ہے!

تاریخ بتاتی ہے کہ قیادت اور خطابت کا ہمیشہ ساتھ رہا ہے بلکہ قیادت کا نمایاں جوہر ہی خطابت رہی ہے، خطابت کے بغیر قیادت کبھی نہیں پنپ سکی خطابت نے ہمیشہ قیادت کا تاج پہنا ہے۔ جو بات کرنے کے قابل ہوا وہی آگے آیا، جو بہتر سے بہتر طریقے سے بات کر سکا سب کو پیچھے کیا چھوڑا سب کو اپنے پیچھے لگا لیا، سب نے اسی کو آگے کیا کہ سب کے دلوں کی ترجمانی کر سکتا ہے۔ سب کے زخموں پر مرہم رکھ سکتا ہے!

قرآن مجید کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسانیت کا قافلہ اہلِ بیان کی شعلہ نوائی کی روشنی میں آگے بڑھا ہے۔ بیان و بلاغت کی اس روشنی کے علمبردار ہر خطے اور ہر گروہ میں ظاہر ہوتے رہے، ان ظاہر ہونے والے شعلہ نوا خطیبوں میں وہ نفوس قدسیہ سب میں نمایاں اور سب سے برتر تھے جو نابالغ انسانیت کو جہالت اور بے ہنری کے عہد طفولیت سے نکالنے کے لئے مبعوث ہوتے رہے۔ اِن سے کوئی گروہ اور کوئی خطہ محروم نہیں رہا۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ :

تو تو بس ڈرانے والا ہی ہے اور ہر قوم کے لئے ہم ہادی و رہنما بھیجتے رہے ہیں (قرآن ۱۳: ۷)

یہاں سے قرآن کریم کا یہ نقطۂ نظر بھی ہم پر عیاں ہو جاتا ہے کہ ہر قوم کے نبی پر اسی قوم کی زبان میں وحی و الہام کا فیضان ربانی جاری رہا، کیونکہ بات کو کھول کر بیان کرنا ہوتا ہے اور وہ اپنی زبان ہی میں ممکن ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ :

یعنی ہم نے ہر رسول کو اس کی اپنی قوم کی زبان میں ہی پیغام دے کر بھیجا تاکہ وہ اس پیغام کو کھول کر بیان کرے۔ (قرآن ۱۴: ۴)

نطق و بیان کی ارتقائی منازل

خطابت کی تاریخ لکھنے والے اور نطق و بیان کی ارتقائی منازل سے بحث کرنے والے اپنی بات کا آغاز ہمیشہ یونانیوں سے کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ قدیم زمانوں میں علم و حکمت اور فلسفہ و دانش کا اولین سرچشمہ بھی خطۂ یونان ہی تصور ہوتا ہے جہاں سے انسانی فکر و تہذیب کا قافلہ رواں دواں ہوا!

یورپ کے مسیحی مفکرین و محققین کی یہ مجبوری بلکہ کمزوری رہی ہے کہ وہ اپنی مادہ پرستانہ تہذیب کے آغاز سے پہلے کے زمانوں کو قرونِ مظلمہ یا تاریک زمانوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ ولادت مسیح علیہ السلام سے پہلے کی تاریخ کے یونانی

باب کو چھوڑ کر باقی تمام ادوار کو خرافاتی داستانوں کے سوا کچھ اہمیت دینے کیلئے تیار نظر نہیں آتے، حضرت مسیحؑ کو انسانیت کا نجات دہندہ تسلیم کرنے کے باوجود سامی اقوام کی تاریخ اور انسانی تہذیب کے اولین گہوارے مشرق وسطیٰ کے مرکز میں جہاں اللہ کے اولوالعزم بندوں یعنی انبیاء ابراہیمی نے علم و عرفان اور رشد و ہدایت کی شمعیں روشن کی تھیں ان کی ضوفشانی کے اگر وہ منکر نہیں تو دل سے معترف بھی نہیں ہیں!

حالانکہ چشم بینا سے یہ حقیقت اوجھل نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت یعنی نظام شمسی نے بھی سب سے پہلے سرزمین مشرق کو نوازا ہے، آفتاب عالمتاب کی پہلی کرن اسی گوشے پر پڑی، نسل انسانی نے بھی یہیں جنم لیا، یونان سے کئی صدیاں پہلے مشرق کے مختلف خطوں میں خدا کے نیک بندے اس کی مخلوق کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوتے اور علم و عرفان کی راہیں روشن کرتے رہے، مشرق وسطیٰ جو سامی اقوام کا مسکن اور اسلامی تعلیمات کے مطابق نہ صرف وحی والہام ربانی کے نزول کا اولین مرکز تھا بلکہ انسانیت کا اولین گہوارہ بھی تھا، تہذیب انسانی اور علم و معرفت کے علمبردار انبیائے ابراہیمی علیہم السلام کا مرکز و میدان تبلیغ تھا، یہی نفوس قدسیہ نہ صرف علم و ہدایت کے اولین علمبردار تھے بلکہ خطابت اور بیان و بلاغت کے بانی بھی یہی تھے! میرا تو یہ پختہ عقیدہ اور غیر متزلزل ایمان ہے کہ گہوارہ طفولیت سے لیکر شباب و بلوغت تک انسانیت کی ذہنی و فکری تربیت یونان کے اصنام پرستوں نے نہیں بلکہ خانوادہ ابراہیمی کے فرزندان توحید نے کی ہے جو اللہ کا پیغام برحق لے کر مبعوث ہوتے رہے اور شرک و وثنیت کے تبان وہم و گمان کو نابود کرتے رہے، انسان کو اپنے مقام اور اپنے خالق حقیقی سے رشتہ ورابطہ سے آگاہ کرنے والے یہی بندگان حق تھے جو وقت کے آذروں کو صنم سازی کے بجائے بت شکنی کی تلقین کرتے اور صنم کدوں کو برباد کرتے رہے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ شرک

و بت پرستی میں جکڑے ہوئے عبودیت کے خوگر کس طرح انسان کو خود شناسی اور حق آشنائی سکھا سکتے تھے؟ یہ کام تو وہی کر سکتے تھے جو انسان کو قدرت کا شاہکار، خلیفۃ اللہ اور تخلیق کائنات کا حاصل قرار دیتے تھے، جن کی تعلیم کا بنیادی نقطہ ہی یہ تھا کہ سب کچھ انسان کے لئے اور انسان صرف اللہ کیلئے ہے!

اس لئے یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ٹھیرتی ہے کہ مرحلہ بمرحلہ انسانیت کے ذہن و شعور کو پختگی اور بلوغ کمال تک پہنچانے والے اور حضرت انسان کو اس کا مرتبہ و مقام سمجھانے والے یہی انبیاء کرام تھے جن کا ایک سلسلہ موحد اعظم خلیل حق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوا اور محسن انسانیت ختمی مرتبت افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان عمارت کی آخری اینٹ تھے!

انسان کو خلیفۃ اللہ اور کائنات کا مالک و مولیٰ بنانے والی توحید پرست تہذیب کا سرچشمہ خانوادۂ ابراہیمی کے یہی انبیاء تھے اسی طرح قافلۂ انسانیت کو تحریک دینے والے فن خطابت کے اولین مردان میدان بھی یہی تھے، تبلیغ رسالت اور ابلاغ نبوت سے بڑھ کر کونسا منصب یا ذمہ داری ایسی ہو سکتی ہے جہاں خطابت اور زور بیان کی ضرورت پڑ سکتی ہے؟! تخت و تاج کا حصول تو شمشیر و سناں کا محتاج ہوتا تھا اس کے لئے زور خطابت اور شعلہ بیانی سے زیادہ پنجہ آزمائی اور زور بازو درکار ہوتا تھا، صنم پرستی کی بھول بھلیوں میں الجھے ہوئے اور تخت و تاج کے لئے باہمی دست و گریباں یونانی خطابت کے بجائے بازوئے شمشیر زن کے مالک تھے، بات صرف اتنی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پھیلائی ہوئی روشنی کے نتیجہ میں انسانیت جب لکھنے پڑھنے کے مرحلے پر پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے یونانی قوم کو چند ایسے دماغوں سے نوازدیا جن کے افکار کے نتائج قلم کی بدولت محفوظ ہو گئے (اگرچہ یہ حفاظت بھی بڑی حد تک ملت ابراہیمی کے مسلم فرزندوں کی مرہون منت ہے!) جبکہ انبیاء کرام کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و خطابت کے نمونے جہالت کی نذر ہو گئے مگر ہم

مسلمانوں کے نقطہ نظر سے یہ نمونے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب اعجاز اور تعلیمات مقدسہ میں محفوظ ہیں لہٰذا ہم تو خطابت کے اوّلین علمبردار انہی نفوس قدسیہ کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی لئے افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت اور بیان و بلاغت کے لیے مختص اس کتاب کا ایک تمہیدی باب خطابت اور نبوت ہے!

اگر آپ جذبہ ایمان کے ساتھ ساتھ تاریخی حقائق کی بات بھی کرنا چاہیں تو "خطابت" کا مصنف ارسطو تو فن خطابت کے چند نظریاتی قواعد و اصول کے علاوہ خطابت کے فن سے دُور کا واسطہ بھی نہ رکھتا تھا، اور غالباً یہ قواعد خطابت بھی اس نے اپنے شاگرد سکندر اعظم کے لئے لکھے تھے جسے اپنے باپ فیلیپس کی طرح ایک شعلہ نوا خطیب (دیموستینیس) سے واسطہ پڑا تھا جو ان کے تخت و تاج کے لئے ایک چیلنج تھا اور اپنی شعلہ بیانی سے یونانی رعایا کو ان کے خلاف بھڑکاتا تھا! اس کے جواب کے لئے یونانی تخت و تاج نے ارسطو سے خطابت کے قواعد لکھوائے تاکہ دیموستینیس کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے شاہی خطیب پیدا کئے جا سکیں کیونکہ ارسطو بذات خود بیان و بلاغت اور خطابت کا مرد میدان نہ تھا۔

عربی زبان کے علم بلاغت اور فن خطابت کا ایک عظیم عالم ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ ارسطو کی عظمت کا معترف تھا، وہ اسے ہمیشہ "صاحب المنطق" کے لقب سے یاد کرتا تھا اس نے ارسطو کا وہ مشہور مقولہ جو اس نے انسان کی تعریف کے سلسلے میں بولا تھا اپنی کتابوں میں بکثرت بطور استشہاد پیش کیا ہے کہ "الانسان هو الحي الناطق المبين"[1] یعنی انسان ایک ایسا حیوان ہے جسے نطق و بیان کی صلاحیت عطا ہوئی ہے، مگر وہ ارسطو کی اپنی خطیبانہ صلاحیت کے ضمن میں لکھتا ہے[2]

---

[1] البیان والتبیین ۱: ۷۷ [2] البیان والتبیین ۳: ۲۷

"ولليونانيين فلسفة وصناعة منطق، وكان صاحب المنطق بكيّ اللسان غير موصوف بالبيان مع علمه بتمييز الكلام وتفصيله ومعانيه وبخصائصه، وهم يزعمون ان جالينوس كان انطق الناس. ولم يذكروه بالخطابة ولا بهذا الجنس من البلاغة:

یعنی اہل یونان کے پاس فلسفہ اور منطق تھی صاحب منطق یعنی ارسطو کم گو انسان تھا جسے بیان و خطابت سے کوئی تعلق نہ تھا، تاہم وہ کلام کے امتیازی اوصاف، تفصیل، معانی اور خصائص کا علم رکھتا تھا، لوگ کہتے ہیں کہ جالینوس منطق میں سب پر فائق تھا مگر اس کا خطابت یا اس قسم کی فصاحت و بلاغت کے ضمن میں کسی نے ذکر نہیں کیا"

بہر حال یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ یونان کا مشہور فلسفی اور خطیب سقراط جو ارسطو کا استاذ الاستاذ تھا اور ۳۹۹ ق م میں زہر قاتل کا پیالہ نوش کر کے دنیا سے رخصت ہوا تھا وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام (ڈھائی ہزار سو سال قبل مسیح) کے چودہ سو سال بعد پیدا ہوا تھا جب کہ یہ موحد اعظم کلدانیوں اور کنعانیوں کے سامنے زمزمہ توحید کو خطیبانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ پیش کر چکے تھے، جن کے اسلوب بیان اور طرز استدلال نے نہ صرف ساری قوم کو لاجواب کر دیا تھا بلکہ وقت کے جھوٹے خدا کو بھی دندان شکن جواب سے مبہوت کر دیا تھا۔ یونان کا خطیب اعظم دیموستینیس جس کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا خطیب تھا، اس نے فیلیپس مقدونی اور سکندر اعظم کے خلاف ایتھنز اور قرب وجوار کے قصبات میں اپنی شعلہ بیانی سے زوردار تحریک مقاومت چلائی تھی، اس کے خطبات یونانی ادب میں "فیلیپک" کے عنوان سے

مشہور ہیں، (وہ ۳۲۲ قبل مسیح میں فوت ہوا) بھی حضرت خلیل اللہ (۲۰۰۰ ق م)
حضرت موسیٰ کلیم اللہ (تیرہویں صدی قبل مسیح) حضرت داؤد علیہ السلام صاحب
فصل خطاب (۹۷۰ ق م) اور حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۳۵ ق م) سے کئی
سو سال بعد میں پیدا ہوا، جب کہ نفوس قدسیہ اپنے منصب رسالت کی
تبلیغ میں خطیبانہ بیان و بلاغت سے بندگان خدا کی راہنمائی کر چکے تھے
اور قافلہ تہذیب انسانی کو تحریک دے کر کئی منزلیں طے کرا چکے تھے۔

ہمارا مقصد اہل یونان کے مرتبہ و فضیلت کو گھٹانا ہرگز نہیں ہے اگر ہم ایسا
کریں بھی تو اس سے ان کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ ہم صرف ایک
حقیقت کا اعتراف چاہتے ہیں کہ بیان و بلاغت کی تاریخ لکھتے وقت یونان کے
ان عظیم خطباء سے ذرا پیچھے جانے کی تکلیف بھی گوارا کرنا ہوگی۔ مشرق میں علم
و دانش اور خطابت و بلاغت کی روشنی ہونے والی ان شمعوں کو ہرگز نہیں بھولنا
چاہیے جن پر جہالت نے دبیز پردے ڈالنے کی بڑی کوشش کی مگر ان کی خطابت
اور منصب رسالت کی تبلیغ کے کارنامے نبی امی افصح العرب پر نازل ہونے والی
اللہ کی آخری کتاب نے محفوظ کر دیے اس باب میں افصح العرب حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت سے بحث مقصود ہے لیکن بطور تمہید جو
باتیں کہنا لازمی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسانی تاریخ میں علم و حکمت
اور فکر و دانش کی اولین علمبردار ہستیوں کے ساتھ جو بے انصافی کی جاتی ہے
اس کا ازالہ کیا جائے اور خطابت کی تاریخ کو یونان و روم سے شروع کرنے کے
بجائے مہبط آدم و اولین سرچشمہ علم و معرفت۔ سرزمین شرق اوسط میں ظاہر
ہونے والے انبیاء کرام علیہم السلام سے کیا جائے جو مختلف ادوار میں اپنی خطابت
حکمت اور فصاحت و بلاغت سے انسانیت کو حق کا راستہ دکھاتے رہے ہیں۔
چنانچہ ایک مستقل باب میں ان کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔
وسعت نظر کے ساتھ ساتھ وسعت قلب مسلمان کے خمیر میں شامل ہے

بلکہ جزو ایمان ہے، بندہ مومن کی نظر اگر تسخیر کائنات پہ ہے تو "لا اکراہ فی الدین"
کے قرآنی اصول کے مطابق وہ فراخ دل بھی ہے علم و دانش میں ہر قوم اور ہر فرد
کے کمال ہنر اور محاسن وہبی کو سب سے پہلے تسلیم کرنے والے اہل اسلام ہی
ہیں، انسانی علوم و معارف کی تاریخ اس حقیقت پہ شاہد عادل ہے مسلمانوں
نے جو علم و فن کسی قوم سے حاصل کیا اس کا اعتراف بھی کیا، علم و فن کی عظمت
کے اعتراف کے ساتھ ساتھ اس قسم کی قدر و منزلت کو بھی استحسان کی نظر سے
دیکھا۔ جدید سائنسی علوم و معارف کا علمبردار مغرب عربوں اور مسلمانوں کی علمی خدمت
و عظمت کا اعتراف کرے یا نہ کرے مسلمانوں نے یونان و روم اور فارس و ہند سے
جو کچھ پایا اسے کچھ ترقی دے کر ہی انسانیت کو منتقل کیا اور ان اقوام کے کارناموں
کی قدر شناسی کو لازمی قرار دیا۔ فن خطابت اور فصاحت و بلاغت کا بھی یہی حال ہے

عربی ادب کا عظیم امام اور عربی فن خطابت و بلاغت کا اولین مؤرخ ابو
عثمان عمرو بن بحر الجاحظ اپنی معلومات کے مطابق ان تمام اقوام کی عظمت کا اعتراف
کرتا ہے جو خطابت میں کوئی مقام رکھتی تھیں، وہ "شعوبیین" کے اس دعوے
کی تردید نہیں کرتا کہ خطابت صرف عربوں کا خاصہ نہیں بلکہ تمام اقوام اس
نعمت خداوندی سے پوری طرح بہرہ ور ہوئی ہیں، وہ ان متعصب لوگوں
کے صرف اس الزام کی تردید کرتا ہے جو عربوں کے اسلوب خطابت پر عائد
کیا جاتا تھا کہ وہ خطبہ دیتے وقت مخصر، کمان یا عصا کا سہارا لیتے ہیں، کتاب
البیان والتبیین میں جاحظ اس رائے کو محفوظ کر گیا ہے کہ:

وَالخطابةُ شيءٌ في جَميعِ الأممِ وبكلِّ الأجيالِ اليه أعظمُ
الحاجةِ حتى أنّ الزنج مع الغثارةِ ومع فرطِ الغباوةِ
ومع كلالِ الحدِّ وغلظِ الحسِّ وفسادِ المزاجِ، لتطيلُ
الخطبَ وتفوقُ في ذلك جميعَ العجم، وإنْ كانت معانيها
اجفى وأغلظ وألفاظها أخطل وأجهل۔ وقد علمنا أنّ

أخطبُ الناسِ الفرسُ وأخطبُ الفرسِ أهلُ فارس، وأعذبهم كلامًا وأسهلهم مخرجًا وأحسنهم دَلًّا وأشدُّهم فيه تحكمًا أهل مرو، أفصحهم بالفارسية الدرية وباللغة الفهلوية أهل قصبة الأهواز، فأما نغمة الهرابذة ولغة الموابذة فلصاحب تفسير الزمزمة؛[1]

یعنی خطابت ایک ایسا فن ہے جو تمام اقوام کے ہاں موجود ہے تمام انسانی نسلوں کو اس کی زبردست ضرورت رہی ہے حتیٰ کہ زنگی یا حبشی لوگ اپنی کم عقلی، بے حد غبی ہونے، زبان کے کُند ہونے، حس کے درشت ہونے اور مزاج کے ناموزوں ہونے کے باوجود طویل تقریریں کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ان کے خطبات کے معانی سخت اور مفاہیم درشت ہوتے ہیں اور ان کا لفظی اسلوب کم عقلی اور کم علمی کا غماز ہوتا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ایرانی تمام اقوام میں سب سے بڑے خطیب ہوتے ہیں اور ان ایرانیوں میں بھی صوبہ فارس کے لوگ بڑے خطیب ہوتے ہیں مگر شیریں گفتاری آسان اسلوب ادائیگی، خوبصورت انداز بیان اور قدرت کلام میں شہر مرو کے باشندے سب پر فائق ہیں۔ دری فارسی اور پہلوی زبان میں سب سے زیادہ فصیح الکلام قصبۂ اہواز کے لوگ ہوتے ہیں۔ جہاں تک آتش کدوں کو روشن کرنے والوں کی نغمگی اور موبدوں کی فصیح زبان کا تعلق ہے تو وہ تو مجوسیوں کے مذہبی پیشواؤں کا حصہ ہے جو نغمہ دسشر کی زبان کی تفسیر کرنا جانتے ہیں؛ بایں ہمہ جاحظ کی یہ رائے اکثر لوگوں کے لیے حیرت کا باعث ہے کہ

---

[1] البیان ۳: ۱۲ تا ۱۳۔

وہ میدانِ خطابت کی شہسواری میں عربوں کے بعد صرف اہلِ فارس کا لوہا مانتا تھا، ہندوستان اور یونان یا روما کے خطباء کے متعلق غالباً مکمل معلومات اس تک نہیں پہنچ سکی تھیں چنانچہ وہ لکھتا ہے[1]:

وجملة القولِ أنا لا نعرف الخطبَ إلا للعرب والفرس، فأما الهندُ فإنما لهم معانٍ مدونةٌ وكتبٌ مخلدةٌ لا تضاف إلى رجلٍ معروفٍ ولا إلى عالمٍ موصوفٍ وإنما هي كتب متوارثةٌ وآدابٌ على وجهِ الدهرِ سائرةٌ مذكورةٌ؛

یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں تو صرف عربوں اور ایرانیوں کے خطبات کا علم ہے، رہا ہندوستان تو وہاں کے لوگوں کے ہاں تو مدوّن شدہ افکار و معانی ہیں، غیر فانی کتابیں ہیں جو کسی معروف مصنف سے منسوب نہیں اور نہ وہ کسی مشہور عالم سے نسبت رکھتی ہیں بلکہ یہ تو ورثے میں منتقل ہونے والی کتابیں ہیں اور ایک ایسے ادب کی حیثیت رکھتی ہیں جو صفحات زمانہ میں مشہور و مذکور ہے!

بعض لوگ[2] یہ سمجھتے ہیں کہ جاحظ ہند و یونان کی خطابت سے آگاہ نہ تھا، ہو سکتا ہے یونان و روم کی حد تک یہ بات قدرے صحیح ہو لیکن ہندوستان کے لوگوں کی خطابت اور اصول بلاغت سے جاحظ پوری طرح آگاہ تھا البتہ ان کے خطبات اس تک نہیں پہنچ سکے تھے، وہ ایک مقام پر اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مشہور ادیب معمر ابو الاشعث کا قول نقل کرتا ہے[3]:

"قال معمرٌ أبو الأشعث، قلت لبهلة الهندي أيام اجتلب يحيى بن خالدٍ أطباءَ الهندِ مثل منكة وبازكر

---

[1] البیان ۳/۲۷۔ [2] جیسے ڈاکٹر طٰہٰ حسین مقدمۃ نقد النثر میں۔ [3] البیان ۱/۹۲۔

وقلبر قل وسند باذ وفلان وفلان : ما البلاغة
عند الهند وقال بهلة عندنا في ذلك صحيفة مكتوبة
ولكن لا أحسن ترجمتها لك ، ولم أعالج هذه الصناعة
فأثق من نفسي بالقيام بخصائصها وتلخيص لطائف
معانيها. قال ابو الاشعث : فلقيت بتلك الصحيفة
التراجمة فإذا فيها ، اول البلاغة اجتماع آلة
البلاغة وذلك أن يكون الخطيب رابط الجاش ساكن الجوارح
قليل اللحظ متخير اللفظ لا يكلم سيد الأمة
بكلام الأمة ولا الملوك بكلام السوقة ، ويكون
في قواه فضل التصرف في كل طبقة ، ولا يدقق المعاني
كل التدقيق ، ولا ينقح الألفاظ كل التنقيح ولا يصفيها
كل التصفية ، ولا يهذبها غاية التهذيب ولا يفعل
ذلك حتى يصادف حكيما أو فيلسوفا عليما ، ومن قد تعوّد
حذف فضول الكلام واسقاط مشتركات الألفاظ
وقد نظر في صناعة المنطق على جهة الصناعة والمبالغة ،
لا على جهة الاعتراض والتصفح ، ولا على وجه الاستطراف والتظرف.

یعنی ابو الاشعث کہتے ہیں کہ میں نے بہلہ ہندوستانی سے دریافت
کیا تھا جب یحییٰ بن خالد برمکی کے عہد میں ہندوستان کے
اطباء مثل منکہ ، بازیگر ، قلبر قل اور سندباد وغیرہ کو بلایا گیا
تھا کہ ہندوستان کے لوگوں کے ہاں فصاحت و بلاغت
کسے کہتے ہیں ؟ بہلہ نے کہا تھا کہ ہمارے پاس ایک تحریر شدہ
صحیفہ ہے مگر میں آپ کے لئے اس کا اچھا ترجمہ نہیں کر سکوں گا
اور میں نے کبھی اس فن کو آزمایا تو ہے نہیں کہ خود اعتمادی کیساتھ

اس کے خواص کو واضح کر سکوں اور باریک باتوں کا خلاصہ پیش
کر سکوں ، ابو الاشعث کہتے ہیں کہ میں وہ صحیفہ مترجمین کے پاس
لے گیا تو اس میں لکھا تھا کہ ، بلاغت کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان
میں بلاغت کے لوازمات اکٹھے پائے جائیں اور وہ یوں ہے
کہ خطیب مضبوط دل گردے کا آدمی ہو ، اس کے اعضاء پرسکون
رہیں ، ادھر ادھر کنکھیوں سے کم دیکھے ، اس کے الفاظ چنے ہوئے
ہوں ، لونڈی کے آقا سے لونڈی کی زبان میں بات نہ کرے ،
بادشاہوں کے ساتھ سوقیانہ انداز میں کلام نہ کرے ، ہر طبقے کے
لوگوں کو متاثر کرنے کی قوتوں اور صلاحیتوں سے متصف ہو ، افکار
و معانی کو بالکل نازک نہ بنا دے ، الفاظ کی مکمل تنقیح نہ کرتا ہو ،
نہ انہیں پورا پورا صاف کرے نہ حد سے زیادہ چھانٹتا ہو ، یہ
باتیں وہ نہیں کر سکتا جب تک وہ کسی دانا یا صاحب علم مفکر سے
وابستہ نہ ہو ، یا کسی ایسے شخص سے جو فضول کلام کو حذف کرنے
کا عادی ہو ، مشترک نوعیت کے الفاظ ساقط کر سکتا ہو ، منطق
کے فن کو بطور فن بنظر غائر پڑھا ہو نہ کہ یونہی صفحات الٹے ہوں
یا بطور مشغلہ و ظرافت دیکھا ہو ! "

بہرحال کہنے کی بات یہ ہے کہ مسلمان اہل علم نے نہ تو کبھی علمی تعصب کا
مظاہرہ کیا ہے اور نہ تلاش علم میں کسی کوتاہی کو روا رکھا ہے ، جاحظ نے
بھی حتی المقدور مختلف اقوام کے ہاں فن خطابت کے وجود اور اس کے متعلق
ان کے افکار و نظریات کو معلوم کرنے کی کوشش کی ہے[1]۔

" قیل للفارسی : ما البلاغة ؟ قال : معرفة الفصل والوصل ،
وقیل للیونانی : ما البلاغة ؟ قال : تصحیح الأقسام واختیار

[1] البیان ۱/۸۸ ۔

الکلام: وقیل للرومی: ما البلاغة؟ قال: حسن الاقتضاب عند البداهة والغزارة یوم الاطالة! وقیل للهندی: ما البلاغة؟ قال: وضوح الدلالة وانتهاز الفرصة وحسن الاشارة! وقال بعض اھل الهند: جماع البلاغة البصر بالحجة والمعرفة بمواضع الفرصة!

یعنی ایرانی سے پوچھا گیا کہ بلاغت کسے کہتے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا: بات کو الگ کرنے اور ملانے کی قدرت کا نام بلاغت ہے! یونانی سے بلاغت کی تعریف پوچھی گئی تو اس نے کہا کہ تمام اقسام کو صحیح صحیح جاننا اور منتخب انداز گفتار اپنانا!

رومی سے بلاغت کا مفہوم دریافت کیا گیا تو اس نے کہا کہ برمحل فی البدیہہ بات کرنا ہو تو حسن اختصار سے کام لیا جائے بات کو بڑھانا ہو تو لفظ و معنی کی فراوانی ہو۔ ہندستانی سے بلاغت کا مفہوم دریافت کیا گیا تو کہنے لگا کہ دلائل کو واضح طور پر پیش کرنا، موقع شناسی سے کام لینا اور حسن اشارہ کا مظاہرہ کرنا بلاغت ہے۔ ایک ہندوستانی نے یہ بھی کہا تھا کہ دلائل کی بصیرت اور مناسب مواقع کی معرفت ہی ایک جامع بلاغت ہے!

یہ بات تاریخی حقیقت کے طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ قدیم اقوام میں سے یونانی ہی ایسی قوم ہیں جن کے فن خطابت کی تاریخ کے متعلق کچھ واضح باتیں محفوظ طور پر ہم تک پہنچی ہیں، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ فلسفہ و منطق کے اصول و قواعد منضبط طور پر وجود میں آنے سے قبل یونان کی محافل و مجالس میں ایک گروہ نے خطابت اور فن تقریر کا بازار گرم کر رکھا تھا، اس گروہ کو سوفسطائی کہا جاتا ہے۔ سوفسطائیوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ "اصول منفعت" کے علمبردار تھے، ان کے خیال میں یہ جہان دنیا ہر لحظہ و ہر لمحہ تغیر پذیر ہے اس لئے کائی

کی حقیقت تک رسائی تو رہی ایک طرف اس کا وجود ہی ناممکنات میں سے ہے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ علم و معرفت ایک اضافی چیز ہے حقیقی نہیں اس لئے جو چیز نفع بخش ہو اسی کیلئے کوشاں رہنا چاہئے، وقتی فوائد و منافع ہی سب کچھ ہیں۔ وہ اپنے زور خطابت سے ہی لوگوں میں اضافی علوم و معارف کی نشر و اشاعت کے علمبردار تھے۔ ان کا مرکزی و بنیادی وسیلہ منفعت یہی خطابت تھی، خطابت میں بھی وہ بات بنانے اور بات سجانے پر توجہ مرکوز رکھتے تھے، قدرت کلام اور قوت بیان ہی ان کا سہارا تھا منطقی استدلال یا دلائل و براہین نام کی کوئی چیز ان کے نزدیک قابل اعتماد نہ تھی۔ ان کی رائے میں جو کلام زیب و زینت سے متصف ہوتا یا جو بات بھی سجی سجائی عبارت کے پیراہن میں لپٹی ہوئی ہوتی اور لوگوں کو متاثر کرنے کا سبب بن سکتی تھی وہ ان کے نزدیک اضافی علم کی حیثیت رکھتی تھی کیونکہ اصول منفعت کی رو سے یہ بات بہترین فوائد و منافع کے حصول کا ذریعہ بن سکتی تھی، رہی سچائی یا حقائق اشیاء کی "تلاش" تو یہ کام تو ان کے نزدیک بالکل بیکار اور ضیاع وقت کے مترادف تھا کیونکہ حقائق ثابتہ کا تو سرے سے وجود ہی نہ تھا! یہی سوفسطائی گروہ تھا جسے یونانی خطابت کا بانی و نقطہ آغاز تصور کیا جاتا ہے، جو طمع سازی کو علم اضافی اور انسانوں کو مغالطہ میں ڈالنے کو منفعت بخش خطابت کا نام دیتے تھے!

یونانی مفکرین میں سے ارسطو نے سب سے پہلے فن خطابت کے موضوع پر قلم اٹھایا اور ایک مستقل کتاب تصنیف کی جسے "الخطابة" کے عنوان سے دو مرتبہ عربی میں منتقل کیا گیا، اس سے پہلے سقراط اور افلاطون نے اگرچہ فن خطابت پر بحث کی تھی مثلاً سقراط نے خطبے کے بنیادی عناصر سے بحث کی اور افلاطون نے خطابت کو کمال نفس کا وسیلہ قرار دیا لیکن اس فن کے اصول و ضوابط وضع کرنے والا ارسطو ہی تھا۔

سوفسطائی تو خطابت کو کسبِ منفعت کا ذریعہ تصور کرتے تھے جبکہ افلاطون کے نزدیک یہ فن نفوسِ انسانی میں اخلاق کی آبیاری کا وسیلہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کے نزدیک خطابت کی بنیاد نہ صرف بحث و مباحثہ کی قوتِ بیان قرار پائی بلکہ خیر و سعادت کا وسیلہ بننے والے شخصی فضائل کی قوت بھی اس فن کی اساس تصور کی گئی۔

مگر ارسطو خطابت کو اخلاق سے الگ کرتا ہے اس کے نزدیک خطابت جدلیت کا ایک حصہ ہے جو ایک ایسی قوت بھی ہے جو ممکن حد تک قائل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، وہ خطیب کے اسلوبِ بیان کو حسن و جمال سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ موقعہ کی مناسبت سے پُراثر ہونے کو بھی لازمی قرار دیتا ہے، اس کے نزدیک اسلوبِ لفظی کو بنانے اور سنوارنے کے لئے محنت بھی ضروری ہے۔[1]

"الخطابت" میں ارسطو نے خطبات کو تین اقسام میں تقسیم کیا ہے اور ہر ایک قسم سے مفصل بحث کی ہے۔[2] خطبات کی ایک قسم استشاری یا مشاورتی ہے جن میں خطیب ناصحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بعض امور کو بجا لانے کا مشورہ دیتا ہے جبکہ بعض امور سے حذر و اجتناب کی نصیحت کرتا ہے اس قسم کے خطبات کا تعلق مستقبل سے ہے۔ خطبات کی دوسری قسم عدالتی جدل و مناقشہ سے تعلق رکھتی ہے جن میں بیان کرنے والا کبھی شاکیانہ انداز اختیار کرتا ہے اور حملے کرتا ہے، کبھی وہ معذرانہ و مدافعانہ اسلوب اپناتا ہے۔ اس قسم کے خطبات کا تعلق امورِ ماضی سے ہے، خطبات کی تیسری قسم کو ارسطو استدلالی و منطقی خطبات کا نام دیتا ہے اور ان کا تعلق حال کے معاملات سے ہوتا ہے، ایسے خطبات میں خطیب کبھی تو اعلانیہ انداز میں ترغیب و ترہیب سے کام لیتا ہے اور کبھی مدح و مذمت کا اسلوب اختیار کرتا ہے۔ خطبات کی ان تینوں اقسام میں خطیب کے لئے اقتضائے حال کے مطابق خوبصورت، اثر انگیز اور نتیجہ خیز انداز اپنانا لازمی ہے۔

---

[1] ارسطو: الخطابت ص ۱۰ تا ۱۶، ۱۸۱ تا ۱۹۸

[2] الخطابت ص ۱۸۱

ارسطو سے قبل سوفسطائی عہد کے بعد جب علم و حکمت کا عہد آیا، یونانی تہذیب و تمدن کو عروج حاصل ہوا اور اصول شہریت اور جمہوری حکومت کے نظریات سامنے آئے تو یونانی خطابت نے بھی ترقی کی، فکر و فلسفہ اور حکمت و منطق کے طفیل اس فن کے بھی اصول اور قواعد وضع ہوتے تو سوفسطائی نظریۂ خطابت کو مسترد کر دیا گیا اور مغالطہ بازی و سوفسطائیت کے بجائے دلائل و براہین اور حقائقِ ثابتہ کو خطابت کی روح قرار دیا گیا۔ یونانی فنِ خطابت پر سب سے پہلے قلم اٹھانے والے مفکر ارسطو ــ جسے جاحظ "بکّی اللسان" اور صاحب المنطق کے لقب سے یاد کیا کرتا تھا ــ کے استاذ الاستاذ سقراط نے ہی خطابت کی بنیاد رکھی، وہ عمر بھر سچائی کی ترجمانی کے لئے اپنی فصاحت و بلاغت کو کام میں لاتا رہا۔ اس کے نزدیک فصاحت کی حقیقی روح صرف سچائی ہے، وہ کہا کرتا تھا کہ "حق گوئی ہی اصل فصاحت ہے"، اسی حق گوئی کی خاطر اس نے زہر کا پیالہ بھی نوش کر لیا تھا مصر کا عظیم شاعر احمد شوقی اپنے مشہور قصیدے "الهمزية النبوية" میں اس حقیقت کی یوں ترجمانی کرتا ہے۔

بك يا ابن عبد الله قامت سمحة	بالحق من ملل الهدى غراء
بنيت على التوحيد وهي حقيقة	نادى بها سقراط والقدماء
وجد الزعاف من السموم لأجلها	كالشهد ثم تتابع الشهداء

(۱) اے محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے طفیل ایک الیسا روشن اور وسیع الظرف دینِ حق قائم ہوا جو ادیان ہدایت میں سے ایک دین ہے۔

(۲) یہ دینِ حق توحید پر قائم ہوا، یہ ایک ایسی حقیقت ثابت ہے جس کا اعلان سقراط اور قدماء نے کیا تھا۔

(۳) سقراط نے اسی حقیقت کی خاطر زہرِ قاتل کو شہد سمجھ کر پی لیا تھا۔ پھر اس کے بعد کئی شہداء نے اس کی پیروی کی۔

سقراط بنیادی طور پر ایک فلسفی و منطقی تھا اس لئے اس کے خطبات اور تقاریر منطقی استدلال پر مبنی ہوتی تھیں جو فکر و تدبر کے لئے دعوت کا حکم رکھتی تھیں، وہ حق بات کو اس وضاحت کے ساتھ پیش کرتا تھا کہ ان کی صحت و درستگی کے بارے میں کسی ابہام یا شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی! سقراط کے مشہور خطبات میں سے وہ تقریر خصوصی اہمیت کی حامل ہے جو اس نے ایتھنز کی عدالت میں اپنے دفاع میں کی تھی، سقراط ۳۹۹ ق م میں فوت ہوا۔

یونانی خطابت کی تاریخ میں سقراط کے بعد ڈیموستھینس کا زمانہ آتا ہے جو تاریخ انسانی کا سب سے بڑا خطیب متصور ہوتا ہے، فکری ربط، جوش و جذبہ اور توازن اس کی تقاریر و خطابت کے نمایاں اوصاف تھے۔ اس کا لفظی اسلوب اعلیٰ معیار اور سلاست کا عمدہ نمونہ تھا، انداز بیان ایسا موثر ہوتا تھا کہ سامعین کے دل اس کے الفاظ کے ساتھ ساتھ دھڑکتے تھے، اس کی یہ تقریریں یونانی ادب کا حصہ بن چکی ہیں اور "فیلیپک" کے نام سے مشہور ہیں کہا جاتا ہے کہ اس کی ان جوشیلی اور پر اثر تقاریر کا نشانہ یونان کا بادشاہ فیلیپس اور اس کا بیٹا اسکندر اعظم تھا، ڈیموستھینس ان کے خلاف ایتھنز اور دیگر مقامات پر تحریک مقاومت چلاتا رہا تھا اور یہ خطبات اسی تحریک کا نتیجہ ہیں۔

یونانیوں کے بعد اہل روما کا دور آتا ہے، ایک طویل مدت تک اس قوم کو بھی اللہ تعالیٰ نے قیادت و سیادت کا مالک بنائے رکھا تھا اس لئے ان میں بھی بڑے بڑے خطیب پیدا ہوئے کیونکہ قیادت کا تقاضا ہے کہ خطابت کا وسیلہ اسے میسر آتا رہا ہے، روم کی سینٹ میں ایسے ارکان کی کبھی کمی نہیں رہی تھی جو سلطنت کے معاملات پر کھل کر بات کرتے اور اپنے مخالفین پر تنقید کرتے تھے، ان خطباء اور قائدین میں سسرو (Cicero) کا مرتبہ بہت بلند ہے روم کی سینٹ میں اس کی تقاریر خطابت کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں، وہ نہ صرف یہ کہ ایک کامیاب مقرر تھا بلکہ اس نے فن خطابت کے متعلق بعض اصول اور

قواعد بھی مرتب کئے تھے جو ایک کامیاب مقرر بننے کی ضمانت ہو سکتے ہیں، اس کی تقاریر احوال واقعی اور دلائل و شواہد پر مبنی ہوتی تھیں، اس کے الفاظ چبھتے ہوئے نشتر اور اس کا اسلوب طنز و تنقید کی شمشیر بُراں قرار دیا جاتا ہے!

دیگر اقوام میں جہاں بھی قیادت و سیادت ابھری ہمیشہ خطابت کے سہارے یا کم سے کم یوں کہہ لیجئے کہ قیادت کا ثبوت و مقبولیت ہمیشہ خطابت کی مرہون منت رہی۔ انگلستان کا وزیر اعظم جوزف چیمبرلین ایک کامیاب لیڈر تھا وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ کل اسی کا ہے جو بول سکتا ہے، انگریز قوم نے بھی ایک عرصے تک دنیا کی قیادت و سیادت کا علم اٹھائے رکھا ہے۔ یہ وہی قوم ہے جس کی سلطنت میں کسی زمانے میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا تھا (اگرچہ اب کئی کئی مہینوں اسے سورج کی شکل بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوتی!!)، اسی قوم نے دنیا کو پارلیمانی نظام حکومت دیا ہے۔ اس نظام کی کامیابی بھی خطابت کی مرہون منت ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ یہ نظام خطابت کی پرورش بھی کرتا ہے اور اس کے بغیر چل بھی نہیں سکتا، پارلیمان میں حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی جنگ دراصل خطابت کی جنگ رہتی ہے، بقول چیمبرلین جو بات کر سکتا ہے وہی پارلیمان کے مستقبل کا قائد ہوتا ہے۔

برطانوی پارلیمانی نظام نے متعدد عظیم و جلیل القدر خطباء اور مقررین کو جنم دیا ہے جو اپنے جوہر خطابت کے بل بوتے پر انتخاب بھی جیتتے رہے، پارلیمان پر بھی چھائے رہے اور قوم کی قیادت بھی کرتے رہے ہیں ان میں چارلس جیمز فاکس، ایڈمنڈ برک، پامرسٹن، بنیامین ڈسرائیلی، جان برائیٹ، گلیڈسٹون، مسٹر مورلے، چیمبرلین، اور سر ونسٹن چرچل، بہت نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، موخر الذکر نے تو اب تک کی جنگوں میں تاریخ انسانی کی سب سے ہولناک جنگ عالمگیر دوم میں بڑی جرأت، ہمت اور کامیابی سے نہ صرف انگریز قوم بلکہ اتحادی اقوام کی قیادت کی تھی، وہ جب پراعتماد انداز میں پختہ یقین کے ساتھ حقائق زندگی کا سامنا کرنے کی تلقین کرتا تو ریت کی طرح گرتے ہوئے دل بھی فولاد کے قلعے بن جاتے تھے!

دوسری عالمی جنگ کا ذکر آیا تو اس کے ساتھ ہٹلر اور مسولینی بھی یاد آ گئے۔ انسانیت کو اس ہولناک جنگ کی آگ میں جھونکنے والا جرمن لیڈر ایڈولف ہٹلر ایک گمنام اور معمولی انسان سے ایک زبردست قائد اور مستبد حکمران بن گیا جس کی آمریت نے جرمنی کے ساتھ ساتھ ساری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے پس منظر میں بھی ولولہ انگیز اور شعلہ صفت خطابت ہی تھی، ہٹلر کی مجنونانہ شعلہ بیانی اور آتش نوائی نے جرمن قوم کو تکبر آمیز احساس برتری دے کر شعلہ جوالہ بنا دیا تھا، اس کے اسلوب میں ایک ایسا منطقی استدلال اور آواز میں ایسا جادو تھا جو جرمنوں کے جذبات کو مشتعل کر کے انہیں دہکتے ہوئے انگاروں میں تبدیل کر دیتا تھا۔

ہٹلر کا پیشرو اور دوست اطالوی ڈکٹیٹر مسولینی جو انسانیت کو فسطائیت ورثے میں دے گیا اور ۱۹۲۲ء سے لیکر ۱۹۴۴ء تک اٹلی پہ آمر مطلق بن کر حکومت کرتا رہا، وہ بھی بیسویں صدی کے عظیم مقررین اور حکمرانوں میں شمار ہوتا ہے، وہ ایک ایسا عظیم مقرر تھا جو فن خطابت کے لوازمات اور تمام نشیب و فراز سے واقف تھا، وہ اپنی تقاریر میں اپنی قوم کی نفسیاتی رگوں کو چھیڑتا اور سوئے ہوئے جذبات کو مشتعل کرتا تھا وہ اطالویوں کو عظمت رفتہ کا احساس دلاتے ہوئے آل ہیریا آل قیصر کے لقب سے خطاب کرتا تھا، عظمت ماضی یاد دلانے کے ساتھ ساتھ مستقبل کی سربلندیوں کی یقین دہانی بھی کراتا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی قوم کو یورپی علم و ثقافت کا ان داتا اور بحیرہ روم کے سرسبز اور زرخیز خطوں کا حقیقی وارث بھی گردانتا تھا۔

یورپ کی تاریخ میں انقلاب فرانس کو ایک نقطہ تغیر و تحول کی حیثیت حاصل ہے، اس انقلاب نے یورپ کی تاریخ کا دھارا بدل کر رکھ دیا اور دنیا پر بھی وسیع اثرات ڈالے، یہ عظیم انقلاب بھی خطابت کا ہی مرہون منت ہے اس کامیابی کے لئے کام کرنے والے خطیبوں میں سے ایک راسپیر (Rocespierre) بھی تھا جو کمیٹی برائے امن عام کا اولین محرک تھا۔

اور ۱۷۹۴ء میں قتل ہونے تک اس نے دہشت کا بازار گرم کئے رکھا تھا وہ اپنی تقاریر میں مخالفین کی دلجوئی کے بجائے انہیں لاجواب کرنے کا قائل تھا۔ میرابو بھی انقلاب فرانس کے خطباء میں شمار ہوتا ہے۔ جو اپنے خطبات میں منطقی استدلال کے ساتھ ساتھ اشتعال جذبات سے بھی کام لیتا تھا۔ گامبتا ([illegible]) بھی فرانس کا ایک مشہور خطیب تھا۔ جس نے نپولین سوم کے زوال کے سلسلے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا، وہ اپنی تقاریر میں عقلی انداز میں تحلیل و تجزیہ کے بجائے جوش و جذبے سے کام لینے کا قائل تھا۔ فرانس کا عظیم شاعر و ادیب "لامارتین" اپنے عہد کا مشہور و معروف پارلیمانی خطیب بھی تھا۔



نبوّت اور خطابت

نبوّت اور خطابت

بیان و بلاغت اور تبلیغ و خطابت نبوت کا لازمی حصہ رہا ہے کیونکہ رشد و ہدایت کا کام لفظ و معنی کا محتاج ہے اور لفظ و معنی کا بہترین وسیلہ تقریر و خطابت اور بیان و بلاغت ہے۔ حضرت آدم کی تخلیق اور ہبوطِ آدم کے واقعہ کے بعد ربِ جلیل نے نسلِ انسانی کی نجات و فلاح کا جو راستہ متعین فرمایا وہ تقویٰ و صلاح کا راستہ تھا جس پر گامزن ہونے والوں کو نہ تو جنت سے نکالے جانے کا غم و افسوس رہیگا اور نہ انعام ربانی سے محرومی کا خوف و خدشہ باقی رہے گا[1] مگر تقویٰ و صلاح کی اس صراطِ مستقیم کو واضح کرنا ان انبیاء کرامؑ کے سپرد ہوا جو اللہ کی آیات و احکام کے بیان کے لئے مبعوث ہوتے رہے، احکام کا یہی بیان نبوت اور خطابت میں چولی دامن کا رشتہ قائم کرتا ہے[2]۔

اسی فرمودۂ ازل کے مطابق نفوسِ قدسیہ مبشرین (بشارت دینے والے) اور منذرین (ڈرانے والے) بنا کر مبعوث ہوتے رہے۔ ہر نبی کو پیغامِ حق ملا اور آیات بینات عطا ہوئیں تاکہ وہ اپنے خطیبانہ اعجاز بیان سے کبھی تو بندوں کو اللہ کی بے پایاں رحمتوں کا پیغام دے کر خوشی و سکون کی دولت سے مالا مال کریں اور کبھی اس کے قہر و غضب اور بطش شدید سے سرکشوں کو ڈرائیں اور خبردار کریں[3]۔ اللہ کا پیغام پہنچانے والے یہ مقدس بندے عہد سے لحد تک اللہ کی عنایات اور نظرِ کرم سے سرفراز ہوتے رہے اور وہ انہیں عظیم الشان منصبِ نبوت کے لئے

---

[1] سورہ الاعراف (۷ : ۳۵) [2] سورہ البقرہ (۲ : ۲۳)

چنتا رہا، کبھی اس نے آدمؑ اور نوحؑ کو منتخب کیا اور کبھی آلِ ابراہیمؑ اور کبھی آلِ عمران کو پیغامِ حق کے لئے چنا[1]۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے پیغامِ حق پہنچانے والے ان نفوسِ قدسیہ اور ارواحِ مختارہ کے فریضۂ منصبی کے لئے ابلاغ، تبلیغ، رسالت یا بلاغِ مبین کے الفاظ استعمال کئے ہیں جس سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ان منتخب و برگزیدہ بندوں نے فصیح و بلیغ اسلوبِ بیان کے ساتھ خطبات و مواعظ کی شکل میں اپنا فریضہ انجام دینا تھا اس لئے ان کا فصاحت و بلاغت سے نوازا جانا حکمتِ خداوندی کا بدیہی تقاضا تھا[2]۔

خدا کے ان برگزیدہ و فرستادہ مردانِ حق نے اپنے خطیبانہ وعظ و تبلیغ میں ہمیشہ یہ اعلان کیا کہ[3]

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (سورہ یٰسین ۳۶ : ۱۷)

یعنی ہمارا فریضۂ منصبی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا پیغام کھول کھول کر پہنچا دیں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے یہی فرمایا کہ: أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي ۝ یعنی میں تو تمہیں اپنے پروردگار کے پیغام کھول کھول کر پہنچاتا ہوں، حضرت ہود علیہ السلام کا اعلان بھی یہی تھا[4]۔ حضرت صالح علیہ السلام اور خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي: میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دئیے ہیں[5]۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے پیغمبروں کا فرضِ منصبی واضح فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔

---

[1] سورۂ آل عمران (۳ : ۳۳)

[2] الاعراف (۷ : ۶۲، ۶۸، ۷۹، ۹۳)، ہود (۱۱ : ۵۷)، الاحزاب (۳۳ : ۳۹)

[3] سورۂ یٰسین (۳۶ : ۱۷)

[4] سورہ الاعراف (۷ : ۶۲، ۶۸) سورہ ہود (۱۱ : ۵۷) سورہ الاحقاف (۴۶ : ۲۳)

[5] سورہ الاعراف (۷ : ۷۹، ۹۳)

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۔

یعنی کیا ہمارے رسولوں پہ بلاغ مبین کے سوا بھی کوئی اور فریضہ[1] ہے
اللہ کے یہ رسول اور انبیاء جب فصاحت و بلاغت کے ساتھ پیغام حق
کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے تو یہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کسی اور
سے ہرگز نہیں ڈرتے تھے۔ کسی کا رعب و جلال یا خوف و دبدبہ ان کے پائے
استقلال میں لغزش پیدا نہیں کر سکتا تھا[2]۔

"اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَیَخْشَوْنَهٗ وَلَا یَخْشَوْنَ
اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا"

یعنی وہ لوگ جو اللہ کے پیغام حق کی تبلیغ کرتے ہیں وہ صرف اسی
سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اور اللہ ہی
بہترین نگہبان ہے۔"

ان خطبائے حق نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو انسانیت تک پہنچانے اور واضح
طور پر ان کے ذہن نشین کر دینے کا جو فریضہ انجام دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس
کی خود ہی تحسین فرما دی ہے کہ: قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ یعنی انہوں نے
اپنے رب کے پیغام پوری طرح پہنچا دئے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

تمام انبیائے کرام میں خطابت و موعظت کا طویل ترین فریضہ حضرت نوح
علیہ السلام نے انجام دیا۔ یہ مرد حق ساڑھے نو سو سال تک اللہ کا پیغام پہنچاتے
اور انسانیت کی رشد و ہدایت کی خاطر فصاحت و بلاغت کے دریا بہاتے رہے
مگر سرکش لوگ راہ راست پر نہ آسکے اور ظالموں کو تاریخی طوفان نوح کی تباہ کاری
نے ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا[3]۔

قرآن مجید میں ان کی تبلیغ و موعظت اور ابلاغ رسالت کے متعلق جو اشارات

[1] سورہ النحل (۱۶ : ۳۵) [2] سورۃ الاحزاب (۳۳ : ۳۹)
[3] سورۃ العنکبوت (۲۹ : ۱۴)، قصص الانبیاء ص ۹۳، قصص القرآن ۱ : ۵۱ تا ۷۴

ملتے ہیں ان کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنی قوم کے
سامنے اپنے نذیر مبین اور رسول امین ہونے کا اعلان فرمایا، پھر انہیں بلیغانہ انداز
میں اس بات کی تلقین فرمائی کہ شرک ایک گناہ عظیم ہے اس لئے اپنے بنائے
ہوئے بتوں ۔ وَدّ ۔ سُوَاع، یَغُوْث اور نَسر ۔ کو چھوڑ کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک
کے سامنے سربسجود ہوں۔ تقویٰ اور اصلاح نفس کی دعوت قبول کرتے ہوئے
رسول برحق کی اطاعت و اتباع کریں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت و
تبلیغ رسالت کا یہ سلسلہ حکم ربانی کے مطابق ساڑھے نو سو (۹۵۰) سال تک مسلسل دن
رات جاری رکھا، کبھی علانیہ اور بآواز بلند خطاب فرماتے کبھی پوشیدہ طور پر
وعظ و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے مگر اخلاص نبوت کے یہ خطبات بلاغت اس
قدر گرجدار اور سحر انگیز تھے کہ باطل پرست اور مادی شہوات کے غلام جب
ان کی تاب نہ لاتے ہوئے متاثر ہونے لگتے تو اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس
لیتے اور جسموں کو کپڑوں سے لپیٹ لیتے[1] لیکن کافر از ضد اور تکبر میں اس قدر
پکے تھے کہ باز آنے کا نام تک نہ لیتے وہ نابکار دلائل حق اور خطبات نبوت
کے اعجاز بیان سے لاجواب ہو کر کہنے لگے[2]۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔

کہنے لگے، اے نوحؑ! تو نے ہم سے بحث و مجادلہ کیا۔ تیرا
یہ مجادلہ و مناظرہ بہت ہو گیا ہے اب تو اگر تو سچا ہے تو
پھر جس عذاب کا ہم سے وعدہ کرتا ہے اسے آنے دے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خطبات نوح علیہ السلام کے اقتباسات اپنے
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائے ہیں۔ ایک موقع پہ اللہ کا یہ پیغمبر اپنی قوم سے
یوں مخاطب ہوا[3]۔

[1] سورت ہود (۱۱ : ۲۵ تا ۲۸)، سورت نوح (۷۱ : ۱ تا ۱۰)
[2] سورہ ہود (۱۱ : ۳۲) [3] سورۂ ہود (۱۱ : ۲۸ تا ۳۱)

"اے میری قوم! مجھے بتاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے
عطا کردہ کھلی اور واضح دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھ پر اپنی
رحمت بھی فرما رکھی ہے مگر وہ تم پر مشتبہ بن گئی ہو، تو کیا ہم اسے تم سے
وابستہ کر دیں، حالانکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو! اور بتاؤ میری قوم کے
لوگو! میں اس کے بدلے تم سے کوئی مال نہیں مانگ رہا، کیونکہ میرا بدلہ
اور اجر تو صرف اللہ کے سپرد ہے! ہاں میں اپنی نبوت پر ایمان
لانے والوں کو (جنہیں تم رذیل کہتے ہو) اپنے پاس سے دھتکارنے
والا نہیں ہوں، وہ تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں۔ مگر تم لوگ
مجھے جاہل اور اکھڑ نظر آتے ہو! ذرا بتاؤ میری قوم کے
لوگو! اگر میں انہیں دھتکار بھی دوں تو اللہ کے غضب سے مجھے
بچانے والا کون ہوگا۔ کیا تم نصیحت قبول نہیں کرو گے؟ میں
تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ
میں غیب جانتا ہوں نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ
میں یہ کہوں گا کہ جو لوگ تمہاری نظروں میں رذیل و حقیر لگ رہے
ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کوئی بھلائی نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے
دلوں کی بات کو خوب جانتا ہے۔ اگر میں نے ایسا کیا تو میں ظالموں
میں سے ہوں گا!"

ایک دوسرے مقام پر اللہ کا یہ اولوالعزم پیغمبر اپنے رب سے مناجات اور راز
و نیاز کے انداز میں اپنی مبلغانہ و خطیبانہ مساعی کا یوں تذکرہ کرتا ہے[1]

"نوحؑ نے اپنے رب سے کہا، اے میرے رب! میں نے اپنی قوم
کو رات اور دن دعوتِ حق دی، مگر میری مبلغانہ پکار سے وہ زیادہ
دور بھاگتے گئے۔ میں نے جب بھی تیری بخشش کی طرف انہیں دعوت

[1] سورہ نوح (۷۱: ۵ تا ۲۰)

دی تو وہ (میری خطیبانہ آواز کے مقابلے میں) اپنے کانوں میں
انگلیاں ٹھونستے رہے اور کپڑوں میں خود کو لپیٹ لیا، کفر پر اڑ گئے
اور بے اندازہ تکبر کا مظاہرہ کیا! پھر میں نے انہیں بآواز بلند دعوت
دی، علانیہ طور پر تبلیغ کی اور چھپ کر بھی انہیں وعظ کرتے ہوئے
کہا کہ اپنے رب سے بخشش مانگو، وہ بڑا بخشنے والا ہے، وہ تم پر زور دار
کا مینہ برسانے والا بادل بھیجے گا، تمہارے مال و اولاد میں اضافہ
کرے گا، تمہیں ہو کیا گیا ہے تم اللہ سے عزت و سرفرازی کی امید کیوں
نہیں رکھتے، وہی تو ہے جس نے تمہیں مختلف مراحل سے گزار کر پیدا
کیا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو اللہ تعالیٰ نے طبق بر طبق سات آسمان
پیدا کئے۔ ان میں چاند کو نور بنایا اور سورج کو چراغ بنایا، اللہ
ہی نے تو تمہیں زمین سے پودوں کی طرح اگایا ہے، پھر وہ تمہیں
اسی مٹی میں لوٹائے گا اور پھر ایک نئی تخلیق کے لئے تمہیں اس
میں سے صاف نکال لے گا، اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو
تمہارے لئے وسیع فرش بنایا ہے تاکہ تم اس کے کھلے راستوں
پر چلا کرو!"

پھر اسی پیغمبر برحق کی یہ بددعا تاریخ کے عبرتناک طوفان کی تمہید بن گئی[1]

"وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا"
اور نوحؑ نے کہا، پروردگار! زمین پر بسنے والا کافر ایک بھی
نہ چھوڑنا!"

ابراہیم خلیل اللہؑ

امام الموحدین، جد الانبیاء حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام خطباء
انبیاء کرام میں ایک نہایت نمایاں اور منفرد مقام رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے

[1] سورہ نوح (۷۱: ۲۶)

اپنے خلیل و حبیب کو اتنا قوی الحجۃ، بدیہہ القول اور صائب الاستدلال بنایا تھا کہ اپنے مخالفین و معاندین کو ہر بات میں دندان شکن اور مسکت جواب دیکر ندامت کے ساتھ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے تھے۔ تورات میں بھی ان کے اسلوبِ بیان اور استدلال کے نمونے ملتے ہیں[1]۔ لیکن قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس موحدِ اعظم کے وعظ و تبلیغ اور بحث و مناظرہ کے علاوہ اسرارِ کائنات و عجائباتِ مخلوق ربانی پر غور و فکر کے جو نمونے دیئے ہیں ان سے جد الانبیاء کے خطیبانہ کمالات اور اعجازِ بیان کا اندازہ ہو جاتا ہے[2]۔

قدرتِ خداوندی کے کرشمے دیکھئے کہ جس گھر میں پیدا ہوتے ہیں وہ بت ساز و بت فروش ہے، جس قوم سے واسطہ پڑتا ہے اس کے حاکم و محکوم سب مشرک و بت پرست مگر انسانیت کے لئے قیادت کا اعلیٰ ترین نمونہ بننے والا نوجوان ابراہیمؑ بت شکن اور موحدِ اعظم بن جاتا ہے! وہ جب ملکوت السموات والارض میں اللہ کی عظمت و وحدانیت کی واضح نشانیاں پاتے ہیں اور وجود و توحیدِ باری تعالیٰ پر غیر متزلزل یقین کر لیتے ہیں تو اپنے باپ صنم گر آزر سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں[3]۔

أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۖ إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔

کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے؟ مجھے تو تو اور تیری قوم کھلی گمراہی میں مبتلا نظر آتی ہے۔

عصمتِ انبیاء کی محافظ قدرتِ کاملہ خلیل اللہ کو شرک و صنم پرستی کی آلائشوں سے دور رکھنے کا سامان ابتدا ہی سے کرنا شروع کر دیتی ہے وہ ستارہ پرستوں کو دیکھتا ہے پھر رات کو ستارے کی چمک دمک دیکھکر

[1] کتابِ مقدس پیدائش ۲۳ تا ۲۳۔ [2] قصص الانبیاء ص ۷۹ تا ۱۱۱
[3] سورہ الانعام (۶: ۷۴)

سوچتا ہے کیا یہ میرا پروردگار ہے! مگر فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ جب ستارہ ڈوب جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں ڈوبنے والوں سے محبت و پرستش کا رشتہ کیسے جوڑ سکتا ہوں! پھر چاند اور سورج کو دیکھتا ہے ان کی روشنی ستاروں سے بڑھ کر ہے مگر یہ بھی ڈوب جاتے ہیں تب ابراہیمؑ مشرکوں کو صنم پرستی اور شرک کی آلائشوں سے بری ہونے کا اعلان کر دیتا ہے[1] بتوں کو پاش پاش کر دیتا ہے اور پھر تاریخِ انسانی نار کے گلزار بننے کا تماشا دیکھتی ہے[2]۔

موحدِ اعظم نے شرک سے برأت کا اعلان کرتے ہوئے اپنی قوم سے قرآن مجید کے الفاظ میں یوں خطاب فرمایا[3]۔

"میں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر اس ذات کے سپرد کر دیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو نیست سے ہست کیا، میں توحید پرست ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں!" اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا تو اس نے کہا! اے میری قوم! تم اللہ وحدہٗ لاشریک کے بارے میں مجھ سے بحث اور جھگڑا کرتے ہو حالانکہ اسی نے مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے! میں اس بادشاہ، سے نہیں ڈرتا جسے تم نے خدا کا شریک بنا چھوڑا ہے، ہاں مگر ہر شئی میں مشیت تو میرے رب ہی کی کارفرما ہے، میرے رب کا علم تو تمام چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے! تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑو گے؟! بھلا میں اس سے کیونکر ڈرنے لگا جسے تم نے خدا کا شریک بنا ڈالا ہے، حالانکہ تم لوگ تو اللہ کے ساتھ شریک

[1] سورہ الانعام (۶: ۷۶ تا ۷۸) [2] سورہ الانبیاء (۲۱: ۵۱ تا ۷۰)۔ اور بقول اقبال: بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق — عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی
[3] سورہ الانعام (۶: ۷۹)

بنا ڈالا ہے، حالانکہ تم لوگ تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے
سے بھی نہیں ڈرتے جس کے بارے میں اس نے تمہارے
پاس کوئی مضبوط سند نہیں ارسال کی! اگر تمہاری سمجھ میں
آتا ہے تو بتاؤ کہ ہم دونوں فریقوں میں سے امن وسلامتی
کا حقدار کون ہے!! بات تو یہ ہے کہ جو ایمان لائے اور
شرک سے اپنے ایمان کو آلودہ نہ کیا وہی امن وسلامتی کا حق
رکھتے ہیں اور وہی سیدھی راہ پہ ہیں!"

یہ خطبہ ابراہیمی اللہ جل شانہ کو اس قدر محبوب ہوا کہ اسے اپنی
حجت اور دلیل کا مرتبہ عطا فرمایا[1]۔

"وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ!
یہ استدلال ابراہیمی ہماری حجت و دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم
کو اس کی قوم کے خلاف عطا کی تھی!"

سورہ الشعراء میں ایک اور خطبہ ابراہیمی موجود ہے جو وحی ربانی کے
توسط سے قلب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ اترا اور لسان نبوت پہ یوں
جاری ہوا[2]۔

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! انہیں قصہ ابراہیم پڑھ کر سنا،
جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے پوچھا کہ تم کس کی
عبادت کرتے ہو! تو وہ کہنے لگے: ہم تو بتوں کو پوجتے ہیں
اور انہی کی پرستش میں مشغول رہتے ہیں! (ابراہیمؑ نے) کہا:
تو کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا تمہیں
نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں! وہ بولے! بلکہ ہم نے تو اپنے باپ
دادا کو ایسا ہی کرتے پایا (ابراہیمؑ نے) کہا! تو کیا تم نے کبھی

[1] سورہ الانعام (۶: ۸۳)   [2] سورہ الشعراء (۲۶: ۷۰ تا ۱۰۳)

آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا بھی جن کی تم عبادت کرتے ہو، تم
یا تمہارے پہلے باپ دادا، یہ سب میرے دشمن ہیں سوائے
اس رب العالمین کے جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے
ہدایت دیتا ہے، اور وہی ہے جو مجھے کھلاتا ہے اور مجھے
پلاتا ہے! جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا
ہے اور وہی ہے جو مجھے مارے گا پھر وہی مجھے زندہ کرے گا!
" وہی ذات ہے جس سے میں امید کرتا ہوں کہ جزا وسزا
کے دن میری خطائیں معاف فرما دے گا! اے میرے رب!
مجھے حکمت عطا فرما! اور مجھے نیکوکاروں میں شامل فرما، آنے
والی نسلوں میں میرا سچا تذکرہ جاری فرما، مجھے نعمتوں والی جنت
کے وارثوں میں شامل کر دے، میرے باپ کو بخش دے
کہ وہ گمراہوں میں سے ہے، حشر والے دن، وہ دن کہ جب
مال واولاد کسی کام کے نہ ہوں گے! ہاں مگر جو قلب سلیم لیکر
اللہ کے حضور میں پیش ہوں گے! اس دن جنت اہل تقویٰ
کے قریب کر دی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ کہاں ہیں
وہ جن کی تم پرستش کیا کرتے تھے؟ (اور جن کے پیچھے) اللہ کو
تم نے چھوڑ رکھا تھا، کیا وہ اب تمہاری مدد کر سکتے ہیں یا تمہارا
کسی سے بدلہ لے سکتے ہیں؟ چنانچہ وہ اور گمراہ لوگ دوزخ
میں اوندھے منہ پھینک دئے جائیں گے، ابلیس کا سب
لاؤ لشکر بھی داخل جہنم ہوگا۔ وہ وہاں دوزخ میں جھگڑتے
ہوئے کہیں گے! اللہ کی قسم! ہم تو بالکل گمراہی میں تھے جب
تمہیں رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے، ہمیں تو انہیں مجرموں
نے گمراہ کیا ہے، اب تو ہمارا شفاعت کرنے والا بھی کوئی

نہیں، نہ کوئی دوست و غمخوار ہے، سو کاش! اگر ہم لوٹ کر
جا سکتے تو یقیناً مومنوں میں شامل ہو جاتے اس قصہ ابراہیمی
میں ایک نشانی ہے مگر ان میں سے بیشتر ایمان لانے والے
نہیں ہیں۔"

موحد اعظم بت پرستی کے ماحول سے اس قدر بیزار ہیں کہ کبھی تو
اپنے والد آذر سے مناظرہ کرتے ہیں۔ کبھی اپنی قوم کو دعوت فکر دیتے
ہیں اور کبھی وقت کے جھوٹے خدا بادشاہ نمرود سے مناظرہ کر کے اسے
لاجواب کرتے ہیں: قرآن مجید کے الفاظ میں یہ مناظرہ یوں ہوا[1]:

"تو نے اس (جھوٹے خدا کی حالت پر) غور نہیں کیا جو ابراہیمؑ
سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑنے لگا تھا کیونکہ اللہ نے
اسے اقتدار دے دیا تھا جب ابراہیمؑ نے کہا! میرا رب وہ ہے
جو زندگی دیتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا: میں بھی زندگی
دیتا ہوں اور مار بھی دیتا ہوں! ابراہیمؑ نے کہا تو اللہ تو سورج
کو مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے نکال! پھر وہ کافر
بادشاہ لاجواب ہو کر دنگ رہ گیا، اور اللہ ظالموں کو راہ
نہیں دکھاتا!"

ابن قتیبہ نے صحیفہ ابراہیم علیہ السلام میں سے خطبہ ابراہیم کا ایک
اقتباس درج کیا ہے جسے عربی کے قالب میں یوں پیش کیا ہے حضرت
خلیل اللہ علیہ السلام اپنے وقت کے جابر بادشاہ سے خطاب کرتے
ہوئے فرماتے کہ اللہ نے تجھ سے کہا تھا کہ:

ایھا الملک المسلط المغرور المبتلی! انی لم ابعثک
لتجمع الدنیا بعضھا علی بعض ولتبنی المدائن

[1] سورہ البقرہ (۲: ۲۵۸)، قصص الأنبیاء ص ۸۱۔

والحصون ولکنی بعثتک لترد عنی دعوۃ المظلوم
فانی لا أردھا ولو کانت من کافر!

اے لوگوں پر مسلط ہونے والے آزمائش میں ڈالے جانے
والے مغرور بادشاہ! میں نے تجھے دنیا میں اس لئے نہیں
بھیجا کہ تو دولت دنیا سمیٹ کر ڈھیر پہ ڈھیر لگاتا رہے اور شہر
اور قلعے تعمیر کرتا پھرے! میں نے تو تجھے اقتدار اس لئے
سونپا ہے تاکہ تو میری طرف سے مظلوموں کی فریاد رسی
کرے! کیونکہ میں مظلوم کی پکار کو ناکام نہیں لوٹایا کرتا
خواہ یہ مظلوم کوئی کافر ہی کیوں نہ ہو!"

حضرت ہود علیہ السلام

اللہ کا وہ نبی جو ایک منہ زور قوم کے سامنے واعظانہ فصاحت و بلاغت
کے دریا بہاتا رہا مگر اس سرکش قوم نے بالآخر اسے جواب دیا تھا کہ:

سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَظْتَ أَمْ لَمْ تَكُن مِّنَ الْوَاعِظِينَ
إِنْ هَٰذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ۔

تیرا وعظ کرنا یا نہ کرنا ہمارے لئے برابر ہے، تیری یہ
باتیں پہلے لوگوں کا ڈھکوسلا ہی ہیں اور ہمیں عذاب نہیں
دیا جائے گا۔ (الشعراء ۲۶: ۱۳۶ تا ۱۳۸)

یہ برگزیدہ نبی حضرت ہود علیہ السلام تھے جو قوم عاد (یعنی عاد اولی)
کی طرف مبعوث ہوئے تھے، ان کی قوم جزیرہ عرب کے جنوب میں الاحقاف
کے مقام پر آباد تھی اور قوت و اقتدار حاکمانہ کے ساتھ ساتھ مال و دولت
اور ہنرمندی میں بھی بلند مقام رکھتی تھی، طوفان نوح کے بعد تاریخ میں
سب سے پہلے اسی قوم کے تمدن کا ذکر ملتا ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں
حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کا تذکرہ آتا ہے[1]۔

[1] سورہ ہود (۱۱: ۵)

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اپنے رسولِ امین مبعوث ہونے کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ کسی اجر، معاوضے یا دنیاوی فائدے کے لیے تبلیغِ حق نہیں کر رہے بلکہ اخلاص و ایمان کے مطابق لوجہ اللہ ان کی ہدایت و قیادت اور فلاحِ دارین کے لیے آئے ہیں ان کا وعظ و تبلیغ رسالت شرک و بت پرستی سے نجات دلانے، توحید کا بول بالا کرنے اور اپنی قوم کو تقویٰ و اطاعت کی تلقین پر مشتمل تھی،

قرآنِ مجید نے ان کے وعظ و خطابت کے بعض نمونے انسانیت کی رہنمائی کے لیے محفوظ کئے ہیں۔ حضرت ہودؑ نے قرآن مجید کے الفاظ میں فرمایا تھا[1]۔

"میں تمہارے لئے رسولِ امین مبعوث ہوا ہوں، اس لئے اللہ کا تقویٰ دلوں میں پیدا کرو اور میری اطاعت کرو اور میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف اللہ رب العالمین دے گا۔ کیا تم ہر اونچی جگہ پر یادگاریں تعمیر کرنے کا عبث کام کرتے ہو، اور جب تم کسی کو پکڑتے ہو تو بڑی سختی سے پکڑتے ہو اس لئے اب اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو، اس ذات سے ڈرو جس نے تمہیں وہ چیزیں مہیا فرمائی ہیں جنہیں تم جانتے ہو، اس نے تمہیں چوپایوں اور اولاد سے نوازا ہے، باغات اور چشمے مہیا کئے ہیں"۔

قرآنِ مجید کی ایک پوری سورہ اس جلیل القدر ہادیٔ برحق کے نام سے موسوم ہے، اس میں ان کے ایک خطبے کے کچھ حصے افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل کر کے اللہ نے انسانیت کے لئے یوں سامانِ عبرت مہیا کیا ہے[2]۔

[1] سورۃ الشعراء (۲۶: ۱۲۵ تا ۱۳۵) [2] سورۂ ہود (۱۱: ۵۰ تا ۵۲)

"اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں ہے (بت پرستی کو رواج دے کر) تم نے محض افترا پردازی سے کام لیا ہے، اے میری قوم! میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو صرف اسی ذات کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے! اے میری قوم! اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، پھر اسی کی جانب رجوع کرو، وہ تم پر خوشحالی کے انعامات عام کر دیگا، تمہاری قوت میں اور بھی اضافہ کر دے گا۔ اور ہاں! مجرموں کی طرح اعراض مت کرو"

اور مزید فرمایا[1]؛ "میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں تمہاری اس بت پرستی اور شرک سے بری ہوں؛ تم چاہتے ہو تو مجھے مہلت دئے بغیر میرے خلاف تدبیر کر لو، میں اللہ پر توکل کرتا ہوں جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے، ہر جاندار اسی کے قبضے میں ہے، میرے رب کا راستہ ہی سیدھا ہے تم اگر پھر بھی جاؤ تو میں نے پیغامِ حق پہنچا دیا ہے۔ میرا رب تمہاری جگہ کسی اور کو اقتدار سونپ دے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکوگے کہ میرا رب تو تمام چیزوں کا نگہبان ہے"۔

اپنی قوم کا تاریخی مقام واضح کرتے ہوئے حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا[2]؛

اور کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی نصیحت تمہارے ہی آدمی کے ذریعے پہنچی ہے تاکہ وہ تمہیں ڈرائے، اور یاد کرو اسی رب نے تمہیں قوم نوح علیہ السلام کے بعد اقتدار

[1] سورہ ہود (۱۱: ۵۴ تا ۵۷) [2] سورہ الاعراف (۷: ۶۹)

سونپا، تمہیں پیدائشی طور پر طاقتور بنایا، اس لئے اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو تاکہ تمہیں کامیابی نصیب ہو!"

نبی عربی حضرت صالح علیہ السلام

بعثت نبوی سے کئی طویل صدیاں قبل جزیرہ عرب میں ایک نبی برحق مبعوث ہوا، جو وعظ و تبلیغ اور پیغمبرانہ فصاحت و بلاغت کے ذریعے اپنی قوم کو نصیحت و عبرت کے لئے آمادہ کرتا رہا مگر بالآخر حکم ربانی سے زبان جناب یوں گویا ہوئی :-

يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ؛

اے میری قوم! میں نے تو تم کو اپنے رب کا پیغام اچھی طرح پہنچا دیا ہے اور میں تو تمہارا بھلا ہی چاہتا تھا مگر تم تو خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے (الاعراف ۷ : ۷۹)

یہ برگزیدہ ہستی حضرت صالح علیہ السلام کی تھی جو قوم ثمود یا عاد ثانی کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے، یہ قوم ثمود عاد اولی کے تقریباً دو صدیاں بعد جزیرہ عرب میں موجودہ مدینہ منورہ کے شمال میں وادی حجر میں آباد ہوئی تھی اس لئے قرآن مجید[1] میں انہیں عاد کے بعد کے جانشین (خُلَفَاءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ) کہا گیا ہے، یہ قوم بھی زراعت و حرفت کے علاوہ صنعت میں بھی ایک تاریخی و امتیازی مقام کی مالک ہے جو میدانی علاقوں میں شاندار قصور و محلات اور پہاڑوں میں پتھر کاٹ کر خوبصورت گھر بنانے میں منفرد مہارت رکھتی تھی۔[2] یہ تراشیدہ مکانات آج بھی جزیرہ عرب کے مدائن صالح کے مقام پر سامان عبرت پیش کرتے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام اس سرکش اور ضدی قوم کی رہنمائی کے لئے

[1] سورہ الاعراف (۷ : ۷۴) [2] حوالہ سابق۔

رسول امین بن کر آئے تھے، آپ نے پیغمبرانہ وعظ و تبلیغ کے دوران میں عربی فصاحت و بلاغت کے جو دریا بہائے ہوں گے وہ تو صرف اسی مالک الملک کے علم میں ہیں جو مخفیانہ کون و مکان کے علمی خزانوں کا منبع ہے اور بندگان حق کو اجر و ثواب دینے کا مجاز و مختار ہے۔ تاہم حضرت صالح علیہ السلام کے بعض ناصحانہ خطبات پیغمبری کے چند جواہر ریزے نور سرمدی سے قلب محمدی پر اترے اور لسان نبوت سے ادا ہو کر ہم تک پہنچ گئے ہیں۔

حضرت صالح اپنی قوم کے کمالِ ہنر، خوشحالی اور انعامات خداوندی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں[1] :-

"قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا، جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ کیا تم تقویٰ اللہ اختیار نہیں کرو گے؟ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں اس لئے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو، اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔ کیا تم یہاں اِن چیزوں میں محفوظ چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ یعنی ان باغات اور چشموں میں؟ اِن کھیتوں اور کھجوروں میں جن کا گابھا ملائم ہے؟ تم اتراتے ہوئے پہاڑوں میں گھر تراش لیتے ہو، پس اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، حد سے بڑھنے والوں کی بات مت مانو، جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاحی کام نہیں کرتے"

کتاب اللہ میں ایک اور مقام پر اللہ کا یہ نبی اپنی قوم کو بت پرستی سے اجتناب، اللہ کی وحدانیت اور اس کے انعامات کو یاد رکھنے کی تلقین کرتا ہے[2]

"اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارے پاس تمہارے رب کے دلائل آچکے ہیں۔ یہ ہے اللہ کی ناقہ جو تمہارے لئے ایک نشانی ہے اسے

[1] سورہ الشعراء (۲۶ : ۱۴۱ تا ۱۵۲) [2] سورہ الاعراف (۷ : ۷۳ تا ۷۴)

اللہ کی سرزمین میں چرنے دینا اور اسے کوئی گزند نہ پہنچانا کہ پھر
تمہیں دردناک عذاب پکڑ لے گا۔ اور اللہ کا انعام یاد کرو کہ اس
نے تمہیں قوم عاد کے بعد جانشین بنایا، تمہیں زمین میں اقتدار
دیا، اس زمین کے میدانی علاقوں میں تم قصور و محلات تعمیر
کرتے اور پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے ہو، اس لیے اللہ
کی نعمتوں کو یاد رکھو اور زمین میں فساد مچانے کے لیے مت نکلو۔

ایک اور جگہ یوں خطاب فرماتے ہیں[1]:

"اے میری قوم، اللہ ہی کی عبادت کرو، کہ تمہارے لیے
اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا
ہے اسی میں تمہیں آباد کیا، اس سے مغفرت مانگو۔ پھر اسی کی
طرف رجوع کرو، بیشک میرا رب تو قریب ہے اور دعاؤں
کو سننے والا ہے!"

خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام

جاحظ نے نقل کیا ہے کہ افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے
اللہ کے نبی شعیب علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "شعیب خطیب
الانبیاء، یعنی شعیبؑ تو نبیوں کے خطیب ہیں، ساتھ ہی جاحظ نے اس لقب
کی غرض و غایت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ[2]:

"وذلك عند بعض ما حكاه الله في كتابه وجلاله
وسماع عباده،"

یعنی اس لقب کا سبب یہ ہے کہ اللہ نے ان کے بارے میں
اپنی کتاب مبین میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان
کی باتیں بندوں کے کان میں نہایت واضح طور پر سنائی دیتی تھیں۔

[1] سورہ ہود (۱۱: ۶۱) [2] البیان والتبیین (۱: ۲۰۱، ۳۴: ۱)

علامہ عبدالوہاب نجار رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مزید وضاحت کرتے
ہوئے اس حقیقت کو ایک اور انداز میں بیان کیا ہے کہ[1]:

"ويسميه المفسرون خطيب الانبياء لحسن مراجعته قومه
وبراعته في اقامة الحجة عليهم ودحض حججهم."

مفسرین حضرت شعیبؑ کو خطیب الانبیاء اس لیے کہتے ہیں کہ
وہ اپنی قوم سے خطاب کرنے میں خوبصورت اسلوب اختیار
کرتے، ان کے خلاف دلائل قائم کرنے اور ان کے دلائل کو رد
کرنے میں کمال رکھتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کو تمام انبیاء کرام میں یہ امتیاز حاصل ہے
کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے دو قوموں کی طرف نبی مبعوث کیا تھا، ان کے علاوہ
دو امتوں کی رہنمائی کا شرف کسی اور کو حاصل نہیں ہوا، پہلے انہیں مدین کے لوگوں
کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ مدین بحیرہ قلزم کے پاس ایک شہر تھا جہاں کے
لوگ خوشحال تھے مگر شرک و بت پرستی کا شکار تھے، توحید اور عبادت معبود
حقیقی کے منکر تھے ناپ تول میں بے ایمانی کرتے، چیزوں میں ملاوٹ کرتے
باہر سے آنے والے تاجروں کو گھٹیا اور برائے نام قیمت ادا کرتے، فساد
پھیلاتے، رہزنی کرتے، راہ حق سے لوگوں کو روکتے اور صراط مستقیم کے
بجائے کج روی کا شکار تھے، جب اللہ کے رسول کی بات نہ سنی، تکبر اور
ضد سے کام لیا تو زلزلے سے نیست و نابود کر دیے گئے؛ اس کے بعد
حضرت شعیبؑ کو اہل ایکہ کی طرف بھیجا گیا جو دراصل مدین ہی کا دیہاتی علاقہ
تھا، یہاں کے لوگوں کو بھی آپ نے وعظ و تبلیغ فرمائی اور جب وہ سرکشی
میں حد سے بڑھ گئے تو عذاب الٰہی میں جلا کر راکھ کر دیے گئے۔

[1] قصص الانبیاء ص ۱۴۵، فی ظلال القرآن ۸: ۹، روح المعانی ۸: ۲۰۱، تفسیر المراغی ۸: ۲۱۲۔

حضرت شعیبؑ کو جس معاشرے کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا تھا وہ ایک بہت پیچیدہ معاشرہ تھا، جہاں خوشحالی کے ساتھ بدمستی شامل ہو جائے وہاں انسانیت دم توڑ دیتی ہے۔ اس کٹھن کام کے لئے جس زورِ بیان، فصاحت و بلاغت اور کمالِ خطابت کی ضرورت تھی وہ ناموسِ مقدس کے توسط سے قلبِ نبوت پر نقش کر دی گئی تھی، چنانچہ خطیب انبیاءؑ اس معاشرے کو کبھی دعوتِ توحید دیتے ہیں اور یومِ آخرت پر ایمان لانے کی تلقین کرتے ہیں، کبھی تقویٰ و ایمان سے متصف ہونے کا حکم دیتے ہیں اور فساد فی الارض سے منع کرتے ہیں، کبھی راستوں کو پُرخطر بنانے سے منع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے راستے مسدود کرنے سے روکتے ہیں کبھی خوشحال زندگی اور اللہ کے فضل و انعام کی طرف متوجہ کرتے ہوئے دینِ حق اور شریعت الٰہی میں ہیرپھیر سے اجتناب کا حکم دیتے ہیں اور کبھی اپنی قوم کے سامنے گذشتہ تاریخ انسانی کی عبرتیں پیش کرتے ہوئے اپنی مخالفت اور عداوت[1] سے باز رہنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ مبادا تکذیب و طغیان کی صورت میں حضرت نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ اور لوطؑ کی امتوں کے سے انجامِ بد سے دوچار ہو جائیں پھر کبھی مصلحانہ اندازِ خطابت اختیار کرتے ہوئے انہیں احساس دلاتے ہیں کہ میں پیغمبرِ باعمل ہوں جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں اس سے خود بھی اجتناب کرتا ہوں!

خطیب انبیاءؑ کے متنوع خطبات میں سے بعض اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب میں انسانیت کے لئے محفوظ کر دیے ہیں تاکہ موعظت و نصیحت کا سرچشمہ بنیں اور عبرت و سبق آموزی کا سامان پیدا کرتے رہیں۔

قرآن مجید کے الفاظ میں انہوں نے اہلِ مدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا[2]

---

[1] سورہ الاعراف (۷: ۸۵ تا ۸۶)

"اے میری قوم! صرف اللہ ہی کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی برہانِ واضح پہنچ چکی ہے، اس لئے ناپ تول پورا کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹیا اور کم نہ دو، زمین میں اصلاح کے بعد فساد مت پھیلاؤ، اگر تم مومن بن جاؤ تو تمہارے لئے یہی بہترین راستہ ہے!..... اور ہر ایک راستہ پر خطرات پیدا کرنے اور اللہ کے راستے پر چلنے سے روکنے کے لئے مت بیٹھا کرو، کہ اللہ کو ماننے والے تو اللہ کی راہ میں سرِ تسلیم خم کر چکے ہیں مگر تم ہو کہ اس میں ٹیڑھا پن چاہتے ہو!"

پھر ایک اور مقام پر اس تقریرِ دلپذیر کو ایک اور پیرایۂ بیان میں پیش فرمایا جو ایک الگ شیرینی اور تاثر لئے ہوئے تھے۔

"اے میری قوم! اللہ کی پرستش کرو، اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں ہے ناپ تول میں کمی مت کیا کرو، (تم تو مجھے خوشحال نظر آتے ہو (اگر باز نہ آئے تو) مجھے ڈر ہے کہ آنے والا عذاب تمہیں کسی دن اپنے پھندے میں نہ لے لے!

اے میری قوم! ناپ تول کو منصفانہ طریقے سے پورا کیا کرو لوگوں سے ان کی چیزیں اونے پونے خریدنے کی کوشش نہ کیا کرو، فساد پھیلاتے ہوئے دنیا میں سرکشی مت دکھایا کرو اللہ کے پاس محفوظ رہنے والے اعمال ہی تمہارے لئے بہتر ہیں اگر تم مومن بن جاؤ تو، ورنہ میں تم پر چوکیداری کے لئے نہیں آیا!..... اے میری قوم! بتاؤ کہ اگر میں اپنے اللہ کی جانب سے روشن دلیل رکھتا ہوں، اس نے مجھے

---

[2] سورہ ہود (۱۱: ۸۴ تا ۸۶)

اپنے کرم سے اچھی روزی بھی دے رکھی ہے، میں تمہیں جن چیزوں سے منع کرتا ہوں ان کا خود ارتکاب کر کے اس کی خلاف ورزی بھی نہیں کرنا چاہتا، میں تو حتی المقدور اصلاح ہی چاہتا ہوں، اور مجھے توفیق تو اللہ ہی دینے والا ہے۔ مجھے اس پر بھروسہ ہے اور میں اس سے رجوع کرتا ہوں۔ اے میری قوم! میری دشمنی تمہیں اس حد تک نہ لے آئے کہ تم پر بھی اس قسم کی آفتیں ٹوٹ پڑیں جو نوحؑ ہودؑ اور صالحؑ کی امتوں کی تباہی کا سامان کرتی رہیں، پھر قوم لوطؑ کا حشر تم سے زیادہ دور نہیں!

مدین کے بعد جب ایکہ والوں سے خطاب کے لئے تشریف لائے تو فرمایا[1]:

"ایکہ والوں نے رسولوں کو جھٹلایا، جب شعیبؑ نے ان سے کہا کہ تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے، میں تمہارے لئے رسول امین ہوں اس لئے اللہ سے ڈرو اور میری بات مانو، میں تم سے کوئی اجر بھی نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے، ناپ کا پیمانہ درست رکھو، کم مت دیا کرو، جب تولو تو ٹھیک ترازو استعمال کیا کرو، لوگوں کی چیزیں کھوٹے داموں مت خریدا کرو۔ زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے مت اکڑو، اس ذات سے ڈرتے رہا کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے والی مخلوق کا خالق بھی وہی ہے!"

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام

اللہ کے اولوالعزم اور صاحب جلال پیغمبر کو ایک کٹھن اور بہت بھاری مشن سونپا گیا۔ ایک طرف تو انہیں تاریخ انسانی کے ایک جابر ترین حکمران فرعون

[1] سورہ الشعراء (۲۶: ۱۷۶ تا ۱۸۴)

مصر منفتاح کے سامنے کلمۃ اللہ کو بلند کرنا تھا اور دوسری جانب ان کا فریضۂ منصبی یہ تھا کہ بنو اسرائیل کو فرعون کے ظلم و جبر سے نجات دلا کر ان کی اصلاح فرمائیں مگر اتنے کٹھن کام اور بھاری ذمہ داری کے باوجود ان کی زبان میں لکنت تھی جس سے منصب پیغمبری میں مشکل پیش آسکتی تھی۔ حضرت کلیم اللہؑ کی زبان میں یہ لکنت بعض کے خیال میں طبعی اور پیدائشی تھی لیکن بعض کی رائے یہ ہے کہ فرعون کے محل میں تربیت کے دوران طفولیت کے بھولے پن میں انگارا منہ میں ڈال لیا تھا جس سے ان کے نطق و گویائی کی قوت متاثر ہو گئی تھی[1]۔

حضرت موسیٰؑ کو اس کا احساس تھا کہ منصب پیغمبری کے لئے خطیبانہ فصاحت و بلاغت اور شرح و بیان ایک بنیادی ضرورت ہے، طور سینا پر جب اللہ نے آگ کے متلاشی کو منصب پیغمبری سے نواز دیا تو حضرت موسیٰ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا[2]:

وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي۔

کہ مولیٰ! میرا سینہ گھٹتا ہے اور میری زبان بھی فصاحت و روانی نہیں رکھتی۔

جاحظ نے عرب فصحاء و بلغاء کے تذکرے اور عربی خطابت کے موضوع پر جو معرکہ آراء اور خوبصورت کتاب لکھی ہے اس کے آغاز ہی میں وہ حضرت کلیم اللہ کے متاسفانہ شکوے کا ذکر کرتا ہے جو انہوں نے اپنے عقدہ لسانی اور خطیبانہ فصاحت و بلاغت پر عدم قدرت کے بارے میں اپنے پروردگار کے حضور میں پیش کیا تھا، جاحظ نے حصر (بات کرتے کرتے زبان بند ہو جانا) اور عِیّ (اظہار و بیان کے قابل ہی نہ ہونا) کے تذکرے کے بعد لکھا ہے کہ[3]

[1] البیان والتبیین ۳: ۵۰، ۸۹ [2] سورہ الشعراء (۲۶: ۱۳)
[3] البیان والتبیین ۱: ۷ تا ۸

"وسأل الله عز وجل موسیٰ بن عمران علیه السلام حین بعثه إلی فرعون بإبلاغ رسالته والإبانة عن حجته والإفصاح عن أدلته فقال حین ذکر العقدة التی کانت فی لسانه والحبسة التی کانت فی بیانه[1]:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي،

حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ سے التجا کی، جب انہیں اللہ نے اپنا پیغام پہنچانے، اپنی حجت واضح کرنے اور اپنے دلائل کو کھول کر بیان کرنے کے لئے فرعون کی طرف مبعوث کیا تھا، تو اس وقت انہیں اپنی زبان کا وہ عقدہ اور قوت بیان کی رکاوٹ یاد آئی تو اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے رب! میرا سینہ کھول دے اور میرا کام میرے لئے آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تاکہ لوگ میری بات کو اچھی طرح سمجھ سکیں اور میرے اپنوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا بوجھ اٹھانے والا بنا دے، اور اسے میرے کام میں شریک کر دے!"

جاحظ نے آیت قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ یعنی اے موسیٰ! تیری دعا قبول ہوئی[2] سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی دونوں دعائیں (عقدہ لسانی سے نجات اور نبوت ہارونؑ) قبول کر لی تھیں[3]، تاہم فرعون چونکہ موسیٰ علیہ السلام کے عقدہ لسانی کے بارے

۱۔ سورہ طٰہٰ (۲۰ : ۲۵ تا ۳۰) ۲۔ سورہ طٰہٰ (۲۰ : ۳۶)

۳۔ البیان ۱ : ۸۰

میں جانتا تھا اور خود کو صاحب بیان تصور کرتا تھا اس لئے اپنے درباریوں سے کہنے لگا: "أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِّنْ هَٰذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يُبِينُ" یعنی کیا میں اس شخص سے بہتر نہیں ہوں جو حقیر بھی ہے اور قوت بیان سے بھی محروم ہے[1]۔ اسی لئے حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارون کو نبوت عطا کرنے کی التجا کی تھی اور فرمایا تھا کہ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا یعنی وہ مجھ سے زیادہ فصیح البیان ہیں، یہاں سے یہ بات بھی ضمنی طور پہ واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت کلیم اللہ علیہ السلام فصیح البیان تھے اگرچہ ان کے بھائی ہارونؑ افصح البیان تھے اگر جہاں افصح (فصیح ترین) کی ضرورت ہوتی ہے وہاں فصیح (معمولی فصیح) سے کام نہیں نکلتا، جاحظ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے[2]:

"وقال موسیٰ علیه السلام: وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي، وقال: وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنطَلِقُ لِسَانِي، رغبة منه فی غایة الإفصاح بالحجة، والمبالغة فی وضوح الدلالة، لتکون الأعناق إلیه أمیل والعقول عنه أفهم والنفوس إلیه أسرع وإن کان قد یأتی من وراء الحاجة ویبلغ أفهامهم علی بعض المشقة؛

حضرت موسیٰؑ کا یہ کہنا کہ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح ہے اس لئے میرے ساتھ اسے بھی رسول بنا دیجئے تاکہ وہ میری تائید وتصدیق کر سکے، اور انہوں نے اللہ سے یہ بھی کہا تھا کہ میرا سینہ گھٹتا ہے، اور میری زبان رواں نہیں ہے تو اس میں ان کی یہ خواہش پنہاں تھی کہ حجت کو نہایت کھول کر بیان کیا جائے، دلائل

۱۔ سورۃ الزخرف (۴۳ : ۵۲) ۲۔ البیان والتبیین (۱ : ۷)

کو اچھی طرح واضح کیا جائے تاکہ لوگ ان کی طرف زیادہ مائل ہوں، لوگوں کی عقل میں بات بیٹھ جائے اور ان کے دلوں پر جلدی اثر کرے، اگرچہ وہ اپنی حاجت پوری کر سکتے ہوں گے اور کچھ مشقت کے بعد اپنی بات کو ان کے ذہن نشین کر لیتے ہوں گے؛"

اللہ تعالیٰ نے حضرت کلیم اللہ کو عقدہ لسانی سے محفوظ فرما دیا تھا اور وہ معجزاتِ ربانی کے ساتھ فصاحت و بلاغت سے لوگوں کی رہنمائی بھی کر سکتے تھے، اس بات کو جاحظ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے[1]۔

"ومع ما اعطی اللّٰہ تبارک و تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام من الحجة البالغة ومن العلومات الظاهرة البرهانات الواضحة الی ان حل اللّٰہ تلک العقدة واطلق تلک الحبسة واسقط تلک المحنة :"

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حجت کاملہ، کھلی اور واضح براہین عطا فرمانے کے ساتھ ان کا عقدہ لسانی کھول دیا تھا، رکاوٹ دور کر دی اور اس آزمائش کو ختم کر دیا تھا!"

قرآن مجید میں انبیاء کرام کے خطبات کے اقتباسات موجود ہیں جن سے بعض کافی طویل بھی ہیں مگر بلاغت موسوی کا حقیقی جوہر چونکہ اختصار و جامعیت ہے اس لئے کتاب اللہ میں ان کے ارشادات کو خوبصورت مختصر جملوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جو برمحل، پرمعنی اور جامع و مانع بھی ہیں، مثلاً فرعون کے دربار میں جو مناظرہ[2] مکالمہ ہوا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کے کچھ نمونے انسانیت کی ہدایت کے لئے محفوظ کر دیئے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کی دعا قبول فرمائی اور موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو منصبِ نبوت پر فائز کر دیا گیا تو انہیں حکم ہوا کہ جاؤ فرعون سے کہو کہ

---

[1] البیان والتبیین ۱: ۱۵ [2] قصص الانبیاء ص ۵۳، قصص القرآن ۱: ۳۶۵۔

اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ "ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں اور کہا کہ[1]:

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی؛

کہ ہمیں رب کی طرف سے پیغام یہ ملا ہے کہ عذاب تو اسی پر ہے جو جھٹلاتا اور پھر جاتا ہے؛

فرعون نے سوال کیا:

"قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی؛

یعنی فرعون نے کہا کہ تم دونوں کا رب کون ہے!

جواب میں فرمایا گیا:

"رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی؛

کہ ہمارا رب تو وہ ذات ہے جس نے ہر شئی کو اس کی تخلیق عطا کی اور پھر اسے سیدھی راہ بھی دکھا دی!"

فرعون نے پھر سوال کیا کہ:

"فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی، یعنی پھر گزشتہ نسلوں کا کیا حال ہوگا جو تمہارے رب کو نہیں مانتے تھے!"

خدا کے پیغمبر نے مسکت جواب دیا:

"عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ، لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی،

کہ ان کا علم تو میرے رب کے پاس کتاب میں محفوظ ہے، وہ نہ تو غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے!"

کلیم اللہ کا جلالِ خطابت اور پیغمبری ہیبت و دبدبہ اس وقت دربار فرعون میں لرزہ طاری کرتا ہوا نظر آتا ہے جب فرعون انہیں اپنے ہاں پرورش پانے اور ایک فرعونی کو جان سے مار دینے کے واقعات یاد دلاتا ہے، یہ مناظرہ کتاب اللہ میں محفوظ ہے، فرعون سوال کرتا ہے[2]۔

---

[1] سورہ طٰہٰ (۲۰ : ۴۸ تا ۵۲) [2] سورہ الشعراء (۲۶ : ۱۸ تا ۲۸)

"کیا ہم نے تجھے اپنے ہاں بچہ کی حیثیت سے نہیں پالا؟ کیا تو نے اپنی زندگی کے کئی سال ہم میں نہیں گزارے؟ اور تو نے اپنا وہ کام بھی کیا جسے تو جانتا ہے، اور تو احسان فراموشوں میں سے ہے!"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جواب میں فرماتے ہیں:

"میں نے اس وقت جو کچھ بھی کیا، وہ ایسے حال میں کیا کہ میں اس وقت نادانوں میں سے تھا، چنانچہ تمہارے ڈر کے مارے میں تم سے بھاگ گیا تھا، پھر میرے رب نے مجھے حکمت عطا فرمائی اور مجھے اپنا رسول بنایا، اور یہ جو تو مجھ پر احسان نعمت جتاتا ہے تو اس لئے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے!"

فرعون نے سوال کیا:

"جس رب العالمین نے تمہیں رسول بنایا ہے وہ ہے کیا؟"

موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا۔

"وہ زمینوں اور آسمانوں کا رب ہے اور ان کے ——— درمیان جو کچھ ہے اس کا ہے اس کا بھی رب وہی ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو تو۔"

فرعون نے حیرت و شرمندگی کے عالم میں اہل دربار سے کہا:۔

"اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ: کیا تم سنتے ہو!"

موسیٰ نے فرعون کی حیرت و شرمندگی میں اضافہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ تو تم سب کا اور تمہارے گذشتہ آباؤ اجداد کا بھی پروردگار ہے!"

فرعون کو اپنی جھوٹی ربوبیت کا تختہ لرزتا اور الٹتا ہوا نظر آیا تو درباریوں سے کہنے لگا۔

"تمہارا یہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے یقیناً دیوانہ ہے!"

"وہ تو مشرق و مغرب کا رب بھی ہے اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اس کا رب بھی وہی ہے، بس تم میں ذرا عقل ہونی چاہیئے!"

یوں لگتا ہے کہ اللہ نے اپنے کلیم کا عقدۂ لسانی اور تنگی سینہ دور کر کے خطیبانہ اعجاز اور فصاحت و بلاغت کے تمام نشیب و فراز قلب نبوت پر واضح کر دیئے تھے، چنانچہ وہ موقع کی مناسبت سے بعض اوقات اس عزم و جلال کے ساتھ جامع و مانع بات کہتے ہیں جو صرف انبیاء کرام کی قائدانہ صفات و خصوصیات ہی ہو سکتی ہیں! بنو اسرائیل کو مصر سے لیکر نکلتے ہیں تو فرعون بھی اپنے لشکر سمیت ان کے تعاقب میں نکل پڑتا ہے حتیٰ کہ سمندر کے کنارے پہنچتے ہیں تو فرعون کی فوج بھی ان کے پیچھے پہنچ جاتی ہے، آگے سمندر کی موج اور پیچھے فرعون کی فوج! ایسے موقع پر گھبرانا ایک فطرتی بات ہے، چنانچہ اصحاب موسیٰ پکار اٹھتے ہیں[1]: اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ؛ کہ ہمیں تو فرعون نے آلیا! اس موقع پر اللہ کا رسول نہایت پر عزم انداز اور پوری ہیبت و تمکنت کے ساتھ ایک ہی جملے میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتا ہے اور مخاطبین کو مطمئن کر دیتا ہے۔ یہ پر عزم و پر اعتماد جملہ اور ایسے نازک موقع پر صرف اور صرف اللہ کا ایک جلیل القدر پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے[2]:

قَالَ كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ: کہا! ہرگز نہیں! میرے ساتھ تو میرا رب ہے! وہ تو مجھے یقیناً رستہ دکھائے گا۔

خطابات موسوی کے چند نمونے قرآن مجید میں موجود ہیں جن کا اختصار اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ کلیم اللہ کا انداز خطابت الخطاب نہ تھا ایجاز تھا، وہ اختصار و جامعیت اور جلال و اعتماد کے ساتھ پیغام حق پہنچاتے تھے؛ سورۂ طٰہٰ (۲۰: ۸۶) میں بچھڑے کی پرستش پر اپنی قوم کو سرزنش کرتے ہیں؛

[1] سورۃ الشعراء (۲۶: ۶۱) [2] سورۃ ابراہیم (۱۴: ۶ تا ۹)

"چنانچہ موسیٰؑ افسوس اور غضب کے عالم میں اپنی قوم کی طرف لوٹے اور کہنے لگے: اے میری قوم! کیا تم سے تمہارے رب نے ایک اچھا وعدہ نہیں فرمایا تھا! کیا اس وعدے پر طویل مدت بیت چکی ہے۔ یا تم نے یہ ارادہ کر لیا ہے کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو، اس لئے تم نے میرے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کی ہے!"

دیکھئے یہ چند الفاظ ہیں مگر ان سے صبر و استقامت اور پُر عزم مستقبل کے سرچشمے پھوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (سورہ اعراف ۷: ۱۲۸)

"موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اللہ ہی سے مدد مانگو اور صبر سے کام لو! یہ زمین تو اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیا کرتا ہے۔ اور پھر اچھا انجام تو صرف اہلِ تقویٰ کا مقدر ہے!"

کلام اللہ میں کلیم اللہ کے خطبات کا طویل ترین اقتباس ہے[1]!

"اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جس سے اس نے تمہیں نوازا ہے، جب اس نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دلائی، جو تمہیں سخت عذاب دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بہت بھاری آزمائش تھی۔ اور جب تمہارے رب نے تمہیں یہ جتا دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔ اور اگر ناشکری کرو گے تو پھر میرا عذاب بھی سخت ہے۔ اور موسیٰؑ نے کہا کہ اگر تم اور تمام اہلِ زمین سب کے سب انکار کر دو

[1] سورہ ابراہیم (۱۴: ۶ تا ۹)

تو بھی اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز اور ستودہ صفات ہے! کیا تمہیں پہلے لوگوں کی بات معلوم نہیں ہوئی، یعنی نوحؑ، عاد اور ثمود کی قومیں! یا جو ان کے بعد تھے، جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے، ان کے پاس ان کے رسول دلائل لے کر آتے رہے، مگر انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ڈال لئے اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری رسالت کا انکار کرتے ہیں تم ہمیں جس بات کی دعوت دیتے ہو ان کے بارے میں ہمیں بہت شک ہے!"

حضرت کلیم اللہ علیہ السلام کی خطابت و نبوت کا تذکرہ عصائے موسوی کے ذکر کے بغیر نامکمل[1] رہے گا۔ عصا کو خطابت کے ساتھ بہت گہری اور قریبی نسبت ہے، خصوصاً عرب کے فصیح و بلیغ خطباء کے ہاں تو اس کے بغیر خطبے یا تقریر کا تصور ہی نہ تھا، ہمیشہ عصاء کے سہارے خطبہ دینا ان کا معمول تھا، لیکن تاریخ انسانی میں سب سے پہلی بار یہ عصا حضرت کلیم اللہ کے ہاتھ میں نظر آتا ہے کہ بقول اقبال! ؎

"عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد!"

آج کے دور میں یہ ڈائس اور روسٹرم کا رواج بھی دراصل اسی عصا کی یادگار ہے، موسیٰؑ کو جب نبوت عطا ہوئی تو اس وقت بھی یہ عصاء ان کے دست راست میں تھا، ہاتھ میں لاٹھی رکھنے کا جب انھوں نے معمول بنایا تھا تو اس وقت نہ تو انہیں خطابت و نبوت کے ساتھ اس کے رشتے کا علم تھا، نہ انہیں یہ پتہ تھا کہ یہی عصاء ان کی پیغمبرانہ خطابت کی علامت اور ان کی نبوت کا اعجاز بھی ہوگا۔ مگر فطرت خود بخود اس کی حنا بندی کر رہی تھی، کیونکہ[2] اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (یہ اللہ ہی کو علم ہے کہ

[1] البیان والتبیین ۲: ۵/ ۸۹ [2] سورۃ الانعام (۶: ۱۲۴)

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ ؛

یعنی اے داؤدؑ! ہم نے تجھے روئے زمین پر اپنا خلیفہ بنا دیا ہے اس لئے اب لوگوں کے منصفانہ فیصلہ کرنے کا بھی تجھے حکم دیتے ہیں۔

یہ خلافت و سلطنت اللہ نے اس لئے عطا فرمائی تھی کہ وہ بسطۃً فی العلم والجسم ہونے کے ساتھ ساتھ علم و حکمت اور نور نبوت سے بھی نوازے گئے تھے، بنی اسرائیل کا یہی صاحب قوت و دانش نوجوان تھا جس نے دیو ہیکل جنگجو جالوت کو میدان جنگ میں پچھاڑ دیا تھا۔[1]

"اور داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے اپنے بندے داؤدؑ کو بادشاہت و حکمت اور علم و دانش سے نوازا تھا اور جو چاہا انہیں سکھا بھی دیا تھا!"

قرآن مجید میں حضرت داؤدؑ پر اللہ تعالیٰ نے جو انعامات گنے تھے ان میں کتاب مقدس "زبور" عطا کرنے کے علاوہ پرندوں کی بولیاں سمجھنا[2]، لوہے کو موم کرنا اور لحن داؤدی سے دشت و جبل اور چرند و پرند کو مست کر دینا بھی شامل ہے[3]۔

مفسرین نے "فصل الخطاب" کی تفسیر و تشریح میں مختلف آراء ظاہر کی ہیں، بعض کے نزدیک اس سے مراد مقدمات کا فیصلہ چکانے میں اصابت رائے سے کام لینا اور ایسا قطعی فیصلہ کرنا جس سے سب مطمئن ہو جائیں ظاہر ہے یہ باتیں بھی قدرت بیان اور فصاحت و بلاغت لسانی کے بغیر ممکن نہیں علامہ عبدالوہاب نجار لکھتے ہیں[4]:

---

[1] سورۃ البقرۃ (۲: ۲۵۱) [2] سورۃ النساء (۴: ۱۶۳) سورت بنی اسرائیل (۱۷: ۵۵)؛ سورۃ النمل (۲۷: ۱۵) [3] [4] قصص الانبیاء ص ۳۰۹۔

"فصل الخطاب: فصل الخصام بتمییز الحق عن الباطل او الکلام المخلص الذی ینبہ المخاطب علی المقصود من غیر التباین، یراعی فیہ مظان الفصل والوصل والعطف والاستئناف والاضمار والحذف والتکرار۔

فصل خطاب سے مراد جھگڑوں کا اس طرح فیصلہ کرنا ہے کہ حق اور باطل کا فرق واضح ہو جائے، یا فصل خطاب سے مراد ایسا انداز بیان ہے جو خالص واضح ہو، جو مخاطب کو کسی فرق کے بغیر اپنے مقصود کے بارے میں خبردار کر دے، جس میں فصل و وصل، عطف و استیناف، اضمار و حذف اور تکرار کے مقامات کو ملحوظ رکھا جائے تاکہ سننے والے پر بات کھل جائے اور اس کے دل میں کوئی خلش باقی نہ رہے!"

جاحظ اور ابن قتیبہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے کلمات حکمت و بلاغت کے نمونے نقل کئے ہیں، چنانچہ جاحظ نے بصرہ کے مشہور صوفی ابو المعتمر مورق بن عبداللہ العجلی سے نقل کیا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے کلمات حکمت و بلاغت میں لکھا ہے کہ[1]

"علی العاقل ان یکون عالماً باھل زمانہ، مالکاً للسانہ مقبلاً علی شانہ ؛

عاقل و دانشمند انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے عہد کے لوگوں سے خوب آگاہ ہو، اسے اپنی زبان پر پورا پورا قابو ہو اور وہ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھنے والا ہو"

ابن قتیبہ نے وہب بن منبہ سے روایت کی ہے کہ مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے کلمات حکمت میں یہ لکھا ملا ہے کہ[2]

---

[1] البیان والتبیین (۲: ۳۱۲) [2] عیون الاخبار ۱: ۲۷۹۔

"ینبغی للعاقل ان لا یشغل نفسه عن اربع ساعات؛ ساعة یناجی فیها ربه وساعة یحاسب فیها نفسه، وساعة یخلو فیها هو واخوانه والذین ینصحون له فی دینه ویصدقونه عن عیوبه، وساعة یخلی بین نفسه وبین لذتها فیما یحل ویحمد، فان هذه الساعة عون لهذه الساعات وفضل بلغة واستجمام للقلوب وینبغی للعاقل ان لا یُری فی احدی ثلاث خصال؛ تزود لمعاد او مرمة لمعاش او لذة فی غیر محرم"

یعنی عاقل کو چار اوقات سے غافل نہیں رہنا چاہیے، ایک وہ وقت جس میں اپنے رب سے مناجات کرے، ایک وہ وقت جس میں اپنے نفس کا محاسبہ کرے، ایک وہ وقت جس کے دوران اپنے بھائیوں اور خیرخواہوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے جو اس کے دینی معاملات میں مخلص اور اس کے عیب بتانے میں سچے ہوں اور ایک وہ وقت جس کے دوران وہ حلال اور قابل ستائش لذتوں میں مشغول ہو، یہ آخری گھڑی ان تمام اوقات کے لیے معاون، کفایت معاش کے لیے باعث فضیلت اور دلوں کے لیے اطمینان کا سامان ہے، عاقل کو تین عادتوں پر کاربند رہنا چاہیے؛ آخرت کا زاد راہ تیار کرنا، معاش کا اہتمام کرنا اور حلال قسم کی لذت سے لطف اندوز ہونا"

حضرت سلیمان علیہ السلام

اپنے والد ماجد حضرت داؤدؑ کی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے دیگر بے شمار مناقب و فضائل کے علاوہ نبوت، سلطنت اور خطابت کے انعامات ثلاثہ سے بھی نوازا تھا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے

بعض انعامات کا یوں تذکرہ فرمایا ہے[1]۔

"وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ۔ وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ"

ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم عطا کیا تو انہوں نے کہا تھا کہ سب تعریف اسی اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے مومن بندوں میں سے بہت سے بندوں پر فضیلت دی ہے۔ اور سلیمانؑ اپنے والد داؤدؑ کے وارث ہوئے، اور کہا کہ اے لوگو! ہمیں اللہ کی طرف سے پرندوں کی بولی سکھا دی گئی ہے، اور ہمیں ہر ایک چیز دی گئی ہے، یہ تو اللہ کا فضل مبین ہے اور سلیمانؑ کے لشکر جنوں، انسانوں اور پرندوں سے اکٹھے کیے گئے تھے، چنانچہ وہ ان کے حکم کے پابند تھے"

اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کی ایک عدالتی کارروائی کا بھی ذکر کیا ہے کہ جب کسی کی کھیتی میں بکریاں نقصان کر گئیں، اس موقع پر بیٹے نے باپ کو حکیمانہ مشورہ دیا مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا کہ علم و حکمت میں دونوں کامل تھے[2]، "وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا" یعنی ہر دو کو ہم نے علم و حکمت عطا کی تھی"

قرآن مجید میں ایک خوبصورت مکتوب سلیمانی بھی موجود ہے جو اختصار اور جامعیت میں جمال پیغمبری اور اظہار مدعا کے برجستہ و پاکیزہ اسلوب بیان کی بھی تصویر ہے، یہ خط آپ نے قوم سبا کی ملکہ کے نام تحریر کیا تھا جن کے بارے میں آپ کو علم ہوا تھا کہ وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر سورج کی پرستش کرتی

[1] سورہ النمل (۲۷: ۱۵ تا ۱۷) [2] سورۃ الانبیاء (۲۱: ۷۹)

شیطانی کاموں میں پڑے ہوئے ہیں اور آفتاب پرستی کے مشرکانہ جال میں پھنسے ہوئے ہیں، حضرت سلیمان علیہ سلام نے اس قوم کے نام (ملکہ کے نام نہیں!) حکمنامہ تحریر فرمایا اور انہیں دعوت اسلام دی[1]

"اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ؛

یہ خط سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور اللہ کے نام سے جو بےانتہا رحم والا مہربان ہے، میرے خلاف سرکشی نہ کرنا اور مسلمان اور فرمانبردار بن کر میرے پاس چلے آؤ!"

عرب خطباء کے ہاں عصا کا استعمال خطابت کے بنیادی لوازمات میں سے تھا، غیر عرب خصوصاً شعوبی عربوں کی اس عادت کو معیوب تصور کرتے تھے جاحظ نے عربوں کی اس عادت کے جواز و استحسان کے سلسلے میں عصائے سلیمانی کو بطور شہادت پیش کیا ہے اور لکھا ہے کہ غیر عرب اقوام میں جو خطباء ہوئے ہیں ان میں سے حضرت سلیمانؑ کا مقام بے حد نمایاں ہے، چونکہ وہ بھی خطابت کے دوران عصا استعمال کرتے تھے اس لئے یہ عادت شرفاء اور اہل عزت وجاہ کا خاصہ ہے، جاحظ لکھتا ہے[2]

"والدليل على أن أخذ العصا مأخوذ من اصل كريم ومعدن شريف ومن المواضع التى لا يعيبها الا جاهل ولا يعترض عليها الا معاند، اتخاذ سليمان بن داؤد صلى الله عليه العصا لخطبته وموعظته ولمقاماته وطول صلاته ولطول التلاوة والانتصاب فجعلها لتلك الخصال جامعة قال الله عز وجل وقوله الحق: فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته الا دابة الأرض تاكل منسأته، فلما خر تبينت

الجن ان لو كانوا يعلمون الغيب ما لبثوا فى العذاب المهين، والمنسأة هى العصا ؛

اس بات کی دلیل کہ عصا ہاتھ میں لینا اصل میں عزت و شرافت سے ماخوذ ہے اور ان عادات میں سے ہے جنہیں صرف جاہل ہی عیب و نقص کا باعث قرار دے سکتا ہے اور اس بات پر اعتراض کرنے والا محض عناد کا اظہار کرتا ہے، یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ بن داؤد علیہ السلام خطبہ و وعظ کے وقت، کھڑے ہوتے وقت بطول دعا کے وقت، یا تلاوت و قیام کے دوران عصا ہاتھ میں رکھتے تھے ان تمام خصائل کے لئے انہوں نے عصا کو ایک جامع حیثیت دی تھی چنانچہ اللہ عزوجل کا قول ہے اور اس کا ارشاد تو برحق ہے کہ جب ہم نے اس پر موت کا حکم صادر کیا تو انہیں اس کی موت کا پتہ کسی چیز نے نہ دیا سوائے زمین کے ایک کیڑے کے جو اس عصا کو کھا گیا تھا چنانچہ جب وہ گر پڑا تو جنوں پر واضح ہو گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو اس رسوا کرنے والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے اور منساۃ عصا کو کہتے ہیں"

ابن قتیبہ نے صراحت سے لکھا ہے کہ تاریخ انسانی میں خط کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرنے کی رسم سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ڈالی تھی جیسا کہ ان کے گذشتہ مندرجہ مکتوب گرامی سے واضح ہے جو کتاب اللہ سے نقل ہوا[1]

قرآن مجید میں ان کے خطبات کے اقتباسات زیادہ نہیں ہیں، جو ہیں وہ بہت مختصر ہیں، ان کی زبان سے ایک خوبصورت دعا ادا ہوئی جو اللہ تعالی نے قلب محمدی پر وحی فرما کر امت اسلامیہ کے لئے محفوظ کر دی ہے؛ وادی

نمل سے گزرتے ہوئے چیونٹی کی گفتگو سن کر اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کی بولی سمجھنے کی صلاحیت کو اللہ کا انعام تصور کیا، مسکراتے ہوئے اللہ کے حضور دعا فرمائی[1]:

"وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ:

اے میرے رب! مجھے توفیق عطا فرما کہ تیری اس نعمت کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر ارزانی فرمائی اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جن سے تو خوش ہو، اپنی رحمت سے تو مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما!

ابن قتیبہ نے خطابت سلیمانی کا ایک نمونہ مع واقعہ درج کیا ہے جو ان کی ذہانت اور موقع شناسی کی بھی دلیل ہے، ایک شخص نے اپنے پڑوسی کی بطخ چرائی، شکایت پر آپ نے خانۂ خدا میں خطبہ دینے کی منادی فرمائی اور لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا[2]:

"واحدکم یسرق اوزۃ جارہ ثم یدخل المسجد والریش علی رأسہ:

تم میں کا ایک شخص اپنے پڑوسی کی بطخ چراتا ہے پھر خانۂ خدا میں اس کے پر اپنے سر پہ لگائے داخل ہو جاتا ہے:"

یہ سن کر چور نے اپنے سر پہ ہاتھ پھیرا تو آپ نے فرمایا: "خذوہ فہو صاحبکم" اسے پکڑ لو، یہی تمہارا چور ہے!

حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام

خطابت نبوت کا یہ باب خطیب جلیل حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے

[1] سورہ النمل (۲۷: ۱۹)   [2] عیون الاخبار (۱: ۶)

مبارک تذکرے کے بغیر نامکمل رہے گا۔ بنی اسرائیل کی منتشر بھیڑوں کو اکٹھا کرنے کے لیے مبعوث ہونے والا طفولیت و کہولت[1] میں حکمت و بلاغت سے لبریز کلام معجز نظام کی بلند ترین مثالیں قائم کرنے والا یہ خطیب حق افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت خاتمہ کی بشارت دینے کے لیے بھی آیا تھا، اس نے بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا[2]:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُم مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ:

جب عیسیٰ ابن مریم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں جو تورات کی شکل میں میرے سامنے ہے، اور ایک رسول کی آمد کی خوشخبری دیتے ہوئے آیا ہوں جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد (مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) ہو گا"

کتاب حق نے، جو مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (اپنے سے پہلے والوں کی تصدیق کرنے والی) ہے، خاتم الانبیائے بنی اسرائیل حضرت عیسیٰ روح اللہ اور ان کی والدہ ماجدہ کی عظمت و منقبت کو کما حقہٗ بیان کر دیا ہے اور والدۂ روح اللہ کی عفت و صداقت پر مہر تصدیق بھی ثبت کر دی ہے، کتاب اللہ نے ماں بیٹے کو اللہ کی نشانی قرار دیا ہے[3]:

"وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً"

کہ ہم نے فرزند مریم اور ان کی والدہ کو ایک نشانی بنایا ہے"

افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ دائمہ نے حضرت

[1] المائدۃ (۵: ۱۱۰)   [2] الصف (۶۱: ۶)

[3] المومنون (۲۳: ۵۰)

مسیح عیسیٰ بن مریم کو رسول اللہ، کلمۃ اللہ اور علامت قیامت قرار دیا اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس برگزیدہ نبی کو معجزات کے علاوہ روح القدس کے توسط سے تائید و تقویت کا سامان بھی کر دیا تھا[1]، مگر ان کی حقیقی عظمت ان الفاظ میں بیان کی[2]:

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ؛
وہ تو ایک بندہ ہی تھا، ہم نے اس پر انعام کیا تھا اور اسے بنی اسرائیل کے لئے ایک مثال بنایا تھا:

"کتاب مقدس (انجیل) میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خطابت و حاضر جوابی کے متعلق کافی شہادتیں ملتی ہیں، آپ ابھی بارہ سال کے تھے کہ حضرت مریم اور یوسف نجار کے ہمراہ بیت المقدس پہنچے تاکہ شریعت موسوی کے مطابق سجدہ عبادت بجا لائیں، نماز سے فراغت کے بعد جب وہ دونوں میاں بیوی باہر آئے تو حضرت مسیح علیہ السلام گم ہو گئے، مگر یہ سمجھے کہ شاید وہ دیگر رشتہ داروں کے ہمراہ وطن لوٹ گئے ہوں گے، مگر گھر جا کر دوبارہ مسیح کی تلاش میں انہیں بیت المقدس آنا پڑا، تیسرے دن حضرت یسوع علیہ السلام مل گئے، وہ ایک ہیکل یا یہودی عبادت گاہ میں علماء کے مجمع میں موجود تھے اور ناموس کے متعلق اہل علم سے مناظرہ کر رہے تھے، ہر شخص ان کے سوالات و جوابات سے دنگ تھا اور کہہ رہا تھا کہ ایک بچہ جس نے لکھنا پڑھنا بھی نہیں سیکھا اتنے علم و معرفت کا مالک کیونکر بن گیا ہے؟! ماں نے گلے سے لگاتے ہوئے کہا: بیٹا! یہ کیا کیا تم نے! میں اور تیرا باپ تجھے غم و اندوہ میں تلاش کرتے رہے ہیں، حضرت مسیح نے ماں کو جواب دیا تھا[3]:

[1] البقرہ (۲: ۸۷)، النساء (۴: ۱۷۱)، الزخرف (۴۳: ۶۱) [2] الزخرف (۴۳: ۵۹)؛
[3] قصص الانبیاء ص ۳۸۶، واضح رہے کہ عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا نہیں ہوئے بلکہ ان کے باپ یوسف نجار تھے حالانکہ قرآن مجید نے ان کی بن باپ ولادت کو ایک نشانی اور معجزہ قرار دیا ہے۔

"اَلَا تعلمین ان خدمۃ اللہ یجب ان تقدم علی الاب والام یعنی امی! آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ کی خدمت کو والدین کی خدمت پر مقدم کرنا ضروری ہے!"

لیکن قرآن مجید میں خطابت و بلاغت عیسوی کا آغاز آغوش مادر اور گہوارے سے ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے[1]:

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۭ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـــًٔـا فَرِيًّا، يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۭ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا، اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ۭ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا، وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا، وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا، وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا، ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ؛

حضرت مریم اپنے بچے کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں تو انہوں نے کہا کہ اے مریم! تو ایک عجیب چیز لائی ہے۔ اے خواہر ہارون! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی، تو حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم گہوارے میں سوئے ہوئے بچے سے کیونکر بات کر سکتے ہیں، تب مسیح بول اٹھے کہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے، اور مجھے نبی بنایا ہے، اور مجھے برکت والا بنایا ہے جہاں بھی میں رہوں، اور جب تک میں زندہ ہوں مجھے اس نے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم دیا ہے، مجھے اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا

[1] سورۂ مریم (۱۹: ۲۷ تا ۳۴)

بنایا ہے، میں سرکش اور بدبخت نہیں ہوں، سلامتی ہو مجھ پر،
جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں
زندہ اٹھایا جاؤں گا، تو یہ ہے مریم کا بیٹا عیسیٰ، یہ تو سچائی کی بات
ہے جس میں وہ جھگڑتے ہیں۔"

حضرت مسیح کو الزامی جواب دینے میں اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا تھا۔
آپ مخالفین کو ایسا الزامی جواب دیتے کہ وہ سکتے میں رہ جاتے، آپ کو اللہ
نے قوم یہود کے فریسیوں، صدوقیوں کی اصلاح کے لئے بھیجا تھا، ایک موقع
پر فریسیوں نے آپ سے کہا کہ آپ کے حواری اور شاگرد سبت یا ہفتہ والے
دن ایسے کام کرتے ہیں جو حلال نہیں، اس پر آپ نے انہیں ایک الزامی جواب
دے کر خاموش کر دیا کہ آخر داؤد[2] اور ان کے ساتھیوں نے بھی تو بھوک
کے وقت بیت اللہ کا نذرانہ کھا لیا تھا حالانکہ وہ بھی ان کے لئے حلال نہیں
تھا ایک موقع پر آپ سے شکایت کی گئی کہ آپ کے حواری ان روایات کی
تقلید نہیں کرتے جو ہمارے ہاں اہل دین کا شیوہ ہے آپ نے فرمایا کہ اگر
تمہیں روایات کی تقلید اتنی ہی عزیز ہے تو پھر تم نے اللہ کی روایات کی
تقلید کو کیوں پس پشت ڈال دیا ہے[1]؟

حضرت روح اللہ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے گہوارے اور آغوش مادری
میں جو نطق و گویائی اور خطیبانہ فصاحت و بلاغت کی صلاحیت عطا فرمائی تھی
منصب نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اسے چار چاند لگ گئے، آپ کے
خطبات میں دلنشین تمثیلات، خوبصورت تشبیہات اور کلمات حکمت کی فراوانی
ہوتی تھی، یہی آپ کا تمام انبیائے کرام میں سے ایک امتیازی مقام ہے[2]،
کتاب مقدس کے علاوہ عربی زبان و ادب کی مختلف کتابوں میں آپ کے ارشادات
واقوال زریں کے جو نمونے ملتے ہیں وہ اس بات کی تائید و تصدیق کیلئے کافی ہیں۔

---

[1] قصص الانبیاء ص ۲۹۲ [2] تاریخ الأدب العربی ص ۱۸

آپ عام فہم انداز میں گفتگو کرتے، نہایت واضح اور سلجھا ہوا اسلوب اختیار
کرتے، ہمیشہ مخاطب کی علمی سطح اور ذہنی صلاحیت کو پیش نظر رکھتے اور مناظرہ
ومجادلہ کی صورت میں مخالفین کو ایسا دندان شکن جواب دیتے کہ سب دنگ
رہ جاتے تھے۔

جاحظ اور ابن قتیبہ نے جہاں انبیاء کرام علیہم السلام کی خطابات کا
تذکرہ کیا ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کے ایک اعلیٰ ترین نمونہ
خطابت و بلاغت کے طور پر پیش کیا ہے اور آپ کے متعدد اقوال اور خطبات کے
اقتباسات بھی دئے ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

یا بنی إسرائیل: لا تلقوا اللؤلؤ إلی الخنازیر فإنها لا تصنع
بها شیئا، ولا تعطوا الحکمة لمن لا یریدها فإن الحکمة
أفضل اللؤلؤ، ومن لا یریدها شر من الخنازیر۔
اے بنی اسرائیل! خنزیروں کے سامنے موتی مت ڈالو، کیونکہ
وہ ان کے کسی کام کے نہیں ہیں، حکمت کسی ایسے شخص کو
نہ دو جو اسے چاہتا نہ ہو، کیونکہ حکمت تو موتیوں سے افضل ہے
اس لئے جو حکمت کو نہیں پسند کرتا وہ تو خنزیروں سے بھی بدتر ہے۔

(عیون الاخبار ۲: ۱۲۴)

وقال المسیح علیه السلام: إن أبغض العلماء إلی الله
رجل یحب الذکر بالمغیب ولیوسع له فی المجالس، و
یدعی إلی الطعام وتفرغ له المزاود، حق أقول لکم
إن اولئك قد أخذوا أجورهم فی الدنیا وإن الله
یضاعف لهم العذاب یوم القیامة۔
اللہ کے نزدیک علماء میں سے سب سے زیادہ قابل نفرت وہ
آدمی ہے جو غائبانہ تذکرہ پسند کرتا ہے، مجلسوں میں اس کیلئے

جگہ رکھنا پڑتی ہے، اسے کھانے کی دعوت دی جاتی ہے تو اس کے لئے
توشہ دان خالی کرنا پڑتے ہیں، بخدا میں تم سے سچ کہتا ہوں، یہ لوگ تو دنیا
ہی میں اپنا اجر وصول کر چکے ہیں اور قیامت میں اللہ انہیں دوگنا عذاب
دے گا۔ (عیون الاخبار ۲: ۱۲۷)

افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ

"عن عیسی ابن مریم علیہما السلام انہ قام خطیبا فی بنی اسرائیل
فقال: یا بنی اسرائیل! لا تتکلموا بالحکمۃ عند الجہال
فتظلموہا ولا تمنعوہا أہلہا فتظلموہم، ولا تظلموا
ولا تکافئوا ظالما فیبطل فضلکم: یا بنی اسرائیل!
الامور ثلاثۃ: امر تبین رشدہ فاتبعوہ وامر تبین
غیہ فاجتنبوہ وامر اختلف فیہ فالی اللہ فردوہ!

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ایک موقع پر بنو اسرائیل کے سامنے
تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے بنی اسرائیل! جاہلوں
کے سامنے حکمت کی بات نہ کرو، اس طرح تم اس پر ظلم کرو گے
حکمت کے مستحقین کو اس سے محروم نہ کرو کہ اس طرح بھی حکمت
پر ظلم ہے! ظلم مت کرو، ظالم کو اس کے ظلم پہ اجر نہ دو کہ تمہاری
فضیلت نہ باطل ہو جائے، اے بنی اسرائیل، باتیں تین ہیں ایک بات تو
واضح طور پہ ہدایت ثابت ہو چکی تم اس کی پیروی کرو، اور ایک
بات کی گمراہی واضح ہے تم اس سے اجتناب کرو، ایک بات مختلف
فیہ ہے اس کا معاملہ اللہ پہ چھوڑ دو! (البیان والتبیین ۲: ۳۵)

وقال عیسیٰ بن مریم علیہ السلام: فی المال ثلاث خصال الخ
بعضہا قالوا: وما ہی یا روح اللہ! قال: یکسبہ من غیر حلہ
قالوا: فان کسبہ من حلہ؟ قال: یمنعہ من حقہ! قالوا

فان وضعہ فی حقہ؟ قال: یشغلہ اصلاحہ عن عبادۃ ربہ
مال و دولت میں تین باتوں میں سے کوئی نہ کوئی ضرور پائی جائے
گی، لوگوں نے کہا: وہ کیا باتیں ہیں اے روح اللہ! فرمایا: ہو سکتا
ہے انسان ناجائز کمائے! لوگوں نے کہا: اگر جائز کمائے تو؟
فرمایا: ہو سکتا ہے صحیح جگہ خرچ نہ کرے! لوگوں نے کہا: اگر وہ صحیح
جگہ پر بھی خرچ کرے تو؟ فرمایا: روپے پیسے کی دیکھ بھال اسے اپنے
رب کی عبادت سے غافل کر دے گی! (البیان والتبیین ۲: ۱۹۱)

وقال: من ہوان الدنیا علی اللہ أنہ لا یعصی الا فیہا ولا
ینال ما عندہ الا بترکہا!

اللہ کے نزدیک دنیا کی حقارت یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی اسی دنیا میں
کی جاتی ہے اور اللہ کی رضا صرف اسے چھوڑ کر حاصل ہو سکتی ہے
(البیان والتبیین ۲: ۱۹۹)

وقال: البر ثلاثۃ: المنطق والنظر والصمت فمن کان
منطقہ فی غیر ذکر فقد لغا ومن کان نظرہ فی غیر اعتبار
فقد سہا ومن کان صمتہ فی غیر فکر فقد لہا!

نیکی کے بس حصے تین ہیں: زبان، نظر اور سکوت، اس لئے جس کی
زبان ذکر الٰہی کے بغیر استعمال ہوئی اس نے لغو کام کیا اور جس
کی نظر عبرت کے کام نہ آئی تو وہ غلطی کر بیٹھا اور جس کا سکوت
فکر سے خالی رہا وہ بھی غفلت میں پڑ گیا۔ (البیان والتبیین ۱: ۲۹)

وقیل لہ: من نجالس؟ قال من یزید فی علمکم منطقہ
ویذکرکم اللہ رؤیتہ ویرغبکم فی الآخرۃ عملہ!

ان سے پوچھا گیا کہ ہم کس کی مجلس میں بیٹھا کریں؟ فرمایا: جس کی گفتگو
تمہارے علم میں اضافہ کرے، جس کی ملاقات اللہ کی یاد دلائے

اور جس کا عمل تمہارے لئے آخرت میں دلچسپی کا باعث ہو۔

(البیان والتبیین ۱ : ۳۹۱)

لقی رجلاً فقال: ما تصنع ؟ قال: أتعبد، فقال: ومن یعود علیك!
قال: أخی! قال: أخوك أعبد منك!

آپ ایک شخص سے ملے تو پوچھا: کیا کیا کرتے ہو؟ کہا: عبادت میں مشغول رہتا ہوں، فرمایا: تو تمہارے نان نفقہ کا ذمہ دار کون ہے؟ اس نے کہا میرا بھائی! آپ نے فرمایا: تو پھر تیرا بھائی تجھ سے بڑا عبادت گزار ہے۔ (عیون الاخبار ۱ : ۲۲۷)

ان العین هی سراج الجسد، فاذا کانت عینك صحیحة فان جسدك کله مضیئ؛

آنکھ جسم کا چراغ ہے، سو اگر تیری آنکھ درست ہے تو گویا تیرا سارا جسم روشن ہے؛ (عیون الاخبار ۲ : ۲۷۱)

حب الدنیا اصل کل خطیئة والمال فیه داء کثیر؛

دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے اور دولت میں بہت بیماریاں ہیں

(عیون الاخبار ۲ : ۳۲۱)

کل امرئ یعطی مما عنده؛

ہر شخص وہی کچھ دے سکتا ہے جو کچھ اس کے پاس ہوتا ہے۔

(البیان والتبیین ۲ : ۱۷۷)

الدنیا قنطرة فاعبروها ولا تعمروها

دنیا ایک پل ہے اسے عبور کرو، اسے آباد نہ کرو۔

(عیون الاخبار ۲ : ۳۲۸)



عرب اور خطابت

عرب اور خطابت

ہر قوم کا کوئی نہ کوئی خاصہ یا امتیازی وفطری صفت ہوتی ہے جو اس کے ذکر کے ساتھ ذہن میں فوراً اُبھر آتی ہے، بات کیسی ہی ہو عربوں کا ذکر آتے ہی سب سے پہلی بات جو ذہن میں آتی ہے وہ ہے فصاحت لسانی اور بیان و بلاغت پر کمال قدرت! قدیم عرب اپنے سوا دیگر اقوام کے لئے جو لفظ استعمال کرتے تھے، وہ بھی عجم تھا یعنی گونگا یا عربی زبان میں قدرت کلام سے عاجز! اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عربوں کی فصاحت و بلاغت کا کیا مرتبہ و مقام تھا اور اپنی قدرت کلام پر انہیں کتنا فخر و ناز تھا!

صحرا نشین اور خانہ بدوش اقوام قرأت و کتابت سے عموماً نابلد ہوتی ہیں۔ نہ ان کے ہاں کوئی قانون ہوتا ہے، نہ منظم حکومت اور نہ سلطان و حکمران، ایسی اقوام لوح و قلم اور قرطاس و مطبع کے بجائے اپنی قوت حافظہ اور زور لسان پر ہی تکیہ کرتی ہیں اس لئے جہاں ان کی قوتِ حافظہ کمال کی ہوتی ہے وہاں زور بیان اور تیزی زبان بھی بے انتہا ہوتی ہے اس کی بہترین مثال جزیرۂ عرب کے قدیم عرب تھے جو ظہور اسلام سے قبل اپنے عہد حیات میں منتشر و خانہ بدوش صحرا نشینوں کی سی زندگی گزارتے تھے۔

زمانہ جاہلیت کے خانہ بدوش عرب جزیرۂ عرب کے دور دراز تک پھیلے ہوئے صحرائی علاقوں میں رحلت و قیام یا کوچ اور خیمہ زنی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھتے تھے، دیگر خانہ بدوش قبائل و اقوام کی طرح بلکہ ان سے کچھ زیادہ ہی عرب بدو بھی عزت نفس اور خودداری کے ساتھ ساتھ قبائلی غیرت و تعصب کے بھی خوگر تھے وہ کسی

کو خاطر میں نہ لاتے تھے بلکہ صرف اپنے سردار قبیلہ کے سامنے ہی سر تسلیم خم کر سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ انتخاب کے وقت اور لبعد میں بھی اپنے سردار میں صلاحیت و کمال کے کچھ اوصاف لازمی تصور کرتے تھے، وجاہت نسب، کریمانہ اخلاق اور افراد قبیلہ میں تعاون و مفاہمت کی فضا برقرار رکھنے کے علاوہ نازک مواقع پر قیادت و رہنمائی کے ضمن میں اپنے قبیلے کی ترجمانی کرنا اور مؤثر طریقے سے اپنے زیر قیادت رکھنے کے قابل ہونا بھی لازمی تھا، بات صرف وہی کرتا تھا باقی افراد قبیلہ کا کام سماعت واطاعت تھی، چنانچہ خطابت سرداری کے لئے لازمی وصف قرار پایا اور یوں فن خطابت عرب کے قبائلی سرداروں کا طرۂ امتیاز اور لازمی خاصہ بن گیا، اس کے نتیجے میں عرب میں خطابت کو بلند مقام حاصل ہو گیا اور شاعر کی طرح خطیب بھی ہر قبیلے کے لئے نہ صرف لازمی ہو گیا بلکہ سرمایہ فخر و مباہات قرار پایا، گویا خطابت کا فن نہ صرف یہ کہ جزیرۂ عرب کے طبعی حالات کا قدرتی نتیجہ تھا بلکہ یہ عربوں کی ایک کمزوری اور مجبوری بن گیا تھا، فصاحت و بلاغت عرب کا زیور قرار پایا اور اس خوبی کا عربوں کو شدید ترین احساس تھا جاحظ کا قول ہے کہ ۱؎

لأن العرب أشد فخراً ببيانها وطول ألسنتها وتصريف كلامها وشدة اقتدارها وعلى حسب ذلك كانت زرايتها على كل من قصر عن ذلك التمام ونقص عن ذلك الكمال۔

کیونکہ عرب اپنے بیان و بلاغت پر سب سے زیادہ فخر کرتے تھے، زبان درازی اور کلام پر پوری قدرت رکھنے پر وہ بے حد فخر محسوس کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جو شخص بھی اس خوبی سے قاصر ہوتا یا اس کمال میں ناقص ہوتا اسے وہ حقیر و ذلیل تصور کرتے تھے، عرب شعراء کے کلام میں خطیبانہ فصاحت و بلاغت اور قدرت کلام کو قابل

۱؎ البیان ۲/۲۷

ستائش قرار دیا گیا، چنانچہ حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ اپنے باپ اور ماموں کی خطیبانہ فصاحت و بلاغت پر فخر کرتے ہوئے کہتے ہیں[1]۔

إن خالی خطیب جابیة الجو　　لان عند النعمان حین یقوم
وأبی فی سمیحة القائل الفا　　صل یوم التفت علیه الخصوم

میرا ماموں وہ ہے جو بادشاہ نعمان کی موجودگی میں جابیہ جولان میں خطبہ دیا کرتا تھا، میرا باپ وہ ہے جس نے جنگ سمیحہ کے موقع پر فصیحانہ انداز میں اس وقت فیصلہ کن بات کہدی تھی جب وہ دشمنوں میں گھر گئے تھے!

معن بن اوس المزنی کہتا ہے[2]۔

إذا اجتمع القبائل جئت ردفا　　وراء الماسحین رث السبال
فلا تعطی عصا الخطباء یوما　　وقد تکفی المقادة والمقالا

جب قبائل اکٹھے ہوتے ہیں تو اس وقت تو مونچھوں کو تاؤ دینے والوں کے پیچھے پیچھے ہوتا ہے، نہ تو تجھے کبھی خطیبوں والا عصا دیا جاتا ہے اور نہ تجھے قیادت اور بات بیان کرنے کا موقع دیا گیا ہے!

زور لسان اور حسن بیان سے محرومی عربوں کے نزدیک بہت بڑا عیب تھا، ایک عرب شاعر کہتا ہے[3]:

کفی بالمرء عیبا أن تری له　　وجه ولیس له لسان
وما حسن الرجال لهم بزین　　إذا لم یسعد الحسن البیان

آدمی میں یہی عیب کیا کم ہے کہ اگر تمہاری اس پر نظر پڑے تو اس کا چہرہ تو نظر آئے مگر اس کی زبان مفقود ہو! مرد کا حسن اس وقت تک باعث زیب و زینت نہیں ہو سکتا جب تک اس حسن کی تائید حسن بیان سے نہ ہوتی ہو۔

---

۱ البیان ۴/۵۸　۲ البیان ۳/۱۰　۳ عیون الاخبار ۲/۱۶۹

عرب واعظ بے عمل کو بھی پسند نہیں کرتے تھے، دل و دماغ اور قلب و جگر اگر قوت بیان اور فصاحت لسان کا ساتھ نہ دیں تو یہ بات ان کے نزدیک سخت معیوب تھی، اموی شاعر اخطل کہتا ہے[1]:

إن الکلام من الفؤاد وإنما　　جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا
لا یعجبنك من خطیب قوله　　حتی یکون مع البیان أصیلا

کلام و گفتار کا تعلق قلب و جگر سے ہے، قوت لسانی تو بس دل کی ترجمان ہوتی ہے، کسی خطیب کی بلاغت لسانی تجھے اس وقت تک متاثر نہ کرنے پائے جب تک وہ اپنے بیان میں سچا نہ ہو!

مشہور شاعر ابو العباس سائب بن فروخ الاعمی کہتا ہے[2]:

إذا وصف الإسلام أحسن وصفه　　بفیه ویأبی قلبه ویهاجره
فإن قام قال الحق ما دام قائما　　تقی اللسان کافر بعد سائره

اگر کوئی خطیب اسلام کی خوبیاں محض زبانی بیان کرتا ہو اور اس کا دل اس کا ساتھ نہ دے رہا ہو تو وہ خواہ کھڑے کھڑے زبان سے حق اور تقوی کی باتیں ہی کرے تو وہ سراسر کفر ہی کفر ہے!

ظہور اسلام سے پہلے کی عربی خطابت کے نمونے بہت کم ملتے ہیں اور فن خطابت کے متعلق بھی بہت ہی قلیل معلومات ہم تک پہنچی ہیں تاہم جو مواد دستیاب ہے اس سے یہ اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے کہ اس عہد کے فصحاء کی خطابت میں موضوعات و اسالیب میں تنوع نہیں تھا، جاہلی دور کے عرب خطباء کے اسلوب بیان میں سجع و قافیہ کا عنصر تو شامل تھا مگر اس میں تکلف و تصنع کے بجائے بداہت و ارتجال اور سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ بے ساختگی و سادگی کا رنگ بھی غالب تھا، محققین کے نزدیک عربی خطابت کے لئے جن اسباب نے موزوں اور مناسب فضا اور طبعی حالات مہیا کئے وہ پانچ تھے؛

---

۱ البیان ۱/۲۱۸　۲ ایضاً:

۱:۔ عرب ایک ان پڑھ قوم تھے اس لئے قلم وقرطاس کے بجائے انہوں نے فصاحت لسانی کو وسیلہ اظہار بنایا۔

۲:۔ فصاحت و بلاغت ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور اس کا اظہار وہ کبھی شاعرانہ انداز میں کرتے تھے اور کبھی خطیبانہ اسلوب میں۔

۳:۔ عرب قبائل کو آزاد اور الگ تھلگ فضا اور پرسکون ماحول میسر تھا ایک چھوٹے سے قبیلے کی الگ تھلگ زندگی کی وحشت تنہائی اور لمحات فرصت کا مصرف کبھی قصہ گوئی، کبھی شاعری کے کمالات اور کبھی خطابت کا دلفریب انداز بیان ہی ہو سکتا تھا

۴:۔ دیگر قبائل سے روابط اور رسل و رسائل یا پیغام رسانی کے وسائل مفقود تھے، بات کو مؤثر طور پر پہنچانے اور قابل اعتماد ذریعہ کے طور پر فصیح اللسان، بارعب اور مدلل انداز میں بات کرنے والے خطیب ہی یہ کام انجام دے سکتے تھے۔

۵:۔ جنگ وجدل کے بعد بات چیت کا وقت آتا تو فصیح و بلیغ اور حاضر جواب نمائندے ہر قبیلے کی ضرورت ہوتی تھی اس لئے ہر قبیلہ نہ صرف یہ کہ اپنے خطیب پر فخر کرتا تھا بلکہ خطیب کی عزت کی جاتی تھی اور عملی تربیت کے ذریعہ خطباء تیار کئے جاتے تھے تاکہ وہ وقت آنے پر اپنے قبیلے کا دفاع کر سکیں۔

زمانہ جاہلیت میں عربی خطابت چند گھسے پٹے موضوعات تک ہی محدود تھی، جن میں اہم اور نمایاں ترین موضوعات یہ تھے۔

ا: منافرت ومفاخرت

عرب خطباء کا ایک اہم ترین موضوع یہ تھا کہ وہ مختلف مواقع پر دشمن قبیلے کی برائیاں بیان کرنے (منافرت) اور اپنے قبیلے کے محاسن وخوبیاں بیان کرنے (مفاخرت) پر مجبور ہوتے تھے، جاہلی عرب سر سے پاؤں تک قبائلی

تعصب میں ڈوبے ہوئے تھے، اپنے حسب ونسب اور خاندانی فضائل ووجاہت پر فخر کرنا ان کی فطرت تھی، چنانچہ جب کبھی دو قبائل اپنے فضائل اور مقابل قبیلے کے رذائل بیان کرنا چاہتے تو ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا خطیب میدان میں لے آتا جو اپنی تقریر میں اپنے قبیلے کے محاسن اور دوسرے قبیلے کے معائب بیان کرتا، اس قسم کے تقابلی کو منافرت ومفاخرت یا تنافر وتفاخر سے تعبیر کیا جاتا تھا، کسی تیسرے قبیلے کے سرکردہ، قابل احترام اور قابل قبول شخص کو حکم یا ثالث تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ اس قسم کے خطبات منافرت ومفاخرت میں سے مشہور ترین خطبے علقمہ بن علاثہ عامری اور عامر بن طفیل عامری کے ہیں۔ ان دونوں کو قبیلہ بنی عامر کی سربراہی کا دعویٰ تھا دور جہالت کے اس مشہور ترین مقدمہ منافرت ومفاخرت میں حکم یا ثالث کا فریضہ ہرم بن قطبہ الفزاری نے انجام دیا تھا، اس مرد دانا نے جو فیصلہ دیا تھا اسے ہر عہد کے عرب اہل علم نے دانش وحکمت کی اعلیٰ مثال قرار دیا ہے[۱]۔

علقمہ بن علاثہ نے اپنی برتری ثابت کرتے ہوئے اپنی تقریر میں کہا تھا:[۲]

"انا خیر منک أثرا واحدّ منک بصرا واعز منک نفرا وأشرف منک ذکرا:

میں اثر ورسوخ اور فضیلت میں تجھ سے بہتر ہوں، میری نگاہ تجھ سے زیادہ تیز ہے، میرے افراد خاندان تجھ سے زیادہ معزز ہیں اور میرا ذکر تجھ سے زیادہ شریف ہے!

عامر نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا تھا:۔

انّی أسمی منک سمۃ واطول منک قمۃ وأحسن منک لمۃ وأجعد منک جمۃ وأسرع منک رحمۃ وأبعد منک ھمۃ

میں مرتبے میں تجھ سے بلند، قد میں تجھ سے لمبا، بال تجھ سے زیادہ خوبصورت ہیں، میرے بال گھنگھریالے ہیں، تجھ سے زیادہ رحم کھانے والا تجھ سے زیادہ باہمت ہوں۔

---

[۱] البیان ۲/ ۲۷۲ [۲] الخطب والمواعظ ص ۵۸

خطبات مفاخرت کی ایک مثال وہ دو خطبے ہیں جو عام الوفود کے دوران بنو تمیم کی وفد کی آمد پر بنو تمیم کے خطیب اور حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ نے ارشاد فرمائے تھے۔ بنو تمیم کے خطیب نے کہا۔

"الحمد للہ الذی لہ علینا الفضل وھو اھلہ، الذی جعلنا ملوکا ووھب لنا أموالا عظاما نفعل فیھا المعروف وجعلنا أعز أھل المشرق وأکثرہ عددا وأیسرہ عدۃ فمن مثلنا فی الناس؟ ألسنا برؤس الناس وأولی فضلھم؟ فمن یفاخرنا فلیعدد مثل ما عددنا وإنا لو نشاء لأکثرنا الکلام ولکنا نحیا من الإکثار فیما أعطانا وإنا نعرف بذلک، أقول ھذا الآن لتأتونا بمثل قولنا وأمر أفضل من أمرنا!"

تمام تعریف اس اللہ کیلئے ہے جس نے ہم پر فضل کیا جو اس فضل و انعام کا اہل ہے جس نے ہمیں بادشاہ بنایا اور ہمیں بڑی دولت عطا فرمائی جس سے ہم کار خیر انجام دیتے ہیں، اور اہل مشرق میں ہمیں معزز ترین، تعداد میں سب سے زیادہ اور ساز و سامان میں سب سے زیادہ خوشحال بنایا، بھلا ہم جیسا بھی کوئی ہوگا؟ کیا ہم لوگوں کے سردار اور فضیلت و بزرگی کے مالک نہیں! اس لیے اگر کوئی ہم سے فخر و مباہات میں مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو ہم جیسے فضائل گنوائے۔ اگر ہم چاہیں تو بات کو طول دے سکتے ہیں مگر ہم بخششوں کو بکثرت گنوانے سے جھجکتے ہیں اور ہماری یہ خوبی سب کو معلوم ہے، اب میں اپنی بات ختم کرتا ہوں تاکہ آپ بھی ایسی کوئی بات پیش کر سکیں اور ہمارے فضائل سے بڑھ کر کوئی فضیلت سامنے لا سکیں۔

دربار نبوتؐ کے خطیب نے جواب میں فرمایا تھا:

"الحمد للہ الذی السموات والأرض خلقہ، قضی فیھن أمرہ، ووسع کرسیہ علمہ، ولم یک شیء قط إلا من فضلہ

ثم کان من قدرتہ أن جعلنا ملوکا واصطفی من خیر خلقہ رسولا، أکرمھم نسبا وأصدقھم حدیثا وأفضلھم حسبا فأنزل علیہ کتابہ وائتمنہ علی خلقہ فکان خیرۃ اللہ من العالمین، ثم دعا الناس إلی الإیمان فآمن برسول اللہ المھاجرون من قومہ وذوی رحمہ أکرم الناس أنسابا وأحسن الناس وجوھا وخیر الناس فعالا ثم کان أول الخلق استجابۃ للہ حین دعاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن، فنحن أنصار اللہ ووزراء رسولہ نقاتل الناس حتی یؤمنوا باللہ، فمن آمن باللہ ورسولہ منع مالہ ودمہ ومن کفر جاھدناہ فی اللہ أبدا وکان قتالہ علینا یسیرا أقول قولی ھذا وأستغفر اللہ للمؤمنین والمؤمنات!"

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے جس کا کائنات میں حکم چلتا ہے جس کا علم اس کی کائنات اقتدار کو پوری طرح محیط ہے، کوئی اس کی مہربانی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی، پھر اس کی قدرت سے یوں ہوا کہ اس نے ہمیں حکمران بنا دیا اور اپنی مخلوق میں سے افضل ترین کو رسول منتخب فرمایا، جو سب سے زیادہ شریف النسب سب سے زیادہ راست گفتار اور خاندانی وقار میں افضل ترین ہیں، اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اسے اپنی مخلوق کا امین بنایا، چنانچہ اللہ کا یہ رسول تمام جہانوں سے بہتر و افضل قرار پایا، پھر اس نے انسانیت کو ایمان و اسلام کی دعوت دی تو اس کی قوم میں سے مہاجرین اور آپ کے رشتہ دار آپ پر ایمان لائے جو نسب میں سب سے بزرگ تر، وجاہت میں سب سے بہتر اور کارناموں میں سب سے افضل تھے، پھر جب انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تو ہم نے آپ کی آواز پر لبیک کہا، چنانچہ ہم اللہ کے انصار اور اس کے رسول کے وزراء ہیں ہم لوگوں سے جنگ کریں گے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں تو جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا تو اس نے اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیا اور جس نے انکار کیا ہم اس سے ہمیشہ جہاد کرتے رہیں گے اور ان سے لڑنا ہمارے لئے آسان کام ہوگا، میں یہ کہتے ہوئے تمام اہل ایمان کے لئے اللہ سے مغفرت کا طلبگار ہوں۔

۲: خطبات مصالحت :-

جنگ وجدل اور دشمنی وعداوت بھی عربوں میں عام تھی، قبائل کی باہمی عداوت نسلاً بعد نسل صدیوں تک چلتی تھی، لیکن بغض وعداوت اور جنگ وجدل کی آگ کو ایک طاقت سرد کر دیا کرتی تھی اور وہ تھی فصیح وبلیغ خطابت، اجب کوئی دانا وبینا حکمت وتدبر سے کام لیتے ہوئے سحر حلال سے دلوں کو ٹھنڈا کرنے اور فصاحت وبلاغت کے تلاطم سے آتش انتقام کو بجھانے کے قابل ہو جاتا تو صدیوں کی عداوت اور سالوں کی جنگ ختم ہو سکتی تھی، زمانہ جاہلیت میں عربوں کی مشہور جنگوں میں سے ایک جنگ داحس وغبراء تھی جو چالیس سال تک مسلسل جاری رہی تھی، اس جنگ کا خاتمہ قیس بن خارجہ بن سنان المری کے تاریخ ساز خطبے کا مرہون منت ہے جسے عرب "العذراء" یعنی انوکھا، نوپید اور بے نظیر خطبہ کہا کرتے تھے، جاحظ نے لکھا ہے کہ اس کی یہ تقریر اتنی طویل تھی کہ صبح سے شام ہو گئی مگر خطیب عرب کا بیان جاری رہا، اس خطبے میں نہ تو اس نے کوئی بات دہرائی نہ کسی لفظ کا اعادہ کیا۔ (قالوا: فخطب یوما إلى الليل فما أعاد فيها كلمة ولا معنى) معلوم ہوتا ہے کہ قیس نے یہ خطبہ موقع کی مناسبت سے بڑی محنت سے تیار کیا تھا، جاحظ لکھتا ہے کہ اس نے فریقین کے نمائندوں سے کہا تھا کہ :-

"عندي قرى كل نازل ورضا كل ساخط وخطبة من لدن تطلع الشمس إلى ان تغرب، آمر فيها بالتواصل وأنهى فيها عن التقاطع!

میرے پاس ہر آنے والے کے لئے مہمان نوازی کا سامان، ہر ناراض کی رضامندی اور ایک ایسا خطبہ ہے جو سورج کے طلوع ہونے سے غروب ہونے تک جاری رہے گا۔ اس میں دلوں کو جوڑنے کا حکم دوں گا اور قطع رحمی سے منع کروں گا۔

۳: خطبات جنگ وجدال

دور جاہلیت کے عرب خطباء بعض اوقات آتش انتقام کو بھڑکانے اور جنگ کے شعلوں میں بے خطر کود پڑنے کے لئے جوشیلی تقاریر کیا کرتے تھے، خطیب جاہلیت ہانی بن قبیصہ شیبانی کا وہ خطبہ جو اس نے یوم ذی قار کے موقع پر عربوں کو اہل فارس کے خلاف بھڑکانے کے لئے تیار کیا تھا اس سلسلے کی ایک واضح مثال ہے۔

۴: درباری اور استقبالیہ خطبات

دور جاہلیت کے بعض خطبات شاہی درباروں یا وفود کی آمد پر دیے گئے جن کا غالب رنگ تفاخر اور تہنیت ہے، حیرہ کے بادشاہ نعمان بن منذر نے عرب خطباء کی جو جماعت دربار کسریٰ میں بھیجی تھی اس کے خطبات اسی زمرے میں آتے ہیں (العقد الفريد ۲/ ۳۰۷)

۵۔ خطبات وعظ ونصیحت

اسلام سے پہلے جزیرہ عرب میں اخلاقی انحطاط کے علاوہ شرک وبت پرستی کا دور دورہ تھا جس کے ردعمل کے طور پر اہل عقل ودانش کا ایک گروہ "حنفاء" کے نام سے پیدا ہو گیا تھا جو اصلاح معاشرہ اور توحید کی دعوت دیتے تھے، خطیب العرب قس بن ساعدہ الایادی اس گروہ کا سرخیل تھا۔

۶۔ خطبات نکاح

دستور تھا کہ جب کوئی مرد کسی عورت کو شادی کا پیغام دیتا تو اس کے قبیلے کا ایک سرکردہ خطیب لڑکی والوں کے ہاں خطبہ دیتا جس میں شادی کے خواہشمند نوجوان کے محاسن اور خاندانی وجاہت کا ذکر ہوتا، پھر عورت کے قبیلے کا خطیب اس کا جواب دیتا، دولہا کا خطیب طویل تقریر کرتا مگر دلہن کا خطیب مختصر جواب دیتا تھا۔

(البيان ۱/ ۱۱۹، ۳۴۸)

خصائص

دور جاہلیت کے خطبات کا لفظی اسلوب تصنع سجع و قافیہ سے خالی نہیں ہوتا تھا خطباء محنت سے خطبات تیار کرتے جو جچے تلے انداز میں پیش کیے جاتے تھے اور راوی انہیں یاد کر کے دہراتے تھے، اجزائے خطبہ کی ترتیب و ترکیب کا کوئی لحاظ نہ تھا معنوی و فکری انداز سے ان کا غالب رنگ سادگی اور سطحیت ہوتی تھی مگر بات بالکل واضح کر دی جاتی تھی، اسی طرح مختصر جملوں کے ساتھ ساتھ خطبات بھی اختصار کا رنگ لئے ہوئے ہوتے تھے عرب خطباء شعراء کے کلام اور ضرب الامثال سے استشہاد میں بھی کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔

اوصاف خطباء

زمانہ جاہلیت میں عرب خطباء کے بعض اوصاف ایسے تھے جن کے متعلق کتب ادب و تاریخ میں بکثرت اشارات ملتے ہیں، ان اوصاف میں سے بعض کا تعلق خطیب کی خلقت و جبلت سے ہے بعض لباس اور دیگر لوازمات سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح کچھ باتیں معیوب بھی تصور ہوتی ہیں۔

خطیب کے پیدائشی اوصاف میں سے حوصلہ مندی اور حواس پر قابو رکھنے کو بہت اہمیت حاصل ہے، موقع کی مناسبت سے حاضر جوابی سے کام لینا اور جرأت و حوصلے کے ساتھ حالات کا سامنا کرنا خطابت کے بنیادی لوازمات میں سے تھا، قوی دلائل اور مدمقابل پر چھا جانے کی صلاحیت کو بھی جاہلی عرب قابل ستائش تصور کرتے تھے، گلا پھاڑ کر بات کرنا اور باچھیں کھولنا بھی پسندیدہ سمجھا جاتا تھا مگر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وصف کو ناپسند فرمایا، آپ کا فرمان تھا کہ "إِيَّايَ وَالتَّشَادُقَ" کہ میں باچھیں کھول کر اور گلا پھاڑ کر بات کرنے سے اجتناب کرتا ہوں! بھاری اور رعب دار آواز خطیب کا بنیادی وصف تھا، چنانچہ قدامہ بن جعفر کہتا ہے۔

جَهَارَةُ الصَّوْتِ مِنْ أَجَلِّ أَوْصَافِ الْخَطِيبِ وَحُسْنِ الْخَطَابَةِ

وَجَلَالَةِ مَوْقِعِهَا،

یعنی جہیر الصوت ہونا خطیب کے عظیم ترین اوصاف، حسن خطابت اور اس کی عظمت تاثیر کی ضمانت ہے۔

دور جاہلیت کے خطباء کے لباس کا لازمی حصہ عمامہ تھا کیونکہ بقول جاحظ عرب عماموں کو اپنے تاج (العمائم تیجان العرب!) تصور کرتے تھے، اونچی جگہ یا اونٹنی پر سوار ہو کر خطبہ دینا، مخصرہ یا عصا ہاتھ میں رکھنا، یا اپنی کمان کے سہارے خطبہ دینا بھی عرب خطباء کی مقبول عادات تھیں۔

دور جاہلیت کے عرب اپنے خطباء میں جو باتیں دیکھنا معیوب قرار دیتے تھے ان میں عِیّ (بات کرنے سے عاجز رہنا) حَصَر (بات کرتے کرتے رک جانا) زبان میں لکنت یا دیگر نقائص کا موجود ہونا اور تلفظ و اعراب میں غلطی کرنا سرفہرست ہے۔ تقریر کے دوران کسی اچانک حادثے یا خوف سے خطیب کا ڈر جانا اور دہشت سے بات نہ کر سکنا یا الٹی سیدھی باتیں بنانے لگنا بہت معیوب تصور کیا جاتا تھا۔ ایسے خطباء کسی ایک آدھ حادثہ کے باعث ہی زمانے بھر میں تمسخر و تضحیک کا نشانہ بن جاتے تھے اور اپنے قبائل کے لئے ننگ و عار کا باعث بنتے تھے

دور جاہلیت میں خطیب کا مقام

زمانہ جاہلیت میں عرب شاعر کو خطیب پر فوقیت دیتے تھے، بقول ابن رشیق جن باتوں پر قبیلے کے افراد ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے، ان میں شاعر کی پیدائش بھی تھی مگر خطیب کی قدر و منزلت بھی بہت بلند تھی، جاحظ لکھتا ہے:

وَكَانَ الشَّاعِرُ أَرْفَعُ قَدْرًا مِنَ الْخَطِيبِ وَهُمْ إِلَيْهِ أَحْوَجُ لِرَدِّ مَآثِرِهِمْ عَلَيْهِمْ وَتَذْكِيرِهِمْ بِأَيَّامِهِمْ، فَلَمَّا كَثُرَ الشُّعَرَاءُ وَكَثُرَ الشِّعْرُ صَارَ الْخَطِيبُ أَعْظَمُ قَدْرًا مِنَ الشَّاعِرِ:

شاعر کا مرتبہ خطیب سے بلند تھا کیونکہ ہر قبیلہ اپنے فضائل کو باقی رکھنے

اور کارناموں کو یاد کرنے میں شاعر کے بہت محتاج ہوتے تھے، مگر جب شعر و شعراء کی کثرت ہوگئی تو خطیب کا مرتبہ شاعر سے بلند ہوگیا![1]

بہر حال یہ جاحظ کی رائے ہے لیکن قرینِ قیاس یہ نہیں کیونکہ خطابت کا منصب قیادت کا متقاضی ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ قیادت خطابت کی محتاج ہے بلکہ خطابت قیادت کی راہ ہموار کرتی ہے اور خطابت سے محرومی قیادت سے محرومی کا باعث بھی ہو سکتی ہے، عرب کے خطباء اپنے قبیلے کے قائد و زعماء بھی ہوتے تھے، عرب جہاں خطابت و تدبر اور حکمت و دانش کو قیادت و سیادت کے لئے ضروری تصور کرتے تھے وہاں خطیب انا کی قیادت اور سرداری بھی قبول کرتے تھے، استاذ احسان نعق کے بیان سے بھی اس نقطۂ نظر کی تائید ہوتی ہے۔[2]

جاحظ نے ایسے متعدد عرب خطباء کے نام دیئے ہیں جو خطیب ہونے کیساتھ ساتھ شاعر بھی تھے، جن میں قس بن ساعدہ الایادی، عمرو بن اہتم المنقری، کمیت بن زید الاسدی، طرماح بن حکیم الطائی، عمران بن حطان شیبانی، لنصر بن سیار اور عجلان بن سحبان الباہلی جو خطیب العرب سحبان بن وائل کا بیٹا تھا، جاحظ کا خیال ہے کہ شعر اور خطابت ایک ساتھ کسی شخصیت میں کم ہی جمع ہوتی ہے مگر جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو خطابت خوب چمکتی ہے، وہ لکھتا ہے۔[3]

«وَفِي الْخُطَبَاءِ مَنْ يَكُونُ شَاعِرًا وَيَكُونُ إِذَا تَحَدَّثَ أَوْ وَصَفَ أَوِ احْتَجَّ بَلِيغًا مُفَوَّهًا بَيِّنًا»

خطباء میں سے بعض شاعر بھی ہوتے ہیں، ایسا خطیب جب بولتا، بیان کرتا یا استدلال کرتا ہے تو فصیح البیان اور واضح انداز میں بات کرتا ہے!

دورِ جاہلی کے مشہور خطباء

یوں تو عرب کے ہر قبیلے میں فصاحت و بلاغت شعر و خطابت کے رنگ میں

---

[1] البیان ۴/ ۸۵ [2] الخطابۃ العربیۃ ص ۲۱ [3] البیان ۱/ ۴۵

کسی نہ کسی حد تک موجود تھی مگر جاحظ کے بیان کے مطابق اس فن میں دو قبیلے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ ہیں بنو تمیم اور بنو ایاد، زمانۂ جاہلیت میں پھر عہدِ اسلام میں ان ہر دو قبیلوں نے بڑے جلیل القدر خطباء پیدا کئے بنو ایاد کے خطباء میں قس بن ساعدہ، لقیط بن معبد، ابو دواد بن حریز الایادی اور زید بن جندب الایادی، بنو تمیم کے خطباء میں اکثم بن صیفی، ضمرہ المجاشعی، حاجب بن زرارہ اور قیس بن عاصم بہت مشہور خطباء تھے۔

دیگر قبائل میں سے بنو کنانہ، بنو حنیفہ، بنو اسد اور بنو ربیعہ کے خطباء بھی مشہور تھے چنانچہ بنو کنانہ میں سے کعب بن لوی (جو افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلۂ نسب میں ساتویں نمبر پر ہیں) جو عموماً سخاوت و مروت اور نیکی کے متعلق اپنی قوم کے سامنے تقاریر کیا کرتے تھے، ان کے علاوہ عتبہ بن ربیعہ، ولید بن ربیعہ اور سہیل بن عمرو الاعلم بھی بنو کنانہ کے مشہور خطباء تھے؛ بنو حنیفہ میں سے حنظلہ بن ضرار الحنفی، بنو اسد میں سے ربیعہ بن حذار اور بنو ربیعہ میں سے ہانی بن قبیصہ شیبانی خطیب یوم ذی قار عربی خطابت کی تاریخ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، بہر حال جاہلی دور کے تین خطباء خصوصی تذکرے کے مستحق ہیں:

(۱) قس بن ساعدہ الایادی: قس بن ساعدہ کو خطیب العرب کہا جاتا ہے، فصاحت و بلاغت اور حکمت و نصیحت میں اس کا نام ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے، وہ توحید اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا تھا اور عربوں کو بت پرستی چھوڑ کر اپنے خالق کی عبادت کی دعوت دیتا تھا۔ اس کا ایک مشہور خطبہ ہے:۔

أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوا وَعُوا، مَنْ عَاشَ مَاتَ، وَمَنْ مَاتَ فَاتَ وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ آتٍ، لَيْلٌ دَاجٍ وَنَهَارٌ سَاجٍ، وَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ، وَنُجُومٌ تَزْهَرُ، وَبِحَارٌ تَزْخَرُ، وَجِبَالٌ مُرْسَاةٌ، وَأَرْضٌ مُدْحَاةٌ، وَأَنْهَارٌ مُجْرَاةٌ، إِنَّ فِي السَّمَاءِ لَخَبَرًا، وَإِنَّ فِي الْأَرْضِ لَعِبَرًا، مَا بَالُ النَّاسِ يَذْهَبُونَ وَلَا يَرْجِعُونَ؟ أَرَضُوا فَأَقَامُوا؟ أَمْ تُرِكُوا

فَنَامُوْا! أَيُقْسِمُ قُسٌّ بِاللّٰهِ قَسَمًا لَا إِثْمَ فِيْهِ: إِنَّ لِلّٰهِ دِيْنًا هُوَ أَرْضٰى لَكُمْ وَأَفْضَلُ مِنْ دِيْنِكُمُ الَّذِيْ أَنْتُمْ عَلَيْهِ، إِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ مِنَ الْأَمْرِ مُنْكَرًا!

لوگو، سنو اور یاد رکھو، جو زندہ ہے وہ مرے گا، جو مر گیا، وہ کھو گیا، جو آنا ہے وہ آئے گا، تاریک رات، روز روشن، برجوں والا آسمان، چمکتے ستارے، ٹھاٹھیں مارتے سمندر، گاڑے ہوئے پہاڑ، بچھی ہوئی زمین اور بہتے دریا سب عبرتیں ہیں! آسمان میں یقیناً دلائل ربانی ہیں اور زمین میں عبرتیں ہیں، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے، جاتے ہیں تو آتے نہیں! کیا وہ خوش ہو کر ٹھہر گئے یا انہیں چھوڑ دیا گیا تو وہ سو گئے ہیں! قس اللہ کی قسم کھاتا ہے جس میں گناہ نہیں کہ اللہ کا ایک دین ہے جو تمہارے لئے زیادہ پسندیدہ ہے اور تمہارے اس دین سے افضل ہے جس پر تم عمل پیرا ہو، بلاشبہ تم ناپسندیدہ باتوں کا ارتکاب کرتے ہو!

(۲) اکثم بن صیفی بنو تمیم کا خطیب اعظم تھا عرب کے داناؤں اور ماہرین انساب میں سب سے زیادہ فصیح تھا، اصابت فکر، قوت دلیل اور حلاوت لفظ و معنی میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا. کسرای ایران کے دربار میں خطبہ دیا تو بادشاہ نے بہت داد دی، اس میں وہ کہتا ہے

«إِنَّ أفضل الأشياء أعاليها وأعلى الرجال ملوكهم وأَفْضَلُ الملوك أعمها نفعا وخير الأزمنة أخصبها وأَفْضَلُ الخطباء أصدقها؛

اشیاء میں افضل وہ ہیں جو بلند ترین ہیں، مردوں میں اعلیٰ بادشاہ ہوتے ہیں۔ بادشاہوں میں افضل وہ ہیں جن کا نفع سب سے زیادہ ہو، بہترین زمانہ خوشحالی کا زمانہ ہے اور خطباء میں افضل وہ ہے جو سب سے زیادہ سچا ہو!

(۳) قیس بن خارجہ الغطفانی، چالیس سالہ جنگ داحس و غبراء کو ایک تقریر سے ختم کرنے والا، صبح سے شام تک تمام دن سب سے پہلا خطبہ دینے والا اعرب اور بنو غطفان کا قابل فخر خطیب جس کا عظیم الشان تاریخی خطبہ "العذراء" یعنی انوکھا کہلاتا ہے جس کا ذکر خطبات مصالحت کے ضمن میں گزر چکا ہے!

خطابت عہد اسلامی میں

خطابت عہد اسلامی میں

ظہور اسلام نہ صرف تاریخ عرب و اسلام بلکہ تاریخ انسانی کا ایک اہم ترین واقعہ ہے جس نے تاریخ کو ایک نیا رخ عطا کیا، اسلام کی آمد سے خطابت پر بھی بہت گہرا اثر پڑا۔ تاریخ شاہد ہے کہ خطابت ہمیشہ دو قسم کے حالات میں ترقی کرتی اور پروان چڑھتی ہے، کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ سوئی ہوئی یا مغلوب و مقہور قوم کا مقدر جاگ اٹھتا ہے اور اس کی تاریخ ایک نئی کروٹ لیتی ہے جس کے نتیجے میں عظیم حوادث اور انقلابی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں یا جب کبھی جمہوری قسم کا نظام حکومت برپا ہوتا ہے۔ قوم اور حکومت کو صحیح رخ پر ڈالنے، محاسبہ کرنے اور روشن مستقبل کی طرف بڑھنے کے لئے بات کرنے والوں کی ضرورت پڑتی ہے، ایسے حالات میں خطابت نہ صرف پروان چڑھتی ہے بلکہ کام بھی سنوارتی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ حالات خطباء کو جنم دیتے ہیں اور ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کا جوہر خطابت کام آتا ہے۔

تاریخ انسانی کے بڑے بڑے انقلابات کا منظر اور پس منظر یہی رہا ہے، یونان و روم کی فتوحات اور وہاں کے نظام حکومت نے خطباء کو جنم دیا اور ان کے سہارے ان کا سلسلہ آگے بڑھا، اسلامی انقلاب نے بھی عظیم و جلیل خطباء کو جنم دیا اور یہ خطباء کبھی دین و سیاست کے منبر پر اور کبھی میدان جہاد میں اس انقلابی تحریک کو آگے بڑھاتے رہے، انگلستان کے پارلیمانی نظام انقلاب فرانس اور روس کے اشتراکی انقلاب میں بھی یہی صورت حال نظر آتی ہے۔

اسلامی نظام حکومت کی شکل کچھ بھی ہو مگر اس کی روح سراپا جمہوریت ہے، خلافت امت کے عام افراد کے درمیان ان کی تائید سے قائم ہوتی تھی اور پھر ان کے محاسبے اور تائید سے آگے چلتی تھی۔ اس کے علاوہ اسلام نے نہ صرف موروثی بادشاہت و ظالم آمریت کو مسترد کر دیا بلکہ روم و ایران کی ظالم و مستبد شہنشاہیتوں کو بھی کھلا چیلنج دیا، اس لئے اسلامی تحریک تاریخ کا ایک عظیم الشان انقلاب تھا جس نے نہ صرف زندگی کے اطوار بدل دئے بلکہ فکر کے دھارے بھی یکسر بدل دئے اور ایک ایسی فضا پیدا ہوئی جس نے خطابت کے لئے خوشگوار ماحول اور ہموار راستے مہیا کر دئیے، لہذا قدرتی بات ہے کہ دور جاہلیت کی بہ نسبت عہد اسلامی میں خطابت کے فن کو نہ صرف ترقی کا موقع ملا بلکہ اسے نئی راہیں بھی میسر آگئیں، اغراض و مقاصد کی بلندی اور اہمیت میں اضافے کے ساتھ ساتھ خطابت کے موضوعات و اسالیب میں تنوع و تجدد کی صورتیں بھی پیدا ہوئیں۔

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ فکری اور دینی تحریکات بھی ہمیشہ جوہر خطابت کی مرہون منت رہی ہیں، خطیبانہ فصاحت و بلاغت میں کمال داعیان فکر و دین کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ تمام انبیائے کرامؑ اور داعیان حق و مصلحین امت نے اپنے اپنے زمانے میں انسانی ذہنوں کو متاثر کرنے اور آواز حق کو دلوں میں اتارنے کے لئے ہمیشہ نطق و بیان کے اعجاز کو ہی آزمایا ہے، ہمارے نبی امی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دعوت اسلام کو عام کرنے اور مشرکین عرب کو اپنی نبوت و رسالت کا قائل کرنے کے لئے کتاب اللہ کی آیات حکمت و اعجاز پڑھ کر سنانے کے علاوہ اپنے خداداد جوہر خطابت کو بھی استعمال کیا۔ ہجرت کے بعد مدینہ کی اسلامی ریاست کی تنظیم اور ایک مثالی فلاحی و صالح معاشرے کے قیام کے لئے بھی آپ کا خطیبانہ کمال و تدبر اور پیغمبرانہ حکمت و وعظ کام

کے لئے بھی آپ کا خطیبانہ کمال و تدبر اور پیغمبرانہ حکمت و وعظ کام آیا، استاذ حسان النعّس فرماتے ہیں۔

"ومن الحق أن النظام الديمقراطي الذي كان سائداً في صدر الإسلام قد أعان على ازدهار الخطابة في هذا العصر وأتاح لمن يشاء أن يعتلي منصة الخطابة وأن يجهر برأيه مؤيداً أو معارضاً مجيداً أو ثناء، وكان يباح لمن يشاء من الرعية في ذلك العصر أن يناقش الخليفة أو الوالي في شؤون الحكم والسياسة والدين وكثيراً ما كان الخليفة يتخلى عن رأيه ويأخذ برأي مخالفيه إذا رأى الحق في جانبهم، وكان الخلفاء الراشدون يطالبون الناس بمؤاخذتهم ومحاسبتهم إذا حادوا عن جادة الحق والعدالة!"

یعنی یہ بات ثابت ہے کہ صدر اسلام میں رائج جمہوری نظام نے اس عہد میں خطابت کے پھلنے پھولنے میں بہت مدد دی، ہر ایک کے لئے یہ موقع تھا کہ وہ منبر خطابت پر متمکن ہو کر اعلانیہ اپنی رائے کا اظہار کرے، تائید میں یا مخالفت میں، ستائش کرتے ہوئے یا مذمت کرتے ہوئے، رعایا کے ہر فرد کو یہ حق تھا کہ وہ حکومت و سیاست اور دین کے معاملات میں خلیفہ یا والی سے بحث کرے، اکثر اوقات خلیفہ اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا اور اپنے مخالفین کی درست و برحق رائے پر عمل کرتا، خلفاء راشدین خود لوگوں سے مطالبہ کرتے تھے کہ اگر وہ حق و عدالت کے راستے سے ہٹ جائیں تو ان کا مواخذہ و محاسبہ کیا جائے!

اسلام کی آمد سے خطابت کے موضوعات و اسالیب میں تبدیلی کے علاوہ انواع و اقسام میں بھی تبدیلی پیدا ہوئی، چنانچہ بعض اصناف خطبہ متروک ہو گئیں

اور بعض نئی اقسام کا اضافہ ہوا، تفاخر و انتقام چونکہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں اس لئے جنگ و انتقام پر اکسانے والے خطبات اور خطبات منافرت و مفاخرہ بھی متروک ہو گئے۔ اس عہد میں خطابت کی چند نئی اقسام بھی وجود میں آئیں۔

عہد نبوی، خلافت راشدہ اور بنو امیہ کے عہد میں خطابت عربی فصاحت و بلاغت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے جس میں لفظی اسلوب بیان کی سلاست و روانی کے ساتھ ساتھ معنی کی گہرائی اور اثر انگیزی بھی موجود ہے۔ خطباء کے سامنے کوئی تحریری قواعد و اصول نہیں تھے لیکن وہ موقع اور مناسبت کی بات کرنے، مقصد تقریر اور سامعین کے دلوں پر اثر انگیزی کے انداز سے فطرۃً آگاہ تھے۔ تاہم قرآن مجید، حدیث نبوی اور خطبات نبوت کے نمونے ان کے سامنے موجود تھے وہ ان سرچشموں سے مستفید بھی ہوتے اور اپنے بیان کی رونق و چاشنی کے لئے ان سے اقتباسات و شواہد بھی پیش کرتے تھے۔ مسجد نبوی میں خطبہ جمعہ اور عیدین کے خطبات کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ اہل اسلام کا ہفتہ وار معمول بن گیا اور یہ سلسلہ آج تک اسی تسلسل کے ساتھ جاری ہے، خطیب کا وعظ و بیان اور خطبہ جمعہ مسلمانوں کے دینی شعائر کا ایک حصہ بن گیا۔

وعظ و ارشاد کے ہفتہ وار خطبات کے علاوہ جو اصناف خطبہ و تقریر وجود میں آئیں ان میں خطبات جہاد، خطبات مناظرہ، خطبات فتوحات، خطبات تعزیت، سیاسی خطبات و تقاریر اور خطبات وفود و استقبال کے علاوہ ایک اور اہم قسم بھی وجود میں آئی جسے خطبات خلافت و ولایت کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے، جب نیا خلیفہ بنتا یا نیا والی مقرر ہوتا تو وہ اپنی حکومت کے آغاز پر ایک خطبہ دیتا جس میں وہ اپنی سیاسی پالیسیوں کا تعین کرتا، بعد کے ادوار میں خصوصاً نئے دور میں خطبات کی چند اور اقسام کا اضافہ ہوا، جن میں پارلیمانی تقاریر، علمی و اصلاحی خطبات اور انتخابی تقاریر بہت اہم اور نمایاں ہیں، مصر و شام، ترکی و ایران اور برصغیر پاک و ہند کی تاریخ خطابت میں ان تقاریر و خطبات کی مثالیں بکثرت

موجود ہیں۔

مشہور خطبائے اسلام

ظہور اسلام کے بعد اسلامی تاریخ میں جو عظیم خطباء پیدا ہوتے ان میں سے بعض کا ذکر آئندہ سطور میں ذرا تفصیل سے کیا جائے گا تاکہ معلوم ہو سکے کہ حضرت افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت اور بلاغت کے اثرات کتنے گہرے اور آپ کی تعلیمات کے نتائج کتنے دور رس تھے، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں خطباء کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی، انصار مدینہ میں سے حضرت ثابتؓ بن قیس انصاریؓ کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ "خطیب رسول اللہ" کے لقب سے ملقب ہوئے۔ مختلف مواقع پر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب کی حیثیت سے اپنی فصاحت و بلاغت کے جوہر دکھاتے تھے، خصوصاً عام الوفود میں مختلف قبائل کے وفود کی آمد پر حسب ضرورت وہی خطبہ ارشاد فرماتے تھے ان کے علاوہ حضرت سعد بن ربیعؓ سید الخزرج حضرت سعد بن عبادہؓ اور خطیب یوم سقیفہ حضرت حباب بن منذرؓ انصار کے خطباء میں بہت ہی بلند مقام رکھتے ہیں۔ مہاجرین میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، الزبیر بن العوامؓ، خالد بن ولیدؓ عبداللہ بن مسعودؓ، طلحہ بن عبید اللہؓ، نعمان بن مقرنؓ، مغیرہ بن زرارہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عقبہ بن غزوانؓ اور ربیع بن عامرؓ خطابت کی تاریخ کے چند زندہ و تابندہ رجال میں سے ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امت اسلامیہ اختلاف اور خلفشار کی آزمائش سے گزری، متعدد حوادث پیش آئے اور کئی ایک شورشیں برپا ہوئیں، جنگ جمل، جنگ صفین، واقعہ تحکیم، شیعہ و خوارج کی آویزش اور ابن زبیر کی خلافت کے اعلان کا موقعہ پیش آیا تو مسلمانوں میں متعدد سیاسی و فکری گروہ سامنے آئے، اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر گروہ نے اپنی اپنی تائید و حمایت کے لئے خطابت کا ہتھیار آزمایا، خلیفہ رابع امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ

خطبائے فصاحت و بلاغت میں افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے اونچا درجہ رکھتے ہیں آپ کی تائید میں خطباء کی ایک جماعت آگے آئی جس نے حیدر کرارؓ کے رنگ میں خطابت کے معرکے سر کئے ان میں حضرت ابن عباس کے علاوہ اشتر نخعی عمار بن یاسر، عدی بن حاتم طائی، ہاشم بن عتبہ، قعقاع بن عمرو، جریر بن عبداللہ البجلی عبداللہ بن بدیل الخزاعی، اشعث بن قیس، صعصعہ بن صوحان، عکرشہ بنت اطرش اور ام الخیر بنت الحریش بہت بلند مقام رکھتی ہیں۔

حضرت امیر معاویہؓ کی تائید کے لئے بھی خطباء کی ایک جماعت موجود تھی جن میں حضرت عمرو بن العاصؓ، سعید بن العاص، حبیب بن مسلمہ الفہری ذوالکلاع الحمیری اور یزید بن اسد البجلی کے نام نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔

اس عہد کا ایک سیاسی گروہ جو شعر و ادب اور خطبات میں بھی بہت اہم مقام رکھتا ہے وہ خوارج کا گروہ ہے، خوارج کے خطباء میں سے عبداللہ بن وہب الراسبی، ابن الکواء، شریح بن اوفی العبسی، حرقوص بن زہیر، زید بن حصین طائی، نافع بن ازرق اور قطری بن الفجاءۃ کے نام قابل ذکر ہیں۔

واعظین خطباء کی بھی ایک جماعت تھی جو مختلف شہروں کی مساجد اور ارشاد و اصلاح کی مجالس میں خطبات دیتے تھے، جن میں حضرت ابو موسیٰ الاشعریؓ مسلم بن جندب قاضی مسجد نبوی اور حضرت حسن بصری کا مقام بہت بلند ہے۔

اسلام کی چودہ صدیوں کے دوران خطابت کے میدان کے بعض شہسواروں کا ذرا مفصل تذکرہ بھی غیر ضروری نہیں ہوگا، خلفائے راشدین سے آغاز ہوتا ہے۔

(۱) حضرت صدیق اکبرؓ

صدیق امت اسلامیہ و رفیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خطیب یوم سقیفہ و خلیفہ اول حضرت ابوبکر عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ اسلامی خطابت کی تاریخ کا سنگ میل ہیں۔ آپ کا تاریخی بلکہ تاریخ ساز خطبہ یوم سقیفہ بھی تاریخ اسلام کا ایک سنگ میل ثابت ہوا جس نے نہ صرف امت اسلامیہ

کو انتشار و افتراق سے محفوظ کر دیا، بلکہ مرتدین، منکرین زکوٰۃ کذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کرنے کی راہ ہموار کر دی اور پھر فتوحات اسلام کا ایک ایسا دروازہ کھلا جس کے طفیل مسلمانوں نے ایک صدی کے اندر اندر اس وقت کی دو سب سے بڑی قوتوں کو شکست دے کر اسلام کو وہ شوکت و ہیبت عطا کر دی جس کے اثرات آج تک اقوام عالم کے دلوں سے محو نہیں ہو سکے۔

حضرت ابوبکرؓ جو صدیق و عتیق کے القاب سے نوازے گئے، نبوت سے پہلے بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص دوست رفیق حمیم تھے پھر بعثت کے بعد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے، یار غار اور سفر و حضر میں رفیق رہے آپ کی وفات کے بعد انہوں نے امت اسلامیہ کی قیادت سنبھالی اور اسلامی ریاست کی بنیادوں کو مضبوط بنا کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

خطبہ یوم سقیفہ میں آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"ایها الناس: نحن المهاجرون اول الناس إسلاما وأكرمهم أحسابا وأوسطهم دارا واحسنهم وجوها وأكثر الناس ولادة في العرب وأمسهم رحما برسول الله صلى الله عليه وسلم أسلمنا قبلكم وقدمنا في القرآن عليكم فقال تبارك وتعالى "وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ" نحن المهاجرون وأنتم الأنصار إخواننا في الدين وشركاؤنا في الفيء وأنصارنا على العدو آويتم وواسيتم فجزاكم الله خيرا نحن الأمراء وأنتم الوزراء - لا تدين العرب الا لهذا الحي من قريش فلا تنفسوا على إخوانكم المهاجرين ما منحهم الله من فضله: نحن أهل الله وأقرب الناس بيتا من بيت الله وأمسهم رحما برسول الله صلى الله عليه وسلم إن هذا الأمر إن

تطاولت له الخزرج لم تقصر عنه الأوس، وإن تطاولت له الأوس لم تقصر عنه الخزرج وقد كان بين الحيين قتلى لا تنسى وجرحى لا تداوى فإن نعق منكم ناعق فقد جلس بين لحيي أسد يضغمه المهاجري ويجرحه الأنصاري"[1]

لوگو! ہم مہاجرین ہیں جو سب لوگوں سے پہلے اسلام لائے گھر کے لحاظ سے بھی ہم وسط میں ہیں، حسب و نسب میں سب سے بزرگ ہیں، سب سے خوبرو ہیں، تمام عرب میں کثیر النسل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی رشتہ رکھتے ہیں، ہم تم سے پہلے اسلام لائے، قرآن کریم میں ہمیں تم پر مقدم رکھا گیا ہے چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "مہاجرین و انصار میں سے سابقین اولین جنہوں نے بھلائی کے ساتھ ان کا اتباع کیا" تو ہم ہیں مہاجرین اور آپ ہیں انصار، دین میں ہمارے بھائی، مال غنیمت میں ہمارے شریک اور دشمن کے خلاف ہمارے مددگار، آپ نے پناہ دی اور ہمدردی کی، اللہ آپ کو جزائے خیر دے، سو ہم امراء ہیں اور آپ وزراء ہیں، عرب اس قبیلہ قریش کے علاوہ کسی کی اطاعت قبول نہیں کریں گے، آپ کو اپنے مہاجر بھائیوں سے اس نعمت میں مقابلہ نہیں کرنا چاہیئے جو انہیں اللہ نے دی ہے، ہم اللہ کے گھر والے ہیں، ہمارے گھر بیت اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ترین رشتہ رکھتے ہیں، مسئلہ خلافت کے لئے اگر خزرج نے ہاتھ پاؤں مارے تو اوس بھی ان سے پیچھے نہیں رہیں گے، اور اگر اوس نے خلافت کے لئے کوشش کی تو خزرج والے پیچھے نہیں رہیں گے۔ ان دونوں قبیلوں کے مقتول اور زخمی بھی تھے جنہیں فراموش کرنا

[1] البیان ۳/۲۹۷ تا ۲۹۸، عیون الاخبار ۲/۲۳۳، العقد ۴/۲۵۸۔

یا ان کی مدد کرنا ممکن نہیں، تو اب اگر آپ میں سے کسی نے آواز
نکالی تو گویا اس نے خود کو شیر کے جبڑوں میں دے دیا، مہاجرین
اسے نگل جائیں گے اور انصار اسے نوچ ڈالیں گے۔

۲۔ حضرت فاروق اعظمؓ

امیر المؤمنین ابو حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جو فاروق اعظم کے لقب سے ملقب ہوئے، تاریخ انسانی کے ایک مثالی حکمران کی حیثیت سے ایک مثالی رفاہی ریاست کا نمونہ پیش کیا، اسلامی خطابت کی تاریخ میں ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں، بقول احمد الاسکندری "كان رحمه الله من أبين الناس منطقا وأبلغهم عبارة وأكثرهم صوابا وحكمة وأروا هم للشعر وأنقد هم له!" کہ وہ گفتار میں سب سے زیادہ واضح انداز والے، بلیغ ترین عبارت سے زیادہ حکمت وصواب ان کے کلام کی خوبی تھی، شعر پر سب سے گہری ناقدانہ نظر رکھتے تھے! جاحظ انہیں "اعلم الناس بالشعر" قرار دیتا تھا، ابن رشیق القیروانی انہیں "انقد اہل زمانہ للشعر" لکھتا ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں کہ "سیدنا فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف وارد و در ہر درے صاحب کمال نشستہ!"

کتب ادب و تاریخ میں ان کی فصاحت و بلاغت و کمال خطابت کی متعدد مثالیں موجود ہیں، وہ فرمایا کرتے تھے[۱]!

لكل شيء رأس ورأس المعروف تعجيله:

یعنی ہر شے کی روح ہوتی ہے اور نیکی کی روح یہ ہے کہ اس میں عجلت سے کام لیا جائے!

اور فرمایا[۲]!

الرجال ثلاثة: رجل ينظر في الأمور قبل أن تقع فيصدرها مصدرها ورجل متوكل لا ينظر فإذا نزلت به نازلة

شاور أهل الرأي وقبل قولهم، ورجل حائر بائر لا يأتمر رشدا ولا يطيع مرشدا!-

آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ ہے جو وقوع پذیر ہونے سے قبل ہی معاملات پر نظر رکھتا ہے اس لئے ان سے کماحقہ عہدہ برآ ہوتا ہے، دوسرا توکل پسند آدمی ہے جو قبل از وقت نہیں دیکھتا مگر مشکل آن پڑے تو اہل عقل و فکر سے مشورہ کرتا ہے اور ان کی رائے کو قبول کر لیتا ہے، تیسرا آدمی وہ ہے جو حیرت میں بھٹکنے والا ہے نہ تو وہ عقل کی بات مانتا ہے اور نہ کسی رہنما کی سنتا ہے!

ایک خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں[۱]!

"يا أيها الناس: انه أتى على حين وأنا أحسب أنه من قرأ القرآن انه إنما يريد به الله وما عنده، ألا وقد خيل إلى أن أقواما يقرؤون القرآن يريدون به ما عند الناس. ألا فأريدوا الله بقراءتكم وأريدوه بأعمالكم فإنما كنا نعرفكم إذ الوحي ينزل وإذ النبي صلى الله عليه وسلم بين أظهرنا. فقد رفع الوحي وذهب النبي عليه السلام، فإنما أعرفكم بما أقول لكم. ألا فمن أظهر لنا خيرا ظننا به خيرا وأثنينا عليه، ومن أظهر لنا شرا ظننا به شرا وأبغضناه عليه، اقدعوا هذه النفوس عن شهواتها فإنها طلعة وإنكم إلا تقدعوها تنزع بكم إلى شر غاية إن هذا الحق ثقيل مري وإن الباطل خفيف وبي، وترك الخطيئة خير من معالجة التوبة. ورب نظرة زرعت شهوة. وشهوة ساعة أورثت حزنا طويلا!

لوگو! ایک وقت تھا کہ جب میں یہ گمان کیا کرتا تھا کہ جو بھی قرآن کریم پڑھتا ہے اس کا مقصد اللہ کی ذات اور اس کے ہاں سے اجر و ثواب ہوتا ہے۔ ہاں اب مجھے لگ رہا ہے کہ کچھ لوگ قرآن کریم پڑھتے ہیں مگر اس کا اجر لوگوں سے مقصود ہوتا ہے، سنو! تلاوت قرآن کریم سے تمہارا مقصود صرف اللہ کی ذات ہونی چاہیے کیونکہ ہم تمہیں اس وقت تو پہچان لیتے تھے جب نزول وحی کا سلسلہ جاری تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود تھے، مگر اب وحی تو اٹھا لی گئی اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رخصت ہو چکے اس لئے اب میں جو کچھ تم سے کہوں گا اسی سے ہی تم مجھے پہچانو گے، ہاں تو جو ہمارے سامنے بھلائی کا اظہار کرے گا ہم اسے بھلا ہی تصور کریں اور اس کی ستائش کریں گے۔ اور جس نے ہمارے سامنے بدی کا مظاہرہ کیا ہم اسے بدہی تصور کریں گے اور اس سے نفرت کریں گے۔ اپنے نفسوں کو ان کی خواہشات سے روکتے رہا کرو کیونکہ یہ اپنی ہوسوں کی جانب شدید میلان رکھتے ہیں، اگر تم انہیں باز نہ رکھو گے تو یہ تمہیں بدترین منزل تک گھسیٹ لے جائیں گے، حق تو بوجھل لگتا ہے مگر نتائج کے لحاظ سے خوشگوار ہوتا ہے مگر باطل ہلکا پھلکا ہوتا ہے لیکن عاقبت کے لحاظ سے بہت گندہ اور ناگوار ہوتا ہے۔ توبہ کی ضرورت پڑنے سے بہتر یہی ہے کہ گناہ ہی ترک کیا جائے، بعض اوقات ایک نظر بھی شہوت کاری کا باعث بن جاتی ہے اور لمحہ بھر کی ہوس رانی طویل رنج کا شکار بنا دیتی ہے!

۲۔ شہید قرآن ذو النورین رضی اللہ عنہ

خلیفۂ مظلوم امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ! جن کا ماویٰ و ملجا اور صبح و شام کا ورد زبان قرآن مجید تھا جن کے بروقت اقدام سے امت قرآن مجید

کی ایک قراءت یعنی لہجۂ قریش پر متفق ہو گئی تھی اور جن کی شہادت دراصل کتاب اللہ کی صحت و حفاظت کی شہادت و دلیل قطعی بھی ہے کہ اگر معاذ اللہ قرآن مجید میں کسی حرف کی بھی تحریف ہوتی تو باغی قاتل ان پر کیچڑ اچھالنے کے لئے تحریف قرآن کی تہمت لگاتے اور آج وہ خلیفۂ مظلوم و شہید قرآن نہ کہلا سکتے!، وہ بھی عربی و اسلامی خطابت کی تاریخ میں ناقابل فراموش مقام رکھتے ہیں۔

حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کے متعلق احمد الاسکندری لکھتے ہیں:

كان رحمه الله من بلغاء الخلفاء وأوجزهم لفظا وأجزلهم معنى وأسهلهم عبارة۔

وہ بلیغ خلفاء میں سے تھے، ان کے الفاظ کم اور معنی عظیم ہوتے تھے اور ان کا اسلوب عبارت آسان ترین ہوتا تھا!

انھوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیر کا خطبہ سنکر تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا[1]

یا أیها الناس! انكحوا النساء على آبائهن وإخوتهن فإني لم أر لأبي بكر الصديق ولدا أشبه به من هذا!

لوگو! عورتوں سے نکاح کرو تو ان کے باپوں اور بھائیوں کو دیکھ کر کیا کرو کیونکہ مجھے ابوبکر صدیقؓ کی اولاد میں سے کوئی بچہ بھی ان کے مشابہ نظر نہیں آیا سوائے اس بچے (ابن زبیر) کے! (جو حضرت ابوبکرؓ کے نواسے تھے!)

باغی قاتل جب عاشق قرآن کو شہید کرنے کے لئے سرکشی پہ اتر آئے تو مظلوم کی شہادت سے پہلے یہ خطبہ ارشاد فرمایا تھا[2]

لكل أمة آفة ولكل نعمة عاهة وإن آفة هذه الأمة عيابون طعانون يظهرون لكم ما تحبون ويسرون ما تكرهون طغام مثل النعام يتبعون أول ناعق لقد نقموا على ما نقموا ...

[1] البیان ۱/۳۰۲ [2] البیان ۱/۲۷۷

علی عمر و لکن عمر قمعهم و قمهم و اللہ إنی لأقرب
ناصرا و أعز نفرا، فضل فضل من مالی فما لی لا أفعل فی الفضل
ما أشاء!»

ہر قوم کی ایک آفت ہوتی ہے اور ہر نعمت کے لیے (انجام کار) زوال
ہوتا ہے، اس امت کی آفت وہ عیب جو، طعنہ زن اور بدخواہ منافق
ہیں جو اظہار تو ان باتوں کا کرتے ہیں جنہیں تم پسند کرتے ہو مگر ان
کے دلوں میں وہ زہر چھپا ہوتا ہے جسے تم مکروہ سمجھو گے، یہ آوارہ
اوباش شتر مرغ قسم کے لوگ ہوتے ہیں، جو جنہی کوئی کوا کائیں کائیں کرتا
سنتے ہیں اس کے پیچھے ہو لیتے ہیں، ان لوگوں کو جو بات میری طرف سے
ناگوار معلوم ہوتی ہے وہی بات انہیں حضرت عمرؓ سے بھی ناگوار لگی تھی مگر
عمرؓ نے انہیں لگام دے کر ان کا قلع قمع کر دیا تھا! اللہ کی قسم میں قریب
ترین مددگار بھی رکھتا ہوں اور افراد خاندان کی کثیر تعداد بھی،
میرے پاس فاضل دولت کی بھی کمی نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ میں اپنی
اس فاضل دولت کو بھی اپنی مرضی سے نہیں خرچ کر رہا!» (یعنی طاقت
یا دولت سے ان فتنہ پردازوں کو زیر کر سکتا ہوں مگر اپنی خاطر
امت مسلمہ کا خون بہانے کے بجائے مظلومیت و شہادت کی موت کو
ترجیح دیتا ہوں!)

۴: فاتح خیبر حیدر کرار رضی اللہ عنہ

عربی فصاحت و بلاغت اور اسلامی خطابت کی تاریخ کا ایک سرکش چوٹی کا
بلند پہاڑ حضرت ابوالحسن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ ہیں جن کی منقبت یہی کافی
ہے کہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم مدینۃ العلم ہیں اور وہ باب مدینۃ العلم
ہیں، احمد الاسکندری کہتے ہیں:

وکان رحمہ اللہ افصح الناس بعد رسول اللہ و أکثرهم

علما و أزهدا و أشدة فی الحق، و هو امام الخطباء من العرب
علی الإطلاق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

حیدر کرار رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے
بڑے فصیح و بلیغ، سب سے بڑے عالم اور زاہد اور حق پرستی میں
ثابت قدم تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بلا استثناء
خطبائے عرب کے امام تھے!»

خلفائے اسلام میں سے صرف وہی صاحب دیوان شاعر ہیں! ان کے
اقوال حکمت اور فصیح و بلیغ خطبات سے کتب ادب بھری پڑی ہیں، خطبات کیا ہیں
علم کے سمندر ہیں جن کے ہر گوشے میں حکمت کے موتی بکھرے پڑے ہیں۔ فرمایا
کرتے تھے[1]:

«أوصیکم بأربع لو ضربتم إلیها آباط الإبل لکن لها
أهلا، لا یرجون أحد منکم إلا ربه ولا یخافن إلا ذنبه
ولا یستحی إذا سئل عما لا یعلم أن یقول: لا أعلم ولا إذا لم
یعلم الشیء أن یتعلمه، وإن الصبر من الإیمان بمنزلة
الرأس من الجسد، فإذا قطع الرأس ذهب الجسد وکذلک
إذا ذهب الإیمان!

چار باتوں کی تمہیں وصیت کرتا ہوں اگر تم ان کی خاطر سفر کرو تو بھی
روا ہے، اللہ کے سوا کسی سے کوئی امید نہ رکھے، ڈرے صرف
اپنے گناہ سے، اگر کسی سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا اسے
علم نہ ہو تو یہ کہتے ہوئے نہ شرمائے کہ مجھے علم نہیں، اسی طرح جو بات
معلوم نہ ہو تو اسے سیکھنے سے بھی نہ شرمائے اور ہاں! صبر ایمان کیلئے
وہی حکم رکھتا ہے جو جسم کے لئے سر کا ہے، سر کٹ جائے تو جسم گیا! اسی

---

[1] البیان ۲/۷۷۔

طرح صبر کے جانے سے ایمان بھی گیا!

عرب خطابت کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی کہ خطیب اپنے خطبے میں کسی شاعر کے شعر کو یوں سجا سکے جس طرح ماہر صراف انگوٹھی میں نگینہ جڑ دیا کرتا ہے یہ کمال صرف باب مدینۃ العلوم کو حاصل تھا، دیکھئے:

«اما بعد: فإن معصیۃ الناصح الشفیق العالم المجرب تورث الحیرۃ وتعقب الندامۃ، وقد کنت أمرتکم فی ہذہ الحکومۃ أمری ونخلت لکم مخزون رأیی، لوکان یطاع لقصیر أمر! فأبیتم علیّ إباء المخالفین الجفاۃ والمنابذین العصاۃ حتی ارتاب الناصح بنصحہ وضن الزند بقدحہ فکنت وإیاکم کما قال أخو ہوازن:

أمرتہم أمری بمنعرج اللوی   فلم یستبینوا النصح إلا ضحی الغد

مشفق عالم تجربہ کار خیر خواہ کی نافرمانی بھٹکنے اور نادم ہونے پر منتج ہوتی ہے، اس حکیم کے متعلق میں نے تمہیں اپنا حکم دے دیا تھا اور اپنی مخلصانہ رائے واضح کر دی تھی، کاش قصیر کا حکم مان لیا جایا کرتا!» مگر تم نے جفاکار مخالفوں اور اکڑنے والے نافرمانوں کی طرح میرا حکم نہ مانا حتی کہ مخلص کو اپنی خیر خواہی میں شک ہونے لگا اور کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا، میری اور تمہاری کیفیت ہوازن کے اس شاعر کی سی تھی جس نے کہا تھا کہ میں نے لوی پہاڑ کے ڈھلوان کے پاس انہیں اپنا حکم دے دیا تھا۔ مگر میرے اخلاص اور خیر خواہی کا علم انہیں اگلے روز چاشت کے وقت ہی ہو سکا!

اس مختصر سے خطبے میں ایک ضرب المثل اور ایک شعر کو کتنی خوبصورتی سے تضمین فرمایا گیا ہے، حیدر کرار کا ایک حکمت آمیز خطبہ جہاد ملاحظہ کیجئے[1]:

«اما بعد فإن الجہاد باب من أبواب الجنۃ فمن ترکہ رغبۃ عنہ ألبسہ اللہ ثوب الذل وشملہ البلاء ولزمہ الصغار وسیم الخسف ومنع النصف ألا وإنی قد دعوتکم إلی قتال ہؤلاء القوم لیلا ونہارا وسرا وإعلانا وقلت لکم اغزوہم قبل أن یغزوکم فواللہ ما غزی قوم قط فی عقر دارہم إلا ذلوا فتواکلتم وتخاذلتم وثقل علیکم قولی واتخذتموہ وراءکم ظہریا حتی شنت علیکم الغارات:

جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جس نے اسے ناپسند کرتے ہوئے ترک کر دیا اسے اللہ تعالیٰ ذلت کا لباس پہنا دیگا، آفتوں میں گھر جائے گا، چھوٹا بن کے رہنا پڑے گا، رسوائی کا شکار ہوگا۔ ہاں! میں تمہیں دن رات ظاہر و خفیہ ان لوگوں کے خلاف جہاد کی دعوت دیتا رہا اور کہتا رہا کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دو کیونکہ اللہ کی قسم جس قوم سے اس کے اپنے گھر میں لڑائی ہوئی وہ ذلیل و رسوا ہوئی، مگر تم سست ہو گئے، ساتھ چھوڑ دیا، میری بات تمہیں بوجھل لگی اور اسے تم نے پس پشت ڈال دیا حتی کہ تم غارتگری کی زد میں آ گئے!

۵: حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق رضی اللہ عنہا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا بے پناہ اثر تھا، مدینۃ العلم سے آپ کو جو علم و معرفت کا بہرۂ وافر نصیب ہوا اس سے محدثین و اہل علم آگاہ ہیں، فصاحت و بلاغت میں بھی ان کا بہت بلند مرتبہ ہے اور عرب خطیبات میں شمار ہوتی ہیں، آپ کے اقوال حکمت سے منقول ہے:

«کل شرف دونہ لؤم فاللوم أولی بہ وکل لؤم دونہ شرف فالشرف أولی بہ»

وہ سارا عزو شرف جو کمینگی سے حاصل ہوتا ہو اس سے کمینگی ہی بہتر ہے
اور ہر کمینگی جس کے بعد شرف حاصل ہو تو شرف اس سے بہتر ہے!

فرزندان امت کو وصیت فرمایا کرتی تھیں۔

«یا بنی! لا تطلبوا ما عند اللہ من عند غیر اللہ بما یسخط اللہ»

اے میرے بیٹو! جو اللہ کے پاس ہے وہ غیر اللہ سے مت مانگا کرو اور وہ بھی اپنے اللہ کو ناراض کر کے!

جاحظ لکھتا ہے[۱]

«ولما توفی أبو بکر الصدیق رحمہ اللہ قامت عائشۃ علی قبرہ فقالت: نضر اللہ وجھک وشکر لک صالح سعیک فلقد کنت للدنیا مذلا بادبارک عنھا وللآخرۃ معزا باقبالک علیھا وإن کان لأجل الأرزاء بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رزؤک ولأکبر المصائب بعدہ فقدک إن کتاب اللہ لیعد بجمیل العزاء عنک حسن العوض منک وأنا أستنجز موعد اللہ تعالی بالصبر عنک وأستقضیہ بالاستغفار لک، أما لئن قاموا أمور الدنیا لقد قمت بأمر الدین، لما وھی شعبہ وتفاقم صدعہ ورجفت جوانبہ فعلیک سلام اللہ تودیع غیر قالیۃ لحیاتک ولا زاریۃ علی القضاء فیک»

ترجمہ: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی قبر پر کھڑی ہو گئیں اور فرمایا!

اللہ آپ کے چہرے کو تر و تازہ کرے اور آپ کے نیک اعمال کی آپ کو جزا دے! آپ نے دنیا کو حقیر سمجھتے ہوئے اس سے منہ

---

[۱] البیان ۲/۳۰۲، العقد ۳/۲۴۲، زہر الآداب ۱/۳۲، نہایۃ الارب ۵/۱۶۷

موڑ لیا، اور آخرت پر دھیان دے کر اسے عزیز و محترم جانا! بات یہ ہے کہ اگرچہ آپ کی جدائی کی مصیبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کی مصیبت کے بعد سب سے بڑی ہے اور ان کی وفات کے بعد آپ کی وفات سب سے بڑا غم ہے مگر کتاب اللہ یہ وعدہ کرتی ہے کہ آپ کے بارے میں حسن صبر و تعزیت حسن معاوضہ و بدل کا باعث ہے میں آپ کے متعلق صبر کرتے ہوئے اللہ سے بدلے کی دعا کرتی ہوں اور آپ کی مغفرت کے لئے اس سے دعا کرتی ہوں، لوگ اگرچہ دنیا کے در پے ہیں مگر آپ کا مطمع نظر تو دین تھا دین کے شعبے ڈھیلے پڑ گئے ہیں، اسے ڈھیروں صدمات پہنچے ہیں اور اس کے کنارے لرز اٹھے ہیں، آپ پر اللہ کی سلامتی ہو، ایک ایسی ہستی آپ کو الوداع کہتی ہے جو آپ کی زندگی سے بیزار نہ تھی اور آپ کی موت کو حقیر نہیں جانتی!

۶: عبداللہ بن عباسؓ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ جو عباسی خلفاء کے جد امجد، مفسر قرآن، ماہر لغت و ادب اور مفتی و فقیہ تھے، عرب خطباء میں شمار ہوتے ہیں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "حبر الامۃ" یعنی امت مسلمہ کے عالم کے لقب سے یاد کیا، صحبت نبوی کے علاوہ رفاقت علوی میں بھی رہے اور خطابت و فصاحت بنی ہاشم کا خوب خوب رنگ چڑھا، حیدر کرار رضی اللہ عنہ انہیں خوارج کے ساتھ مناظروں میں بھیجا کرتے تھے۔

جاحظ کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حج کے موقع پر خطبہ دیا جس میں حضرت امیر معاویہؓ اور بنی امیہ کی ستائش میں مبالغہ آرائی کے ساتھ ساتھ جنگ صفین میں اپنے کارناموں کا بھی ذکر کیا، حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"إنك بعت دينك من معاوية فأعطيته ما في يدك ومنّاك ما في يد غيره فكان الذي أخذ منك فوق الذي أعطاك، وكان الذي أخذت منه دون ما أعطيته؛ وكل راضٍ بما أخذ وأعطى، فلما صارت مصر في يدك تتبعك فيها بالعزل والتنقص حتى لو ان نفسك ألقيتها إليه. و ذكرت مشاهدك بصفين فما ثقلت علينا يومئذ وطأتك ولا نكتنا فيها حربك، وإن كنت فيها لطويل اللسان قصير السنان، آخر الحرب إذا أقبلت وأولها إذا أدبرت. لك يدان: يد لا تبسطها إلى خير ويد لا تقبضها عن شر؛ ووجهان: وجه مونس ووجه موحش. ولعمري إن من باع دينه بدنيا غيره لحري أن يطول حزنه على ما باع واشترى. لك بيان وفيك خطل، ولك رأي وفيك نكد، ولك قدر وفيك حسد، فأصغر عيب فيك أكبر عيب في غيرك!"

تم نے اپنا دین امیر معاویہؓ کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے، جو کچھ تمہارے پاس تھا تم نے اسے دے دیا ہے اور اس نے تمہیں ایسی چیز کا وعدہ دیا ہے جو غیروں کے ہاتھ ہے، جو کچھ اس نے تم سے لیا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے، جو تم نے اس سے لیا ہے وہ اس سے کم تر ہے، جو تم نے اسے دیا ہے، پھر دونوں لینے دینے پر مطمئن ہیں، جب مصر تمہارے قبضے میں آگیا، تو وہ وہاں تمہارے درپے ہو گیا کہ تمہیں وہاں سے معزول کر دے اور تمہارے اختیارات کم کر دے، حتیٰ کہ تم وہاں سے خود کو اس کے آگے پھینک دو، تم نے صفین میں اپنے کارناموں کا ذکر کیا ہے مگر

اس روز ہم نے تمہارا دباؤ محسوس نہ کیا، نہ ہم پر تمہارا وار ہو سکا، تم اگرچہ اس جنگ میں طویل زبان والے اور چھوٹے نیزوں والے تھے، آغاز جنگ میں تم سب سے پیچھے تھے، اور آخر جنگ میں سب سے پہلے بھاگنے والے تمہارے دو ہاتھ ہیں، ایک ایسا ہے جسے تم بھلائی کے لئے نہیں بڑھاتے، دوسرا ایسا ہے جسے تم شر سے باز نہیں رکھتے، تمہارے دو چہرے ہیں، ایک انس والا دوسرا وحشت والا، بخدا جو اپنی آخرت کو دوسروں کی دنیا کے لئے فروخت کر دے اسے اپنے سودے پر طویل غم کرنا چاہیے تم خطیب ہو، مگر احمق بھی، تم عاقل ہو مگر قلیل الخیر ہو۔ تمہارا مرتبہ ہے مگر تم حاسد ہو، تمہارا چھوٹا عیب دوسروں کا بڑا عیب ہے

۷۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

حضرت امیر معاویہؓ بن ابی سفیان اموی خلافت کے بانی تھے، اسلام میں ملوکیت کو رواج آپ ہی نے دیا اور خلافت کو جمہوریت کے بجائے موروثی بنا دیا، بڑے حلیم و بردبار اور دور اندیش تھے، یہی ان کی کامیابی کا راز ہے، فصیح و بلیغ خطیب خلفاء میں سے تھے، جدید عرب ماہرین فن خطابت انہیں أخبر خطباء العرب بالنفسيات (نفسیات کے ماہرین عرب خطباء) میں شمار کرتے ہیں۔

یزید کی ولی عہدی پر ناراض ہونے والوں میں مروان بن الحکم بھی تھا، والی مدینہ تھا، انکار بیعت پر معزول ہو کر دمشق آیا اور غیظ و غضب کے عالم میں دربار میں داخل ہوا تو امیر معاویہؓ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تسلی دیتے ہوئے کہا:-

"إن الله قد جعل لكل شيء أصلا وجعل لكل خير أهلا، ثم جعلك في الكرم مني محتدا والعزيز مني والدا، اخترت من قروم قادة ثم استلبت سيد سادة، فأنت ابن ينابيع الكرم فمرحبا بك وأهلا من ابن عم! ... فأنت نظير أمير المؤمنين

وعدته في كل شدة وعضده، والثاني بعد ولي عهده!
فقد وليتك قومك واعظمت في الخراج سهمك! وانا مجيز وفدك ومحسن رفدك وعلى أمير المؤمنين غناك والنزول عند رضاك!"

اللہ نے ہر شی کی ایک اصل بنائی ہے اور ہر بھلائی کا کسی نہ کسی کو اہل بنایا ہے۔ پھر اس نے آپ کو کرامت و بزرگی میں میری اصل بنایا، باپ کے رشتے سے آپ میرے عزیز ہیں۔ میں نے تمام سرداروں کو چنا تو آپ کو کرامت و بزرگی کے سرچشمے سے تعلق رکھتے ہیں اے میرے عم زاد، خوش آمدید! آپ امیر المومنین کے ہم پلہ بجا ہیں، ہر سختی میں ان کا سامان اور سہارا ہیں اور ولی عہد کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے! میں نے آپ کو اپنی قوم کا سرپرست بنا دیا ہے اور خراج میں آپ کا حصہ بھی بڑھا دیا ہے، آپ کے وفد کو انعام بھی دونگا اور اچھے عطیات دونگا، امیر المومنین کے ذمہ ہے کہ آپ غنی رہیں اور آپ کی خوشی کا خیال رکھیں۔

۱۸۔ سید الشہداء حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ باب مدینۃ العلم، امام الخطباء اور شاعر صاحب دیوان تھے، آپ کے سایہ عاطفت میں تربیت پانے والے بھی فصاحت و بلاغت کے رنگ میں رنگے گئے، حضرت سید الشہداء ابو عبد اللہ الحسین بن علی رضی اللہ عنہما بھی انہی خوش نصیبوں میں سے تھے۔ آپ نے اپنے نانا افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پرورش پائی اور شہسوار دوش پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف پایا! اس طرح والد ماجد کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت سے بھی متاثر ہوئے، فصاحت نبوی اور خطابت علوی دونوں نے شہید کربلا کو وارث حقیقی بنا دیا! خلافت یزید کو مسترد کر کے اپنے اسلامی جمہوری روح کو حیات دوام بخش دی ظلم و استبداد سے ٹکرانے والوں کے لیے عزم و استقلال اور ثبات قدمی کی ایک ناقابل فراموش داستان رقم کر گئے۔ عراق

جاتے ہوئے مشہور شاعر فرزدق آپ سے راستے میں ملا اور استفسار پر کہنے لگا:
القلوب معك والسيوف عليك والنصر في السماء، یعنی لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں، تلواریں آپ کے خلاف اور نصرت قدرت کے ہاتھ میں ہے! مگر اس سے آپ کے جوش ایمان اور جذبہ شہادت حق میں اور بھی اضافہ ہوگیا، اس سفر کے دوران اور میدان جہاد میں آپ نے جو خطبات ارشاد فرمائے وہ اہل ذوق کے لیے باعث تسکین اور اہل ایمان کے لیے سبب تقویت ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خطابت کا ایک پہلو حاضر جوابی اور قوت استدلال سے مدمقابل کو لاجواب کرنا ہے، امیر معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے کی مدح میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اسے عالم سنت، قاری قرآن اور حلیم الطبع قرار دیا تو جوش ایمان میں برداشت نہ کر سکے اور تقریر کے لیے کھڑے ہو گئے:

"..... وفهمت ما ذكرته عن يزيد من اكتماله وسياسته لأمة محمد صلى الله عليه وسلم، تريد ان توهم الناس في يزيد كأنك تصف محجوباً او تنعت غائباً! أو تخبر عما كان مما احتويته بعلم خاص... وقد دل يزيد من نفسه على موقع رأيه فخذ ليزيد فيما أخذ به من استقرائه الكلاب المتهارشة عند التحارش والحمام السبق لأترابهن والقينات ذوات المعازف وضروب الملاهي تجده ناصراً، ودع عنك ما تحاول! فما اغناك أن تلقى الله بوزر هذا الخلق بأكثر مما أنت لاقيه... فوالله ما برحت تقدم باطلاً في جور وحنقاً في ظلم حتى ملأت الأسقية وما بينك وبين الموت الا غمضة!"

ترجمہ: آپ نے یزید کے متعلق جو کچھ ذکر کیا ہے کہ وہ صاحب کمال اور امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست سے واقف ہے، میں نے سمجھ لیا ہے، آپ یزید کے بارے میں لوگوں کو غلط تاثر دینا چاہتے ہیں جیسے آپ

کسی پردے میں چھپے ہوئے کی بات کر رہے ہوں یا کسی غیر حاضر شخص کے اوصاف بیان کر رہے ہوں یا کوئی ایسی بات بتا رہے ہوں جس کا علم صرف آپ ہی کے پاس ہے، یزید کا اپنا طرزِ عمل اس کی ذات پر دلیل ہے۔ یزید کے وہی اوصاف بیان کیجئے جو اس نے خود اختیار کر رکھے ہیں وہ تو شکار کے وقت شکاری کتوں کا اندازہ لگاتا رہتا ہے، کبوتروں کا مقابلہ دیکھتا رہتا ہے گانے بجانے والی لونڈیوں کو جانتا ہے اور قسم قسم کے دل لگی کے کھیل اسے خوب معلوم ہیں، ان میں آپ اسے کامیاب پائیں گے مگر اپنی اس کوشش کو جانے دیجئے! اس مخلوق کے بوجھ کی ذمہ داری کے ساتھ اگر آپ اللہ کے حضور میں پیش ہوئے تو کیا کریں گے، آگے ہی آپ پر بوجھ کیا کم ہیں جو آپ اللہ کے حضور اپنے ساتھ لے جاتے ہیں . . . کیونکہ بخدا آپ باطل کو جور کے ساتھ اور ناراضگی اور غصہ کو ظلم کی صورت میں پیش کر کے کنوئیں بھر چکے ہیں، اب تو موت اور آپ کے درمیان آنکھ جھپکنے کا فاصلہ رہ گیا ہے۔

۹: عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بن عوام قریش کے سردار خطباء میں سے تھے ان کے والد حضرت زبیر بن عوامؓ بھی خطیب تھے، جاحظ نے دونوں کے خطبات کے نمونے دئے ہیں، انکی فصیح و بلیغ تقریر سنکر حضرت شہید قرآن ذوالنورینؓ نے فرمایا تھا کہ انکحوا النساء علی آبائھن و اخوتھن، مروان بن الحکم اور عبدالملک بن مروان کے مقابلے میں خلافت کے دعویدار ہوئے اور حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے سولی پر ماں نے بیٹے کی لاش دیکھ کر کہا تھا کہ میرا بیٹا زندہ بھی خطیب تھا مرکر بھی خطیب ہے!

عبدالملک بن مروان کے عمرو بن سعید الاشدق کو قتل کرنے کی خبر سنکر

ابن زبیر خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"إن ابا الذبّان قتل لطيم الشيطان، كَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ"

ابوذبان (گندہ دہن) (کے باپ سے عبدالملک) نے لطیم الشیطان (شیطان کا تھپڑ کھانے والے عمرو بن سعید) کو قتل کر دیا، یوں ہم ظالموں کو ایک دوسرے پر مسلط کرتے ہیں تاکہ اپنے کئے کی سزا پاتے رہیں!۔

۱۰: الاحنف بن قیس التمیمی

جو خوش کلام قائد، سالار اور خطیب تھا، بردباری اور ذہانت میں ضرب المثل تھا۔ فاتح بلخ و ہرات تھا، ہیثم بن عدی کہا کرتا تھا کہ جسم اور شکل کا کوئی بھدا پن ایسا نہ تھا جو اس میں نہ ہو "ولکنه اذا تکلم جلی عن نفسه"، مگر جب بات کرتا تو اپنی شخصیت کو ظاہر کر دیتا، چند لفظوں میں سب کچھ کہہ جاتا تھا۔

"یا بنی تمیم! تحابوا تجتمع کلمتکم وتباذلوا تعتدل أموالكم وابدأوا بجهاد بطونكم وفروجكم يصلح لكم دينكم ولا تغلوا يسلم لكم جهادكم:

بنو تمیم! اتحاد چاہتے ہو تو باہم محبت کرو، اپنی دولت میں توازن چاہتے ہو تو ایک دوسرے پر خرچ کرو، دین کی اصلاح چاہتے ہو تو اپنے پیٹوں اور شرمگاہوں کے خلاف جہاد کرو، خیانت سے باز رہنا تمہارا جذبہ جہاد سلامت رہے گا!

حضرت وحیت پر اس کے خطبے کے چند الفاظ ہیں۔

"یا معشر الأزد وربيعة! انتم اخواننا في الدين وشركاؤنا في الصهر وأشقاؤنا في النسب وجيراننا في الدار ويدنا على العدو

واللہ لأزد البصرة أحب إلينا من تميم الكوفة ولأزد الكوفة أحب إلينا من تميم الشام فإن استشرى شنآنكم وأبى حَسَكُ صدوركم ففي أموالنا وسعة أحلامنا لنا ولكم سعة!

قوم ازد ربیعہ! تم ہمارے دین کے بھائی ہو، ہم باہم شادیوں کے بندھن میں بندھے ہیں، نسب میں بھی تم ہمارے سگے بھائی ہو، ہمارے پڑوسی بھی ہو، دشمن کے خلاف ہمارے دست و بازو بھی، واللہ! ازد بصرہ کوفہ کے بنو تمیم سے ہمیں زیادہ عزیز ہیں، کوفہ کے ازدی ہمیں شام کے تمیمیوں سے زیادہ محبوب ہیں، سو اگر تمہاری عداوت بڑھ گئی ہے اور تمہارے سینوں کی جلن ضد پکڑ رہی ہے تو پھر ہمارے مال و دولت بھی ہماری بردباری کی طرح وسیع ہیں ان میں ہمارے اور تمہارے لئے بہت گنجائش ہے!

۱۱۔ صبرہ بن شیمان الازدی

قبیلہ ازد کا سردار تھا اور جنگ جمل و صفین میں اس نے اپنے قبیلے کی قیادت کی تھی، امیر معاویہ کے ہاں جب قبائل عرب کے خطباء جمع ہوئے تو بنو نزار کے خطباء نے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے، صبرہ بن شیمان کھڑا ہوا اور مختصر ترین لیکن یادگار تقریر کی۔

"یا امیر المؤمنین: إنا حيّ فعال ولسنا حيّ مقال، ونحن نبلغ بفعالنا أكثر من مقال غيرنا!

اے امیر المؤمنین! ہم کام کرنے والا قبیلہ ہیں باتیں بنانے والا قبیلہ نہیں ہیں، ہم اپنے کارناموں میں بلاغت کا جو مظاہرہ کرتے ہیں وہ دوسروں کی زبانی بلاغت سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے!

۱۲۔ سحبان وائل:۔

عربی زبان کے علاوہ فارسی و اردو میں جو خطیب ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے وہ ہے سحبان بن زفر بن ایاد وائلی جس نے زمانہ جاہلیت اور اسلام کا زمانہ بھی پایا، اسلام لانے کے بعد حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ منسلک ہو گیا اور مختلف مواقع پر ان کے درباری خطیب کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ ایک موقع پر خراسان سے وفد آیا جس میں سعد بن عثمانؓ بن عفان بھی تھے، اس موقع پر سحبان نے جو خطبہ دیا وہ صبح سے لیکر شام تک جاری رہا، اس دوران میں نہ تو وہ کھانسا، نہ رکا اور نہ رفتار گفتار میں سستی آئی، آخر میں امیر معاویہؓ نے جب کہا کہ اخطب العرب (تو عرب کا سب سے بڑا خطیب ہے) تو اس نے کہا تھا کہ انا أخطب العجم والجن والإنس! سحبان کا ایک خطبہ ہے:۔

"إن الدنيا دار بلاغ والآخرة دار قرار، أيها الناس! فخذوا من دار ممركم لدار مقركم، ولا تهتكوا أستاركم عند من لا تخفى عليه أسراركم وأخرجوا من الدنيا قلوبكم قبل أن تخرج منها أبدانكم ففيها حييتم ولغيرها خلقتم إن الرجل إذا هلك قال الناس: ما ترك؟ وقال الملائكة ما قدم؟ فقدموا بعضا يكون لكم ولا تخلفوا كلا يكون عليكم"

یہ دنیا عارضی گھر ہے اور آخرت تو قرار کی جگہ ہے، لوگو! اس گزرگاہ والے گھر سے قرار والے گھر کے لئے کچھ کر لو، اس ذات کے سامنے اپنے اسرار کا پردہ نہ چاک کرو جس پر تمہارے اسرار مخفی نہیں رہ سکتے، اپنے دل دنیا سے اٹھا لو، اس سے پہلے کہ تمہارے جسم دنیا سے اٹھائے جائیں، اس دنیا میں تم زندہ رہے مگر پیدا ایک اور دنیا کے لئے کئے گئے ہو۔ آدمی جب مرتا ہے تو لوگ کہتے ہیں: وہ کیا چھوڑ گیا! ملائکہ کہتے ہیں: اس نے آگے کیا بھیجا! کچھ آگے بھی بھیجو جو

تمہارے کام آئے سب کچھ پیچھے مت چھوڑ جاؤ جو تم پہ بوجھ بن جائے۔

۱۳: زیاد بن ابی سفیان

زیاد بن ابی سفیان یا زیاد بن عبید جسے محتاط لوگ کبھی ماں کی نسبت سے زیاد بن سمیہ کہتے ہیں اور کبھی ابن امیہ، ایک عبید نامی غلام کا بیٹا تھا، اس کے بارے میں عمرو بن العاص کہا کرتے تھے "للہ هذا الغلام لو كان أبوه من قريش لساق الناس بعصاه" کہ اگر یہ قریش کا بیٹا ہوتا تو لوگوں کو لاٹھی سے جانوروں کی طرح ہانک لیتا۔

زیاد ایک عرصہ تک خراسان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا گورنر بھی رہا، پھر امیر معاویہ کی طرف سے عراق و خراسان کا والی رہا۔ زیاد کہا کرتا تھا "لو ضاع حبل بيني وبين خراسان لعرفت آخذه" اگر خراسان کے دور دراز علاقوں میں رسی بھی گم ہو جائے تو میں چرانے والے کو پکڑ لوں گا، اس کی فصاحت کا یہ عالم تھا کہ بقول جاحظ الشعبی کہا کرتے تھے کہ میں نے جب بھی منبر پر کسی خطیب کی اچھی تقریر سنی تو اس خوف سے کہ وہ لمبی بری تقریر نہ کرے اس کے خاموش ہونے کی دعا کرتا تھا سوائے زیاد کے، کہ وہ جیسے جیسے زیادہ بولتا فصاحت کے دریا بہاتا جاتا تھا:

وہ اپنے خطبہ بتراء (جس میں حمد و ثنا نہ پڑھی جائے) میں کہتا ہے

أما بعد فإن الجهالة الجهلاء والضلالة العمياء والغي الموفي
بأهله على النار ما فيه سفهاؤكم ويشتمل عليه حلماؤكم
من الأمور العظام ينبت فيها الصغير ولا يتحاشى عنها
الكبير كأنكم لم تقرؤوا كتاب الله ولم تسمعوا ما أعد
الله من الثواب الكريم لأهل طاعته والعذاب الأليم
لأهل معصيته في الزمن السرمدي الذي لا يزول،
إنه ليس منكم إلا من طرفت عينه الدنيا وسدت
مسامعه الشهوات واختار الفانية على الباقية۔

سب سے بڑی جہالت، اندھی گمراہی اور لوگوں کو جہنم میں لے جانے والی بے راہ روی وہ ہے جس میں تمہارے احمق ڈوبے ہوئے ہیں اور اہل عقل بھی ملوث ہیں، بڑی باتوں سے چھوٹی باتیں پیدا ہوتی ہیں اور بڑی بھی پیدا ہو سکتی ہیں، یوں لگتا ہے نہ تم نے کتاب اللہ پڑھی

نہ تم نے وہ ثواب عظیم سنا ہے جو اللہ نے اہل اطاعت کے لئے تیار کیا ہے اور نہ وہ عذاب الیم جانا ہے جو اس نے نافرمانوں کے لئے تیار کر رکھا ہے، یہ اس غیر فانی دنیا میں ہوگا جسے فنا نہیں، تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کی نظر کو دنیا اچھی نہ لگی ہو، ہوس نے اس کے کان نہ بند کئے ہوں اور دائمی زندگی پہ فانی کو ترجیح نہ دی ہو!

۱۴:- حجاج بن یوسف ثقفی

حجاج دنیا کے جابر حکمرانوں میں سے ایک، اموی سلطنت کا معمار اور عرب کا عظیم خطیب تھا، بقول احمد الاسکندری: "كان الحجاج آية في البلاغة وفصاحة اللسان وقوة الحجة" بلاغت، فصاحت زبان اور قوت حجت میں حجاج ایک نشانی تھا، قرآن کریم پر نقطے و حرکات لگوائے، عربی کو سرکاری دفتری زبان بنایا، ابن زبیر کو قتل کر کے عبدالملک کی سلطنت کو ثبات و دوام بخشا، اس کے مظالم سن کر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، عراق کا والی بن کر آیا تو نقاب پہنے ہوئے تھا، منبر پر نقاب کھولا اور بولا:-

أنا ابن جلا وطلاع الثنايا   متى أضع العمامة تعرفوني

میں جلا کا بیٹا اور پہاڑوں کو روندنے والا ہوں، عمامہ اتاروں گا تو مجھے پہچان لوگے پھر کہا:-

يا أهل الكوفة! إني لأرى رؤوسا قد أينعت وحان قطافها
وإني لصاحبها وكأني أنظر إلى الدماء بين العمائم
واللحى:-

کوفہ والو! مجھے کچھ سر نظر آرہے ہیں جو پک چکے ہیں اور انہیں کاٹنے کا وقت آگیا ہے اور یہ کام میں کروں گا، مجھے عماموں اور ڈاڑھیوں کے درمیان خون نظر آرہا ہے! اسی خطبے میں حجاج نے کہا۔

إني والله يا أهل العراق يا أهل الشقاق والنفاق ومساوئ الأخلاق! ما أغمز تغماز التين ولا يقعقع لي بالشنان، ولقد فررت عن ذكاء وفتشت عن تجربة وجريت من الغاية إن أمير المؤمنين كب كنانته ثم عجم عيدانها فوجدني أمرها عودا وأصلبها عمودا فوجهني إليكم فإنكم طالما أوضعتم في الفتن واضطجعتم في مراقد الضلال وسننتم سنن الغي، أما والله لألحونكم لحو العصا ولأعصبنكم عصب السلمة ولأضربنكم ضرب غرائب الإبل!

اے افتراق و نفاق اور بد اخلاقی کے مالک عراقیو! نہ تو مجھے دبایا جا سکتا ہے نہ دھمکایا جا سکتا ہے۔ مجھے بڑی ذہانت اور تجربے کے بعد تلاش کیا گیا ہے، امیر المؤمنین خدا ان کی عمر دراز کرے نے اپنے ترکش کے تمام تیر اپنے سامنے پھیلائے، ان کی لکڑی کو ٹٹولا تو انہیں پتہ چلا کہ میری لکڑی سب سے تلخ اور مضبوط ترین ہے چنانچہ یہ تیر انہوں نے تمہیں دے مارا ہے! مدتوں سے تم فتنہ پردازی میں تیزی دکھاتے رہے ہو اور گمراہی کے بستروں پر لیٹتے رہے ہو اور کج روی کے طریقے ایجاد کرتے رہے ہو! اللہ کی قسم! میں تمہیں لاٹھی کی طرح گھڑ کر سیدھا کر دوں گا اور تمہاری یوں کھال اتاروں گا جس طرح کیکر کی چھال اتاری جاتی ہے، میں تمہیں اس طرح ماروں گا جس طرح بھاگتے ہوئے اونٹوں کو مارا جاتا ہے!

۱۵:- قتیبہ بن مسلم الباہلی:

اموی عہد خلافت کے عظیم سپہ سالار خطباء میں قتیبہ بن مسلم کا مقام بہت بلند ہے، وہ ایک کامیاب جرنیل اور عظیم فاتح تھا، خطابت میں اس کی حاضر جوابی اور جوش بیان کو ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے، خطبہ کے دوران اس کے ہاتھ

سے عصا گر پڑا جسے بدفالی تصور کرتے ہوئے دوست غمگین ہوئے اور دشمن خوش ہوئے مگر اس نے حاضر جوابی سے کام لیتے ہوئے یہ شعر پڑھ کر بات کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔

فألقت عصاها واستقر بها النوى ۔ کما قر عینا بالإیاب المسافر!

سو اس نے عصا رکھ دیا اور اس کی دوری و جدائی ختم ہو گئی تو اسے یوں قرار آ گیا جس طرح کوئی مسافر وطن لوٹ کر آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کرتا ہے!

قتیبہ کے ایک مشہور خطبے کا حصہ ہے:

یا أهل العراق: ألست أعلم الناس بكم: أما هذا الحي من أهل العالية فنعم الصدقة وأما هذا الحي من بكر بن وائل فعلجة بظراء لا تمنع رجليها وأما هذا الحي من عبد القيس فما ضرب العير بذنبه وأما هذا الحي من الأزد فعلوج خلق الله وأنباطه. ايم الله لو ملكت أمر الناس لنقشت أيديهم وأما هذا الحي من تميم فإنهم كانوا يسمون الغدر في الجاهلية كيسان:

اے عراق والو! تمہیں مجھ سے بہتر کون جانتا ہوگا؟! یہ قبیلہ جو بالائی علاقے میں رہتا ہے تو یہ لوگ صدقے کے اونٹوں کی طرح منتشر مگر موٹے تازے ہیں! رہے بنو بکر بن وائل تو وہ اس گدھی کی مانند ہیں جو اپنی ٹانگوں کو بھی نہیں سنبھال سکتی! رہے بنو عبد القیس تو وہ بھی جنگلی گدھے کی دم کی مار کی طرح ذلیل ہیں، یہ قبیلہ ازد تو اللہ کی مخلوق کے گدھے اور علی جلی قوم ہیں! اللہ کی قسم! اگر میں برسر اقتدار آ گیا تو لوگوں کے ہاتھوں پر پہچان کے لئے نشان لگا دوں گا، یہ بنو تمیم تو وہ ہیں جو زمانہ جاہلیت میں غداری کو ہوشیاری کا نام دیا کرتے تھے!

۱۶۔ عکرشہ بنت اطرش

اس عہد کی خواتین خطباء میں عکرشہ بنت اطرش کا نام بہت نمایاں ہے، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پیروکار خطباء میں شامل تھیں اور علوی افواج کو معرکۂ قتال میں کود پڑنے پر جوش دلاتی تھیں، جنگ صفین کے موقع پر انہوں نے اپنے خطبے میں کہا تھا:-

"ایها الناس: علیکم أنفسکم لو یضرکم من ضل اذا اهتدیتم! إن الجنة لو یرحل من أوطنها ولو یهرم من سکنها ولو یموت من دخلها! فابتاعوها بدار لو یدوم نعیمها ولا تنصرم همومها! وکونوا قوما مستبصرین فی دینهم مستظهرین بالصبر علی طلب حقهم"

لوگو! تم اپنی ذات کے ذمہ دار ہو پھر اگر تم راہ راست پر ہوگے تو تمہیں کسی کی گمراہی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ جنت ایک ایسا مقام ہے جسے وطن بنانے والا کبھی کوچ نہیں کرے گا، وہاں کا باشندہ کبھی بوڑھا نہ ہوگا اور اس میں داخل ہونے والوں کو کبھی موت نہیں آئے گی اس جنت کو ایسی دنیا کے بدلے خرید لو جس کی نعمتوں کو دوام نہیں، جس کے غم ٹل ہی نہیں سکتے، تم ایک ایسی قوم بن جاؤ جسے اپنے دین میں بصیرت حاصل ہو اور اپنے حق کی طلب میں جو صبر سے کام لے کر غالب آجائیں!

۱۷۔ داؤد بن علی:

عباسی عہد کے خطباء میں داؤد بن علی سب سے نمایاں تھے، وہ حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے اور پہلے عباسی خلیفہ ابو العباس السفاح کے چچا تھے، عباسی خلافت کے قیام کے بعد حج کے موقع پر انہوں نے اپنے خطبے میں کہا تھا۔

"شکراً شکراً! إنا والله ما خرجنا لنحفر فیکم نهراً ولا لنبنی فیکم قصراً. أظنّ عدوُّ الله أن لن نقدر علیه أن روخی من خطامه حتی عثر فی فضل زمامه؟ فالآن حیث أخذ القوس باریها وعادت القوس إلی النزعة ورجع الملك فی نصابه فی أهل بیت النبوة والرحمة والله لقد کنا نتوجع لکم ونحن فی فرشنا، امن الأسود والأحمر، لکم ذمة الله، لکم ذمة رسول الله صلی الله علیه وسلم، لکم ذمة العباس، لو ورب هذه البنیة، وأومأ بیده إلی الکعبة لو نهیج منکم أحداً!"

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے! اللہ کی قسم ہم اس لئے نہیں نکلے کہ تم میں خون کی ندی بہائیں یا تمہاری بڑیوں پر محل تعمیر کریں! کیا اللہ کے دشمن نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم اس پر کبھی غالب نہیں آئیں گے! اگر اس کی نکیل ڈھیلی پڑ گئی تو بالآخر وہ اپنی مہار میں ہی الجھ گیا۔ اب جبکہ کمان کو تیر اندازوں نے پکڑ لیا ہے اور وہ ان کے قابو میں ہے، سلطنت اپنی جگہ لوٹ آئی ہے یعنی اہل بیت نبوت و رحمت کے پاس! اللہ کی قسم! ہم اپنے بستروں پر بھی تمہارے درد اٹھاتے تھے۔ اب سیاہ و سفید محفوظ ہے، آپ کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت ہے، عباسؓ کی ضمانت ہے! اس عمارت (کعبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے رب کی قسم! ہم تم میں سے کسی کو پریشان نہیں کریں گے۔!

۱۸۔ شبیب بن شیبہ المنقری

عباسی عہد کا دوسرا بڑا خطیب شبیب بن شیبہ تھا جسے خطیب البصرہ کہا جاتا تھا۔ ابو جعفر منصور اور اس کے بیٹے مہدی کا مقرب تھا، اس کے مختصر خطبات حسن اسلوب اور معانی کی گہرائی کے لحاظ سے سہل ممتنع کے درجے کو پہنچتے ہیں۔ خلیفہ مہدی کی

پیاری بیٹی بالوقہ کی وفات پر خوبصورت خطبہ تعزیت میں کہا۔

"أعطاك الله يا أمير المؤمنين على ما رزئت أجرا وأعقبك صبرا ولا أجهدك الله بلاء بنقمة ولا نزع منك نعمة، ثواب الله خير لك منها ورحمة الله خير لها منك، وأحق ما صبر عليه ما لا سبيل إلى رده!"

امیر المومنین اللہ آپ کو اس مصیبت پر اجر دے، اور اس کے بعد صبر عطا کرے! اللہ تعالیٰ ناراضگی سے تیری آزمائش کو بوجھل نہ بنائے اور نہ تجھ سے نعمت چھینے! اس بچی سے تیرے لئے اللہ کا عطا کردہ ثواب بہتر ہے، اور اس بچی کے لئے تجھ سے اللہ کی رحمت بہتر ہے! جس چیز کو واپس لانا ممکن نہ ہو اس پر صبر کرنا ہی بہتر ہے!

۱۹۔ ابوالحسن ابن شریح الاندلسی

اسلامی اندلس کا عربی ادبیات میں ایک خاص مرتبہ ہے، دیگر فنون کی طرح عربی خطابت نے بھی اندلس میں جڑ پکڑی اور بہت ترقی کی، اندلس نے جو عظیم خطباء پیدا کئے ان میں سے ایک قاضی ابوالحسن ابن شریح الخطیب بھی تھے، مرابطین کے عہد میں اس عظیم خطیب نے بہت نمایاں اسلامی خدمات انجام دیں۔ الکلاعی لکھتے ہیں کہ ابن شریح نے فن خطابت کو نئی آن بان عطا کر دی تھی:

"لكنه أجاد جدته وبهاءه، وملك أرضه وسماءه"

انہوں نے اس فن کی جدت اور رونق کو دوبارہ زندہ کر دیا اور اس کے عرش و فرش کے مالک بن گئے!"

امیر المومنین علی بن یوسف بن تاشفین کی موجودگی میں اپنے ایک خطبے میں قاضی ابوالحسن ابن شریح نے کہا تھا۔

"فحق على كل مسلم الوفاء لهم بالعهد، وبذل التضحية على القريب والبعد، والتزام طاعتهم بمنتهى الطاقة والجهد

فمن أوفى بعهده فله أجره فمن نكث فعليه وزره"

مرابطین کا وفادار رہنا ہر مسلمان کا فرض ہے، دور و نزدیک ان کیلئے قربانیاں دینا، انتہائی قدرت اور استطاعت سے ان کی اطاعت کو لازمی جاننا ضروری ہے۔ تو اب جو اپنا عہد وفا کرے گا اجر پائے گا اور جو عہد شکنی کرے گا اپنی گردن پہ گناہ کا بوجھ اٹھائے گا۔"

۲۰: ابوعبداللہ ابن الفخار الاندلسی

اسلامی اندلس میں عربی خطابت کا ایک اور قابل ذکر نام شیخ ابوعبداللہ محمد ابن الفخار کا ہے، عدالتی خطبات یا الزام و مدافعت کے سلسلے میں وکیلوں کی تقاریر بھی خطبات کے زمرے میں آتی ہیں، یوسف بن تاشفین کے دربار میں انہوں نے قاضی "القاضی الوحیدی" کے دفاع میں جو تقریر کی تھی وہ عربی خطابت کے شہ پاروں میں شمار ہوتی ہے، ابن الفخار نے کہا تھا۔

"إنه لمقام كريم بدا أثيه بحمد الله على الذنوب منه ونصلي على خيرة أنبيائك محمد الهادي إلى الصراط المستقيم وعلى آله وصحبه نجوم الليل البهيم. أما بعد: فإن الحمد لله الذي اصطفاك للمؤمنين أميرا، وجعلك للدين الحنيفي نصيرا وظهيرا، وإن نفزع إليك مما دهمنا في حماك ونبث إليك ما لحقنا من الضيم ونحن تحت ظل علاك ويأبى الله أن يدهم من احتمى بأمير المسلمين ويصاب بضيم من أدرع بحصنه الحصين. الشكوى قمت بها بين يديك الذي عضده مؤيده لتسمع منه ما تخبره برأيك وتنقده، وإن قاضيك ابن الوحيدي الذي قدمته في مالقة للأحكام ورضيت بعد له فيمن بها من الخاصة والعوام لم يزل يدل على حسن اختيارك بحسن سيرته ويرضي الله تعالى ويرضي الناس بظاهره وسريرته ما علمنا عليه من سوء ولا دريناله موقف خزي.

• رقت خیزو؛

یہ ایک عزت کا مقام ہے، ہم یہاں اللہ کی حمد سے بات شروع کرتے ہیں۔ اس نے ہمیں اس مقام کا قرب بخشا، اس کے افضل الانبیاء ہادی صراط مستقیم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل و اصحاب پر درود بھیجتے ہیں جو تاریک رات کے روشن ستارے ہیں، اس کے بعد ہم اس خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں جس نے آپ کو مومنین کا امیر اور دین حنیف کا ناصر و مدد گار بنایا ہے، ہم ان چیزوں سے آپ کی پناہ میں آتے ہیں جو آپ کی سلطنت میں ہمارے لئے پریشان کن ثابت ہوئیں، ہم پر جو ظلم ہوئے ان کے متعلق آپ سے فریاد کرتے ہیں، ہم آپ کے سایہ عالی میں ہیں، ہم پر جو ظلم ہوئے ان کے متعلق آپ سے فریاد کرتے ہیں، ہم آپ کے سایۂ عاطفت میں ہیں، اللہ کو یہ گوارا نہیں کہ امیر المسلمین کی حمایت میں آنے والا پریشان ہو، اور آپ کے محفوظ قلعے کی زد میں رہنے والا ظلم کا شکار ہو، میں ایک شکوہ لیکر آپ کے حضور میں کھڑا ہوں جس کا تعلق آپ کے اس حکم سے ہے جس کو قوت و تائید حاصل ہے، آپ اسے سماعت فرمایئے اور اپنی عقل و رائے سے اس کو جانچئے اور پرکھئے۔ آپ کے قاضی وحیدی جسے آپ نے مالقہ میں فیصلے کرنے کے لئے متعین فرمایا تھا اور خاص و عام کے ساتھ اس کے انصاف سے آپ بہت خوش ہوئے تھے، وہ اپنے حسن سیرت سے آپ کے حسن اختیار پر دلالت کرتا رہا، اپنے ظاہر و باطن سے اللہ اور اس کی مخلوق کو راضی اور مطمئن کرتا رہا۔ ہمیں اس کی کوئی ایسی بات معلوم نہیں ہو سکی جو باعث رسوائی و بدنامی ہو!

۲۱:- ابن نباتۃ الفارقی

عربی خطابت میں مسجع و مقفیٰ خطبات کا بھی بہت رواج رہا ہے اسلئے

عظیم خطباء کے سجع و قافیہ میں بر جستگی کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا، چوتھی صدی ہجری کے ایک خطیب ایسے ہوئے ہیں جو مسجع و مقفیٰ خطابت میں تصنع و تکلف کو روا رکھتے تھے، یہ تھے شام کے ایک خطیب شیخ محمد ابن نباتۃ الفارقی جن کے خطبات جمعہ و عیدین کا ایک مجموعہ بہت مقبول ہے اور "خطب ابن نباتۃ" کے نام سے متداول ہے۔

۲۲۔ جمال الدین افغانیؒ

اتحاد اسلام کی عظیم دعوت کے عظیم علمبردار علامہ جمال الدین افغانی اسلامی خطابت کی تاریخ میں ایک روشن باب کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ صرف خطیب ہی نہیں خطیب گر بھی تھے، قیام مصر کے دوران فن خطابت کی تربیت کے لئے انہوں نے متعدد کلب اور انجمنیں قائم کی تھیں، سید عبداللہ ندیم، شیخ محمد عبدہ اور علامہ رشید رضا وغیرہ اپنے عہد کے عظیم خطباء انہی کے خوشہ چیں اور تربیت یافتہ تھے، مصر کی عظیم جنگ انقلاب جو احمد اعرابی پاشا کی قیادت میں برپا ہوئی تھی اس افغانی خطابت کا نتیجہ تھی، شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے ؎

سید السادات مولانا جمال
زندہ از گفتار او سنگ و سفال

۲۳۔ شیخ محمد عبدہٗ

جدید مصر کی تعمیر میں جن لوگوں نے اپنا مخلصانہ خون جگر صرف کیا اور معاشرتی مصلحین میں شمار ہوئے ان میں شیخ محمد عبدہٗ کا نام بڑی عظمت و وقار کا مستحق ہے سید جمال الدین افغانی کے شاگرد، پیروکار اور بہترین یادگار تھے، مصر کے مفتی اعظم ہوئے اور جامعۃ الازہر کی اصلاح کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، وہ جتنے فصیح و بلیغ کاتب و ادیب تھے اتنے ہی فصیح و بلیغ خطیب بھی تھے۔

۲۴۔ مصطفیٰ کامل

جدید عربی خطابت میں جو نام ناقابل فراموش ہیں ان میں سے ایک عظیم

مصری قائد مصطفیٰ کامل (م ۱۸۷۴ - ۱۹۰۸ء) جس فرانس سے قانون کی تعلیم حاصل کرنے والا بڑا لیڈر، جو جوانی ہی میں وفات پا گیا، جب آزاد جمہوری فضا سے واپس آیا تو ایک فولادی عزم اور شعلہ جوالہ بن کر، الحزب الوطنی کے نام سے سیاسی جماعت بنائی اور اخبار "اللواء" جاری کیا، ۱۹۰۷ء میں اسکندریہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"إن العامل الواثق من النجاح يرى النجاح أمامه كأنه أمر واقع، ونحن نرى من الآن هذا الاستقلال المصري ونبتهج به ونتعجله كأنه حقيقة ثابتة وسيكون كذلك لا محالة! فمهما تعددت الليالي وتعاقبت الأيام وأتى بعد الشروق شروق وأعقب الغروب غروب فإننا لا نمل ولا نقف في الطريق ولا نقول أبداً! لقد طال الانتظار! إننا وجهنا قلوبنا ونفوسنا وقوانا وأعمارنا إلى أشرف غاية اتجهت إليها الأمم في ماضي الأيام وحاضرها وأعلى مطلب نرى إليه في مستقبلها فلا الدسائس تخيفنا ولا التهديدات تعقنا في طريقنا ولا الشتائم تؤثر فينا ولا الخيانات تزعجنا ولا الموت نفسه يحول بيننا وبين هذه الغاية التي تصغر بجانبها كل غاية!"

جس کارکن کو اپنی کامیابی کا پختہ یقین ہوتا ہے وہ کامیابی کو مجسم اپنے سامنے ایک امر واقعی کی طرح دیکھ لیا کرتا ہے! اس لئے ہمیں تو مصر کی یہ آزادی و استقلال ابھی سے نظر آ رہا ہے اور ہم اس پر خوشیاں منا رہے ہیں، ہم تو اس کی دعوت اس طرح دے رہے ہیں کہ جیسے یہ ایک حقیقت ثابتہ ہے اور لامحالہ یہ یونہی ہونے والا ہے! راتیں خواہ کتنی ہی بڑھتی جائیں، گردش ایام کتنی ہی

تیز ہوتی جائے، کتنے ہی سورج نکلیں اور کتنے ہی سورج ڈوبیں مگر ہم تھک کر اپنی راہ آزادی میں رکنے والے نہیں ہیں! ہم یہ ہرگز نہیں کہیں گے کہ، انتظار کی گھڑیاں طویل ہوگئیں! ہم نے اپنا دل و جان اپنی تمام قوتیں و صلاحیتیں اور زندگیاں ایک ایسے اعلیٰ ترین مقصد کے لیے وقف کر دی ہیں، ماضی و حال میں کئی اقوام اس مقصد کے لیے کوشاں رہی ہیں، یہی وہ منزل تھی جو قوموں کے مستقبل کا مرکز امید تھی! دسیسہ کاریاں ہمیں ہرگز نہیں ڈرا سکتیں دھمکیاں ہماری راہ نہیں روک سکتیں، گالیاں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں نہ غداریاں ہمیں پریشان کر سکتی ہیں اور نہ موت ہمارے اور اس مقصد کے درمیان حائل ہو سکتی ہے جس کے مقابلے میں تمام مقاصد ہیچ ہیں!

۲۵۔ آنسہ میّ

جدید مصر نے جو فاضل اور باہمت خواتین پیدا کی ہیں ان میں مشہور صحافی کارکن اور خطیبہ آنسہ میّ کا مقام بہت بلند ہے وہ ایک مؤثر اسلوب کی مالک خطیبہ بھی تھیں اور پرکشش انداز تحریر رکھنے والی ادیبہ بھی، اخوت کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے انہوں نے کہا تھا،

"إن كلمة الإخاء ينادي بها دعاة الإنسانية في عصرنا ليست ابنة اليوم فحسب بل هي ابنة جميع العصور وقد برزت إلى الوجود منذ شعر الإنسان بأن بينه وبين الآخرين اشتراك فكرة أو عاطفة أو منفعة وبأنهم يشبهونه رغبات واحتياجات وميولاً يجب أن يتألم المرء ليدرك عذوبة الحنان! يجب أن يحتاج إلى الآخرين ليفهم كم يحتاج غيره إليه! يجب أن يرى حقوقه مهضومة يزدري بها ليفهم أن حقوق الغير مقدسة يجب احترامها يجب أن يرى نفسه وحيداً ملتاعاً دامي الجراح ليعرف نفسه أولاً ثم يعرف غيره

فیستخرج من هذا التعارف العمیق معنی التعاون والتعاضد
کذلک ارتقی معنی الإخاء بارتقاء الإنسان ؏

اخوت کا لفظ، جس کا پرچار ہمارے زمانے میں انسانیت کے علمبردار
کیا کرتے ہیں، آج کی پیداوار نہیں ہے بلکہ یہ تو تمام زمانوں میں
موجود رہا ہے، یہ لفظ تو اسی وقت سامنے آگیا تھا جب سے انسان
نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس کے اور دوسرے انسانوں کے درمیان
فکری، جذباتی اور مفاداتی اشتراک پایا جاتا ہے۔ اور یہ کہ وہ بھی اسی
جیسی خواہشات، ضرورتیں اور میلانات رکھتے ہیں، انسان کو درد
میں مبتلا ہونا چاہیئے تاکہ وہ تڑپ کی لذت کا ادراک کر سکے۔ اسے
دوسروں کا محتاج ہونا چاہیئے تاکہ اسے یہ معلوم ہو سکے کہ دوسرے
اس کے کس قدر محتاج ہیں، وہ اپنے حقوق کو کچلا اور تحقیر کا شکار
ہوتا دیکھے تاکہ وہ یہ بات سمجھ سکے کہ دوسروں کے حقوق بھی مقدس
ہیں اور ان کا احترام کیا جانا چاہیئے، اسے تنہائی کی جلن اور خون
بہتے ہوئے زخموں سے دوچار ہونا چاہیئے تاکہ وہ سب سے پہلے
تو خود کو پہچانے پھر دوسروں کو جانے! اس گہرے تعارف و واقفیت
سے ہی تعاون اور باہمی سہارا دینے کا مفہوم برآمد ہوگا، بالغرض
یوں انسانی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اخوت کا مفہوم بھی ترقی
کرتا رہا ہے! ؏

۲۶: سعد زاغلول پاشا:

مصر کی جدید سیاسی تاریخ کے سب سے بڑے لیڈر اور آزادیٔ مصر کے نڈر
مجاہد سعد زاغلول پاشا جدید عرب دنیا کی سیاسی و پارلیمانی خطابت میں بہت
اونچا مقام رکھتے ہیں، وہ مصر کے وزیر اعظم بھی رہے ہیں، مصری پارلیمان سے
خطاب کرتے ہوئے بادشاہ نے ایک لفظ استعمال کیا جس کی وضاحت

مانگی گئی تو سعد زاغلول پاشا نے حاضر جوابی سے کام لیتے ہوئے
اپنی تقریر میں کہا تھا:۔

«أرید أن أقول إننا نحن الوزراء لسنا أجانب عنکم إنما نحن قسم
منکم قسم من البرلمان تخصص لتنفیذ أفکاره وآرائه
والتعبیر عنها. فهو فی خطبة العرش إنما یعبر عن أفکارکم
أی أن الوزارة فی خطبة العرش تعبر عن أفکار البرلمان وآرائه
فإن کانت أحسنت التعبیر فیها ونعمت! وإن لم تکن قد أحسنت
التعبیر فالبرلمان یرد بما یدل علی أنها لم تحسنه هذا الرد
قد یکون تعدیلا وقد یکون تفسیرا وقد یکون تأویلا
کل هذه عبارات معناها أن الوزارة التی تولت وضع هذا
الخطاب وتولت التعبیر عن أفکار البرلمان قد أساءت التعبیر
عنه، فإذا کان الأمر کذلک فالوزارة التی تخصصت
للتعبیر عن أفکار البرلمان وتنفیذ آرائه لا یمکنها أن تبقی
بعد هذا فی مراکزها! ؏

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہم وزراء آپ کے لیے کوئی اجنبی نہیں
ہیں، ہم بھی آپ ہی میں سے ہیں۔ ہم بھی پارلیمان کا حصہ ہیں جو
پارلیمان کے افکار اور آراء کو عملی شکل دینے کے ذمہ دار ہیں اور
اس کے ترجمان ہیں، شاہی خطاب میں بھی ہم نے آپ کے خیالات
کی ہی ترجمانی کی ہے یعنی بادشاہ کی تقریر میں وزارت نے پارلیمان
کے خیالات و آراء کی ترجمانی کی ہے تو اب اگر ترجمانی اچھی ہوئی ہے
تو بہتر ہے اور اگر اچھی ترجمانی نہیں کی تو پارلیمان کو یہ کہنے کا حق
ہے کہ وزارت نے ترجمانی درست نہیں کی، یہ بات تصحیح، تفسیر یا
تاویل کہلا سکتی ہے، یہ سب اظہار کے طریقے ہیں جس کا مطلب

یہ ہے کہ جو وزارت یہ تقریر تیار کرنے کی ذمہ دار تھی اور پارلیمان کی ترجمانی کا کام اس کے سپرد تھا اس نے صحیح صحیح ترجمانی نہیں کی، اس لئے اگر بات یہی ہے تو جس وزارت کا کام پارلیمان کے خیالات و آراء کی ترجمانی تھی اور انہیں عملی شکل دینا بھی اس کے سپرد تھا اسے اپنے عہدوں پر کام کرنے کی اجازت نہیں ہوگی!"

۲۷:۔ علامہ مصطفیٰ المراغی

الازہر یونیورسٹی نے جو علماء پیدا کئے اور وہ علم و فضل کی دنیا میں زندہ نقوش چھوڑ گئے ان میں سے ایک علامہ محمد مصطفیٰ المراغی بھی تھے، وہ ادیب خطیب، مفسر قرآن اور شیخ الازہر بھی تھے، جامع الازہر کے منبر پر انہوں نے ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ کو خطبہ جمعہ میں فرمایا تھا۔

"إنّ الدين أيها المسلمون! مهما امتدت آفاقه وتأول فيه المتأولون لا يحتمل هذه البوائق ولا هذا الإلحاد ولا هذه الإباحية الجامحة ولا هذه الشهوات التي لا تقف عند حد، وإنما يحتمل مدنية فاضلة تقوم على علم كامل وعمل صالح وخلق فاضل كريم يحتمل التمتع بزينة الله وما هيأ لعباده من طيبات، يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث! هذا هو الإسلام أيها المؤمنون! فسارعوا إلى مغفرة من ربكم وأنقذوا الناس من أسباب الدمار والتهلكة واعلموا أن الله أهلك الأمم الغابرة لأقل من هذه الشرور والآثام:

مسلمانو! یہ دین اسلام، اس کے آفاق خواہ کتنے بھی وسیع ہوں اور تاویلیں کرنے والے اس میں کیسی ہی تاویلیں کر لیں ہرگز کی ان کو ششوں الحاد، اس منہ زور اباحیت اور ان ہوس پرستیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا جن کی کوئی حد نہیں، یہ دین اگر متحمل ہے تو فاضلانہ تمدن کا

جس کی اساس علم کامل، عمل صالح اور کریمانہ حسن اخلاق ہو، یہ دین اللہ کی زینت اور ان طیبات کا متحمل ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے مہیا کر دی ہیں اللہ ان بندوں کو نیکی کا حکم دیتا ہے بدی سے روکتا ہے، اس نے طیبات کو ان کے لئے حلال کر دیا ہے اور خبائث یا گندی چیزوں کو حرام کر دیا ہے۔ تو یہ ہے اسلام اے ایمان والو! اس لئے اپنے رب کی بخشش کی جانب تیزی سے لپکو، انسانیت کو تباہی اور ہلاکت سے نکالو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ ان شرور اور گناہوں سے کم گناہوں پر بھی گزشتہ اقوام کو ہلاک کرتا رہا ہے!

۲۸:۔ محمد حسین ہیکل

جدید مصر کی سیاسی، فکری اور ادبی تعمیر میں جن عظیم شخصیات کا حصہ نمایاں ہے ان میں سے ایک محمد حسین ہیکل پاشا مرحوم بھی تھے جن کی بعض نگارشات کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے، ہیکل پاشا ایک صاحب طرز انشاء پرداز، ادیب، محقق، صحافی اور سیاستدان تھے، انھوں نے مصر کے ۱۹۳۸ء کے انتخابات کے موقع پر ایک دوست کے حلقہ نیابت میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"إخواني! إذا تحدثت لكم هذا الحديث عن نائبكم فإني أتخذ منه للنواب الآخرين الذين يشاركونه مبادئه القويمة، فأريد منكم أن تسألوا الآخرين أين منكم رجل كعبد المجيد ومبادئ كمبادئه!؟ والواقع إذا انكرت المبادئ فمبادئ نائبكم هي المثال الذي يجب أن يحتذى فهي تنطوي أولا على النزاهة نزاهة القلب واليد والنفس، النزاهة في الإخلاص للملك والوطن ثم التجرد عن الأغراض والغايات! والرجل النزيه عادل بطبعه لا يعرف كيف يظلم بل يظلم هو إذ كان فيه عدل ومساواة للناس

جمیعاً، وھو یحب الخیر للناس، و یحبھم اکثر مما یحب نفسہ !"

میرے بھائیو! میں جو باتیں آپ کے نمائندے کے متعلق آپ سے کرنے لگا ہوں انہیں میں دوسرے نمائندگان کے لئے ایک نمونہ بنانا چاہتا ہوں جو آپ کے نمائندے کے قیمتی اصولوں پر یقین میں ان کے ساتھ شریک ہیں ۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ غیروں سے خود دریافت کیجیے اور پوچھیے کہ آیا عبدالمجید جیسا کوئی امیدوار اور اس کے اصول جیسے اصول کسی اور کے پاس ہیں، کسی کا پروگرام ان جیسا ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ میں جب اصولوں یا منشور کی بات کرتا ہوں تو نظر آتا ہے کہ آپ کے نمائندے کا منشور ایک ایسا مثالی منشور ہے جس کی سب کو تقلید کرنی چاہیے کیونکہ اس منشور میں سرفہرست پاکیزگی اور ستھراپن ہے، دل، ہاتھ اور نفس کی پاکیزگی، ایسی پاکیزگی جو بادشاہ اور وطن کے لیے اخلاص کی حامل بھی ہے اور اغراض و مفادات میں بھی اخلاص کا پہلو رکھتی ہے، یہ پاکیزہ خو آدمی طبعی طور پر زیادتی کرنا جانتا ہی نہیں بلکہ اگر سب لوگوں کے لئے عدل و مساوات کی بات ہو تو وہ اپنے آپ پر زیادتی برداشت کر لیتا ہے، وہ لوگوں کے لئے بھلائی کا طالب ہے اور اپنی ذات سے زیادہ دوسروں کو پسند کرتا ہے !

افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

افصح العرب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

انبیاء کرام علیہم السلام کی تاریخ پر وسیع نظر ڈالنے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ خطابت نبوت کے لوازمات میں ہمیشہ شامل رہی ہے اور یہ منصب نبوت کا طبعی اور فطری تقاضا ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس عہد اور جس قوم میں مبعوث ہوئے تھے اس کا خاصہ ہی شعر و خطابت میں فصاحت و بلاغت تھی۔ اس لئے یہ بات بھی طبعی اور قدرتی تھی کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصاحت و بلاغت کے تمام خصائص لوازمات اور مظاہر پوری جامعیت و کمال کے ساتھ عطا کئے جاتے یہی وجہ ہے کہ نبی امی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو غیر فانی معجزہ عطا ہوا وہ بھی فصاحت و بلاغت کے متعلق ہے۔ قرآن مجید پہلے بھی اور آج بھی اپنے لفظ و معنی کے تمام خصائص و محاسن کے ساتھ عربوں اور تمام انسانیت کیلئے ایک کھلا چیلنج ہے اور رہے گا!

فصاحت و بلاغت کا نبوت سے جو تعلق ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے خطابت کی جو اہمیت ہے وہ اس بات سے عیاں ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع کے دوران بار بار اس لفظ کو دوہرایا:-
اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ یعنی کیا میں نے بات کو واضح طور پر پہنچا دیا ہے؟ ظاہر ہے پیغام حق کو واضح طور پر پہنچانا اور کھول کر بیان کرنا خطیب کے لئے ہی ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ نے آپ کا منصب بھی یہی بیان فرمایا ہے[1]۔

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ؛

---

[1] المائدۃ (۵/۹۲)

تو جان لو کہ ہمارے رسول کا منصب تو بات کو کھول کر واضح طور پر پہنچانا ہے!

آپ کو حکم ربانی یہ تھا[1]:

"یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ"؛

اے رسول! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے اسے واضح طور پر پہنچا دے۔ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو اچھی طرح نہیں پہنچایا!"

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت عطا فرمایا تو اس منصب کو نبھانے کے آداب بھی تلقین فرمائے۔ چنانچہ کہیں تو حکم ہوا کہ[2]

وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا؛-

انہیں ایسا وعظ و نصیحت فرمائیے جو ان کے دلوں میں اتر جائے بقول امام راغب اصفہانی قول بلیغ کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ کلام بذاتہ فصیح و بلیغ ہو۔ جس کے لازمی اوصاف تین ہوتے ہیں:-

لغوی لحاظ سے کلام درست ہو۔

معنی مقصود سے مطابقت رکھتا ہو۔

اور یہ کلام فی ذاتہ صحیح و صادق ہو!

قول بلیغ کی دوسری قسم یہ ہے کہ بات کہنے والا بھی بلیغ ہو اور مخاطب پر اس کا اثر بھی ہو تو کلام بلیغ کہلائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قول بلیغ کا حکم ہے اس میں یہ ہر دو قسمیں شامل ہیں[3]:-

داعی حق کو جب دعوت اسلام کا منصب سپرد ہوا تو فصاحت و بلاغت

---

[1] المائدۃ (۵/۶۷) [2] النساء (۴/۶۳)
[3] البیان والتبیین ۲/۲۸۔

کے ساتھ ساتھ حکمت وموعظت اور حسن استدلال کا بھی حکم ہوا۔

اُدۡعُ اِلٰى سَبِيۡلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُمۡ بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ[1]

اے رسولؐ! اپنے رب کے رستے کی طرف دعوت دیجئے تو حکمت اور اچھے وعظ و نصیحت سے اور ان لوگوں سے اگر بحث و استدلال کی نوبت آئے تو احسن طریق سے استدلال فرمائیے!

فصاحت نبوی کے عناصر ترکیبی

اس پس منظر میں جاحظ کا یہ قول مناسب توجہ کا مقتضی ہے اور حقیقت حال کی تصویر بھی کہ:[1]

والذين بعث فيهم أكثر ما يعتمدون عليه البيان واللسان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے جس کے ہاں کمال کا معیار ہی بیان و بلاغت اور فصاحت لسانی تھی!

لیکن سرمایہ فصاحت و بلاغت کے ان تاجروں میں سے کسی کو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کے بارے میں کبھی حرف گیری کا موقع نہ ملا، اس ضمن میں جاحظ کا یہ بیان ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے:[2]

ليس أحداً من أعدائه شاهد هناك طرفًا من العجز، ولو كان ذلك مرئياً ومسموعاً لاحتجوا به في الملأ ولتناجوا به في الخلاء ولتكلم به خطيبهم ولقال فيه شاعرهم فقد عرف الناس كثرة خطبائهم وتسرّع شعرائهم:

آپ کے دشمنوں میں سے کسی کو آپ کی فصاحت و بلاغت میں کسی قسم کا عجز یا عیب نظر نہیں آیا تھا، اگر کوئی ایسی بات دیکھنے یا سننے میں آئی ہوتی تو وہ لوگ مجالس میں اسے بطور دلیل پیش کرتے اور اپنی

---

١ البیان والتبیین ٢٨/٢ ٢ حوالہ سابق۔

خلوت گاہوں میں اس کے متعلق سرگوشیاں کرتے، اس سلسلے میں ان کے خطیب بات کرتے یا ان کے شعراء اس کا تذکرہ کئے بغیر نہ رہتے، کیونکہ دنیا کو معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں میں خطیب بھی بکثرت تھے اور ان کے شعراء تو ایسی باتوں میں بہت تیزی دکھایا کرتے تھے۔"

افصح العرب نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت اور خطیبانہ کمالات کے پس منظر میں متعدد عناصر کارفرما تھے، ان میں سے بعض کا تعلق ماحول سے ہے اور بعض رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور فیض ربانی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ان میں نمایاں اثر فیض ربانی کا تھا؛ ارشاد ربانی ہے کہ: اِنَّا كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ[1] "ہم ہی ہیں کہ ہر شے کو اندازے سے پیدا کیا ہے!" اور بقول شاعر:

ع ہر کسے را بہر کارے ساختند"

اور إذا أراد الله شيئاً هيّأ أسبابه "کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی کام انجام دینے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے لئے اسباب پیدا کر دیتے ہیں کہ وہی ذات مسبب الاسباب ہے، فصاحت نبوی کے لئے بھی خالق کون و مکان نے چند در چند اسباب مہیا فرما دیئے تھے کہ انسانیت کی امامت آپ کے سپرد ہونے والی تھی اور صحف سماویہ کا آخری نسخہ کیمیا آپ کے قلب اطہر اور زبان مقدس پر نازل ہونے والا تھا؛ قاضی عیاض اور بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: ما رأينا الذي هو أفصح منك "ہم نے کہیں آپ سے بڑھ کر فصیح و بلیغ شخص کبھی نہیں دیکھا!"[2] آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا تھا:

وَمَا يَمْنَعُنِي؟ وَإِنَّمَا أُنْزِلَ الْقُرْآنُ بِلِسَانِي، لِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ

وَقَالَ مَرَّةً أُخْرَى: أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ، بَيْدَ أَنِّي مِنْ قُرَيْشٍ وَنَشَأْتُ فِي بَنِي سَعْدٍ:

---

١ القمر (٤٩/٥٤) ٢ الشفا ١٧٧/١

میری فصاحت میں کیا چیز مانع آسکتی ہے! قرآن مجید میری زبان میں نازل ہوا جو لسان عربی مبین یا کھلی ہوئی عربی زبان ہے! پھر ایک اور موقع پر فرمایا: میں افصح العرب ہوں مگر اس پر مستزاد یہ ہے کہ میں قبیلہ قریش سے تعلق رکھتا ہوں اور میری نشوونما قبیلہ بنو سعد میں ہوئی ہے!"

طبرانی کے الفاظ یوں ہیں[1]:

"اَنَا اَعْرَبُ الْعَرَبِ، وُلِدْتُ فِیْ قُرَیْشٍ، وَنَشَأْتُ فِیْ بَنِیْ سَعْدٍ فَاَنّٰی یَاْتِیْنِیَ اللَّحْنُ؟ : میں تمام عربوں سے زیادہ کھول کر بات کرنے والا ہوں، میں قریش میں پیدا ہوا، میری پرورش بنو سعد میں ہوئی تو اب میرے کلام میں لحن کہاں سے آئے! میری فصاحت و بلاغت میں نقص کہاں سے آئے!

ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم دیکھتے ہیں کہ آپ تمام عرب کے لہجے اور مقامی بولیاں سمجھ لیتے ہیں اور ہر قبیلے سے اس کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں، یہ علم و ادب آپ کو کس طرح حاصل ہوا! آپ نے جواب میں فرمایا۔

"اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ:

میرے رب نے مجھے سلیقہ اور ادب سکھایا ہے اور میری خوب خوب تربیت فرمائی۔"

ایک مرتبہ بلاد یمن کا ایک بدو حاضر ہوا اور سوال کیا کہ آیا سفر میں روزہ رکھنا نیکی کا کام ہے؟ عربی مبین میں تو اسے یوں کہنا تھا: اَمِنَ الْبِرِّ الصِّیَامُ فِی السَّفَرِ مگر اس کے قبائلی لہجے میں حرف تعریف الف لام کے بجائے الف میم تھا (اَم بجائے اَل) چنانچہ کہنے لگا: اَمِنَ امْبِرِّ امْصِیَامُ فِی امْسَفَرِ؟ تو آپ نے

۱؎ علی ہامش الشفاء ۱/۱۰۸

اسی کے لہجے میں جواب دیا: نَعَمْ مِنَ امْبِرِّ امْصِیَامُ فِی امْسَفَرِ! قبیلہ بنو سعد والے عین کو نون سے بدلتے تھے مثلاً اعطی کو انطی کہتے تھے، مُعْطِیْ کو مُنْطِیْ کہتے تھے، اس قبیلے کا ایک شخص عطیۃ السعدی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اسے اسی قبیلے کی زبان اور لہجے میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

مَا اَغْنَاکَ اللّٰہُ فَلَا تَسْاَلِ النَّاسَ شَیْئًا فَاِنَّ الْیَدَ الْعُلْیَا هِیَ الْمُنْطِیَۃُ وَالْیَدَ السُّفْلٰی هِیَ الْمُنْطَاۃُ:

اگر اللہ تعالیٰ تجھے بے نیاز کر دے تو تو لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنا، کیونکہ اوپر والا ہاتھ عطا کرنے والا ہوتا ہے اور نچلا ہاتھ عطیہ لینے والا ہوتا ہے۔

اسی طرح لقیط بن عامر العامری آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کچھ پوچھنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے بنو عامر کے لہجے میں بات کرتے ہوئے اس سے فرمایا: سَلْ عَنْکَ، جس کا عربی مبین میں مطلب ہے: اپنے آپ سے پوچھ لیکن بنو عامر کا یہ محاورہ سَلْ مَا شِئْتَ: جو پوچھنا چاہتا ہے پوچھ کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں[2]:

کَانَ لَا یَسْرُدُ الْکَلَامَ کَسَرْدِکُمْ هٰذَا، کَانَ کَلَامُهٗ نَزْرًا وَاَنْتُمْ تَنْثُرُوْنَ الْکَلَامَ نَثْرًا۔

آپ کا کلام اس طرح نہ تھا جس طرح تم لوگ گفتگو کیا کرتے ہو، آپ بہت کم گو تھے، جب کہ تم اپنا کلام بکھیرتے رہتے ہو۔

آپ نے خود بھی ایک موقع پر فرمایا تھا کہ اِنَّا مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ بُکَاءٌ: ہم گروہ انبیاء کم گو ہوتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہیر الصوت اور شیریں آواز بنایا تھا، آپ کی آواز میں وہ شیرینی تھی کہ سننے والے ہمہ تن گوش ہو کر آپ کے خطبات میں محو ہو جایا کرتے تھے، اور بلند آواز اتنے تھے کہ دور

۱؎ احیاء علوم الدین ۲/۲۷۴ ۲؎ البیان والتبیین ۱/۱۳، ۴/۳۱

دور تک بیٹھنے والے آپ کی آواز سنا کرتے تھے، حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہے:

كُنَّا نَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فِي جَوْفِ اللَّيْلِ عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَأَنَا عَلَى عَرِيشِي۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت کعبہ کے پاس تلاوت فرماتے تھے اور ہم اپنی چھت پر آپ کی آواز سن لیا کرتے تھے۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں:-

جَلَسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ لِلنَّاسِ: اِجْلِسُوا فَسَمِعَهُ عَبْدُ اللهِ بْنُ رَوَاحَةَ وَهُوَ فِي بَنِي غَنْمٍ فَجَلَسَ فِي مَكَانِهِ:-

ایک دن جمعہ کو آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں سے کہا! "بیٹھ جاؤ!" تو عبداللہ بن رواحہ آپ کی آواز سن کر اپنی جگہ بیٹھ گئے حالانکہ اس وقت بنو غنم کے علاقے میں تھے جو مسجد نبوی سے بہت فاصلے پر ہے![2]

حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ التیمی روایت کرتے ہیں:-

خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِمِنًى فَفَتَحَ اللهُ أَسْمَاعَنَا حَتَّى إِنْ كُنَّا لَنَسْمَعُ مَا يَقُولُ وَنَحْنُ فِي مَنَازِلِنَا؛

منیٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ہماری قوت سماعت بڑھا دی چنانچہ اپنے گھروں ہی میں آپ کی باتیں سنتے رہے![3]

قاضی عیاض نے حضرت ام معبدؓ کا قول نقل کیا ہے جو آپ کے انداز بیان کی شیرینی اور بلند آواز کی کیفیت بیان کرتی ہیں۔

حُلْوُ الْمَنْطِقِ فَصْلٌ، لَا نَزْرٌ وَلَا هَذْرٌ، كَأَنَّ مَنْطِقَهُ

---

[1] الخصائص الکبریٰ ۱/۶۶ [2] حوالہ سابق [3] حوالہ سابق [4] الشفا ۱/۱۶۸

خَرَزَاتُ نُظِمْنَ، وَكَانَ جَهِيرَ الصَّوْتِ حَسَنَ النَّغْمَةِ.

"آپ کی زبان میں شیرینی تھی، آپ ہر بات واضح طور پر بیان کرتے، نہ قلیل الکلام تھے اور نہ کثیر الکلام تھے، آپ کی گفتگو گویا موتی تھے جو لڑی میں پروئے گئے ہوں، آپ کی آواز بہت بلند تھی اور اس میں عمدہ نغمگی پائی جاتی تھی۔"[1]

قاضی عیاض فصاحت نبوی کا ایک جامع خاکہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:[2]

فَجُمِعَ لَهُ بِذَلِكَ قُوَّةُ عَارِضَةِ الْبَادِيَةِ وَجَزَالَتُهَا، وَنَصَاعَةُ أَلْفَاظِ الْحَاضِرَةِ وَرَوْنَقُ كَلَامِهَا، إِلَى التَّأْيِيدِ الْإِلٰهِيِّ الَّذِي مَدَدُهُ الْوَحْيُ الَّذِي لَا يُحِيطُ بِعِلْمِهِ بَشَرِيٌّ؛

"اس طرح (قریش میں پیدائش اور بنو سعد میں پرورش سے) آپ کی فصاحت و بلاغت میں صحرانشینی کی قوت بیان و مقابلہ اور عمدہ لفظی اسلوب کے ساتھ شہری علاقے کے الفاظ کی چمک دمک اور انداز گفتگو کی رونق ایک ساتھ جمع ہو گئی تھی، اس کے علاوہ وہ تائید الٰہی بھی آپ کے شامل حال تھی جس کی امداد اس وحی باری سے ہوتی تھی جس کا احاطہ انسانی قدرت علم سے باہر ہے!"

گذشتہ تفاصیل سے فصاحت نبوی کے جو عناصر ترکیبی نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں وہ چار ہیں، ان میں سے دو کا تعلق ماحول اور معاشرتی حالات سے ہے جبکہ دو عطیہ فطرت اور تائید الٰہی سے تعلق رکھتے ہیں:-

۱- قریشیت:

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کتب حدیث و سیرت کے علاوہ کتب ادب میں بکثرت نقل ہوا ہے جس میں آپ فرماتے ہیں: أَنَا أَفْصَحُ الْعَرَبِ بَيْدَ أَنِّي مِنْ قُرَيْشٍ؛ "میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں مگر میں قریش سے تعلق بھی رکھتا ہوں!" علمائے بلاغت و بدیع کے نزدیک اس جملے میں آپ

---

[1] الشفا ۱/۱۶۸، [2] حوالہ سابقہ

نے اپنی فصاحت و بلاغت کا اظہار تو کیا ہی ہے یہ جملہ بجائے خود علم بدیع کی ایک صنعت کا اعلیٰ نمونہ ہے رجسے مَدْحٌ بِمَا یُشْبِہُ الذَّمَّ ، مدح جو مذمت کے مشابہ نظر آتی ہے) یں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں کے بعد بَیْدَ (مگر)[1] کا استعمال یہ شبہ ڈالتا ہے کہ مگر کے بعد والی بات آپ کی فصاحت میں کسی کمی کے اظہار کے لیے ہوگی حالانکہ یہ تو پہلے والی بات سے بھی بڑھ کر آپ کی فصاحت و بلاغت کا ثبوت ہے کہ آپ قریش سے تعلق رکھتے ہیں، آپ افصح العرب ہوتے اور قریش سے نہ ہوتے تو یہ بات ایک کمی کا باعث ہوتی کیونکہ قبیلہ قریش بحیثیت مجموعی لسانی فصاحت و بلاغت میں تمام عرب میں سب سے بلند مقام کا مالک تھا، ان کی زبان "لسان عربی مبین" یعنی منجھی ہوئی عربی زبان میں نہ صرف قرآن کریم نازل ہوا بلکہ تمام قبائل عرب کے خطباء و شعراء قریش کی ٹکسالی زبان کو ہی اظہار کا قابل فخر ذریعہ تصور کرتے تھے، دور جاہلیت کے مشہور ترین مجموعہ قصائد "معلقات سبعہ" کے شعراء بھی اسی زبان میں شعر کہتے تھے، سوق عکاظ میں جمع ہونے والے خطباء اور شعراء کی بھی یہی زبان ہوتی تھی، تمام قبائل عرب قبیلہ قریش کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے تھے، قریش کے باذوق لوگ شعرائے عرب کے کلام کے بارے میں جو رائے زنی کرتے تھے اسے سند کی حیثیت حاصل ہوتی تھی، اس لیے رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں افصح العرب بھی ہوں اور قریش سے بھی تعلق رکھتا ہوں آپ کی فصاحت و بلاغت کے انتہائی کمال کی طرف اشارہ ہے۔

طبرانی کی روایت کے مطابق اس ارشاد نبوی کے الفاظ یہ تھے :۔

أَنَا أَعْرَبُ الْعَرَبِ وُلِدْتُ فِي قُرَيْشٍ کہ میں تمام عربوں میں سب سے عمدہ طریقے سے اظہار خیال پر قادر ہوں اور میری پیدائش قبیلہ قریش میں ہوئی ہے!" یہاں واضح طور پر اور عام فہم انداز میں آپ نے اپنی فصاحت و بلاغت

---

[1] اس کا اصل مفہوم مزید برآں یا انگریزی میں Moreover ہے۔

کے عنصر اول یعنی قرشیت کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ قریش میں اور وہ بھی سادات بنی ہاشم میں آپ کی ولادت باسعادت افصح اللسان ہونے کی ضمانت ہے، جاحظ نے حضرت امیر معاویہؓ کے دربار کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، جس سے قبیلہ قریش کی فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جاحظ لکھتا ہے[1]:

"وَقَالَ مُعَاوِيَةُ يَوْمًا: مَنْ أَفْصَحُ الْعَرَبِ؟ فَقَالَ قَائِلٌ: قَوْمٌ ارْتَفَعُوا عَنْ لَخْلَخَانِيَّةِ الْفُرَاتِ وَتَيَامَنُوا عَنْ عَنْعَنَةِ تَمِيمٍ وَتَيَاسَرُوا عَنْ كَسْكَسَةِ بَكْرٍ، لَيْسَتْ لَهُمْ غَمْغَمَةُ قُضَاعَةَ وَلَا طُمْطُمَانِيَّةُ حِمْيَرَ، قَالَ مَنْ هُمْ؟ قَالَ قُرَيْشٌ"۔

معاویہؓ نے ایک دن سوال کیا: افصح العرب کون لوگ ہیں؟ تو کسی کہنے والے نے کہا: ایک ایسی قوم ہے جو اہل فرات (عراق) کے لخلخانیہ (گفتار کا عجمی انداز) سے بلند تر ہے، قبیلہ تمیم کے عنعنہ (اَنْ میں الف کو عین سے بدلنا) سے دائیں طرف رہے اور بنو بکر کے کسکسہ (کاف کو سین سے بدلنا جیسے اِنَّكِ سے اِنَّسِ!) سے بائیں طرف ہے، نہ تو ان میں بنو قضاعہ کا غمغمہ (غیر واضح انداز گفتگو) تھا اور نہ قوم حمیر کا طمطمانیہ (غیر عربی الفاظ کی کثرت ہونا) تھا، حضرت معاویہؓ نے فرمایا: تو یہ کون لوگ ہوئے؟ اس نے کہا: یہ قریش ہی تو ہیں!" تو قریش کی یہ فصاحت آپ کو ورثے میں ملی!

۲۔ بنو سعد اور دیگر قبائل کا ماحول

علمائے لغت و ادب کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کا دوسرا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے لسان نبوت کو پاکیزہ اسلوب بیان

---

[1] البیان والتبیین ۲/۲۱۲ - الروض الانف ۱/۱۰۹، جمہرۃ انساب العرب ص ۴۶۵۔

اور شستہ اندازِ کلام سے مزین کرنے کے لئے آپؐ کی تربیت کا بندوبست قبیلہ بنو سعد میں فرمایا تھا۔ یہ بنو سعد بن بکر بن ہوازن عرب کے بدوی قبائل میں سب زیادہ فصیح اللسان تھے اور قریش کے شرفاء و سادات اپنے بچوں کی رضاعت اور پرورش کا بندوبست عموماً اسی قبیلے میں کرتے تھے، یہاں آپؐ نے حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی گود میں پرورش پائی، اسی لئے آپ کے اس ارشاد میں جس کی تشریح اوپر گزری ہے ان الفاظ کا اضافہ بھی ملتا ہے کہ "وَنَشَأْتُ فِي بَنِي سَعْدٍ" میری پرورش قبیلہ بنو سعد میں ہوئی ہے۔ طبرانی کے الفاظ میں:

"أنا أعرب العرب ولدت في قريش ونشأت في بني سعد فأنى يأتيني اللحن" :-

میں عربوں میں سب سے بہتر اظہارِ خیال پر قادر ہوں، میری پیدائش قریش میں ہوئی اور میری پرورش بنو سعد میں ہوئی، تو اب میرے کلام میں لحن کہاں سے آئی؟!

بنو سعد کے علاوہ آپ کے ننھیال بنو زہرہ اور آپ کے سسرال بنو اسد کی فصاحت و بلاغت بھی مسلم تھی، ان کا بھی آپؐ کی تربیت اور اسلوبِ کلام پر اثر پڑا، بنو اسد کی فصاحت کا اگر نمونہ دیکھنا ہو تو آپ کی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان الفاظ پر غور فرمایئے جو انہوں نے اپنے عظیم شوہر کی ذات کے بارے میں فرمائے تھے کہ:

كَلَّا وَاللهِ مَا يُخْزِيكَ اللهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ۔

۲۔ قرآن کریم

قرآن مجید کے بارے میں ہمارا تو غیر متزلزل ایمان ہے کہ یہ اللہ کا آخری پیغام ہے جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہی نہیں بلکہ یہ تو نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا زندۂ جاوید معجزہ ہے جس کے چیلنج

کا جواب گزشتہ چودہ صدیوں کے دوران دنیا نہیں دے سکی اور کبھی نہیں دے سکے گی! قرآن مجید کا لفظی اسلوبِ بیان بھی ایک معجزہ ہے اور اس کی مختصر سے مختصر آیت میں معانی و مفاہیم کا جو بحرِ بیکراں موجود ہے وہ بھی ایک معجزہ ہے گویا کتاب اللہ کے لفظی اور معنوی دونوں قسم کے محاسن اعجازِ نبوتِ محمدی کی شہادت ہیں!

فصاحت و بلاغتِ قرآنی تو ایک ایسا معجزہ ہے جس کے سامنے ہر عہد کے عرب فصحاء و بلغاء، مسلم و غیر مسلم سرِ تسلیم خم کرتے رہے ہیں بلکہ خطیب کے کلام کی زینت اور ادیب کی انشاء پردازی کی رونق آیاتِ قرآنی کے اقتباس و استعمال پر موقوف سمجھی جاتی رہی ہے، جاحظ کہتا ہے[1]:

"وكانوا يستحسنون أن يكون في الخطب يوم الحفل وفي الكلام يوم الجمع آي من القرآن، فإن ذلك مما يورث الكلام البهاء والوقار والرقة وسلس الموقع" :-

عرب خطباء اس بات کو مستحسن تصور کرتے تھے کہ اجتماعات و محافل میں خطیب کے کلام میں قرآنی آیات ہوں، کیونکہ اس سے کلام میں رونق، وقار، نزاکت اور حسنِ تاثیر کی صورت پیدا ہوتی ہے!

عمران بن حطان الخارجی عرب کے ان خطباء میں سے تھا جو شعر پر بھی قدرت رکھتے تھے، وہ کہتا ہے کہ میں نے عبید اللہ بن زیاد کے ہاں سب سے پہلا خطبہ دیا تو لوگوں نے اسے بہت پسند کیا، اس موقع پر میرے والد اور چچا بھی موجود تھے پھر اس کے بعد جب میرا گزر عربوں کی ایک محفل پر ہوا تو ایک بزرگ عرب کہہ رہا تھا[2]:

"هذا الفتى أخطب العرب لو كان في خطبته شيء من القرآن"

اگر اس نوجوان کے خطبے میں قرآن مجید کی کوئی آیت ہوتی تو یہ عرب کا سب سے بڑا خطیب ہوتا گویا قرآن مجید کی آیات و اقتباسات سے

---

[1] البيان والتبيين ۱/۱۱۸ – [2] الشفا ۱/۱۷۸، الروض الأنف ۱/۱۰۹

خطیب کے کلام کا خالی ہونا ایک بہت بڑا عیب تھا، اسی لئے
تو ایسے خطبے کو عرب اکشوھا عُرۡ یعنیٰ بدنما خطبہ قرار دیتے تھے !

اگر کوئی معمولی عرب آیات قرآنی اور اقتباسات معانی حفظ کر لے اور اپنے کلام میں ان کا استعمال شروع کر دے تو اس کا انداز خطابت فصاحت و بلاغت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور اس کے اسلوب بیان میں رونق و چاشنی پیدا ہو جاتی ہے، اگر عام اور معمولی عرب کی یہ حالت ہو سکتی ہے تو وہ ذات اقدس جو مہبط وحی تھی جس کا قلب اطہر اور زبان شیریں وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی کے ضمن میں آ گئی تھی اس پر قرآن مجید کی معجزانہ فصاحت و بلاغت کے اثرات کی حد کیا ہو گی !
یہی تو وجہ ہے کہ خطابت نبوی فصاحت و بلاغت میں بے مثال تھی، اور اسی لئے تو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس سوال کے جواب میں کہ: میں نے عرب میں آپ سے بڑھ کر کوئی فصیح شخص نہیں دیکھا، فرمایا تھا۔

دومایمنعنی ! إِنَّمَا انزل القرآن بلسانی، لسانٍ عربیٍ مبین
تو اس میں مجھے کیا چیز مانع آ سکتی ہے ! آخر قرآن کریم بھی تو میری
زبان پر ہی نازل ہوا ہے جو لسان عربی مبین یعنی عرب کی صاف
ستھری اور نکھی ہوئی ترقی یافتہ زبان ہے !

۴۔ فطرت محمدی کا عطیہ ربانی

کون و مکان کے خالق کی سنت یہ ہے کہ وہ ظرف کے مطابق مظروف عطا کرتا ہے، اس نے جس سے کچھ کام لینا ہوتا ہے اس میں اس کی صلاحیت خود ودیعت کرتا ہے، وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لئے اسباب بھی خود پیدا کرتا ہے، وہ ہمیشہ نبوت و رسالت کے منصب کے لئے اپنے بندوں کو چنتا رہا ہے، کبھی آدمؑ کو، کبھی نوحؑ کو کبھی آل ابراہیم کو اور کبھی آل عمران کو منتخب کرتا رہا ہے، ظاہر ہے جب سب سے بڑی اور آخری ذمہ داری سونپنے کا وقت آیا تو اس کے لئے جس ذات کو چنا ہو گا اس میں ان تمام صلاحیتوں کو ودیعت

کر دیا ہو گا جو اس ذمہ داری کا تقاضا کرتی ہیں !

سنت اللہ یہ رہی ہے کہ جس دور میں جس چیز کا زور ہوتا تھا اسی کے متعلق انبیاء کو معجزہ عطا ہوتا تھا، حضرت موسیٰؑ کے عہد میں ساحری کا چرچا تھا چنانچہ ید بیضا اور عصائے موسوی اس کا جواب تھا، جس نے سب کو لاجواب کر دیا تھا، مسیحؑ کا عہد طب و حکمت کا عہد تھا چنانچہ آپ کو بھی اعجاز مسیحائی عطا ہوا لیکن فصاحت و بلاغت کے رسیا عربوں میں قرآن کریم اعجاز سے کام لیا گیا اسی لئے صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر اور زبان اقدس کو فصاحت و بلاغت کے تمام لوازمات کمال سے نوازا گیا، آپ کی فطرت و خلقت میں خطابت کا اعجاز اور جوامع الکلم کا کمال ودیعت کر دیا گیا۔ قدرت ربانی نے فطرت محمدی کو اپنی چشم بینا کے سامنے محفوظ و مامون رکھا فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا کی بشارت کا مقصد یہی تو ہے ! اللہ کی خدابندی قدرت کا اپنا منصب ہے
چنانچہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا کہ

لَقَدْ طُفْتُ فِی الْعَرَبِ وَسَمِعْتُ فُصَحَاءَ ھُمْ فَمَا سَمِعْتُ
أَفْصَحَ مِنْكَ فَمَنْ أَدَّبَكَ ؟ قَالَ أَدَّبَنِي رَبِّي فَأَحْسَنَ تَأْدِيبِي،
یا رسول اللہ، میں تمام عرب میں پھرا ہوں ان کے فصیح و بلیغ خطباء
کو سنا ہے مگر آپ سے بڑا فصیح و بلیغ میں نے نہیں دیکھا، تو آپ کو
یہ ادب کس نے سکھایا ؟ آپ نے جواب میں فرمایا تھا کہ مجھے تو
میرے رب نے ادب سکھایا ہے اور کیا خوب ادب سکھایا ہے !

تو یہ تھے فصاحت نبوی کے عناصر ترکیبی ! اور جیسا کہ شروع میں عرض کیا جا چکا ہے ان تمام عناصر میں قوی ترین یہی آخری عنصر تھا، کہ یہ اللہ کا عطیہ تھا جس کے فیضان نے زبان نبوت کو پاکیزگی، طہارت اور شائستگی کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کے تمام اعلیٰ اوصاف سے نوازا تھا، ورنہ ماحول کوئی چیز نہیں ہوتی ! اگر قدرت کا عطیہ نہ ہو تو قریش و سعد کی فصاحت

وبلاغت کا ماحول کوئی کمال پیدا نہیں کر سکتا! یہ کمال تو ازل سے فطرت محمدی میں قدرت کے دست اعجاز نے ودیعت کر دیا تھا!

فصاحت و بلاغت کا نظریۂ نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح العرب تھے، بے مثال خطیب تھے اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور اسلوب خطابت ایک نمونہ بنا، اس کے ساتھ ساتھ آپ سے جو ارشادات منقول ہیں انہیں یکجا کر کے فن خطابت اور فصاحت و بلاغت کے متعلق ایک نقطۂ نظر بھی قائم کیا جا سکتا ہے جسے ہم فن خطابت اور فصاحت و بلاغت کے نظریۂ نبوی کا نام دے سکتے ہیں!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ انداز کلام اور اسلوب خطابت میں ہمیشہ اعتدال و میانہ روی اختیار فرماتے تھے، حسب موقع اور بقدر ضرورت گفتگو فرماتے، جب تقریر فرماتے تو نہایت موزوں الفاظ اور جچا تلا مگر پر اثر انداز اختیار فرماتے، بات ختم کر چکتے تو سامعین کی تشنگی باقی نہیں رہتی تھی؛ آپ کے خطبات اکثر مختصر مگر جامع ہوتے تھے البتہ اگر کوئی خاص اور بڑا اہم موقع ہوتا تو آپ اپنے خطبات کو طول بھی دیتے تھے مگر یہ طول بیزاری کا باعث ہرگز نہ بنتا اور نہ کوئی بات حشو و زوائد میں شمار کی جا سکتی تھی۔

فصاحت و بلاغت اور فن خطابت کے متعلق آپ کے جو اقوال و ارشادات ملتے ہیں وہ بھی آپ کے اسی عمل کی تفسیر ہیں؛ آپ کثرت کلام اور بالتوفی پن سے ہمیشہ اجتناب فرماتے تھے اور آپ کا ارشاد بھی یہی تھا کہ اِنَّا مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ بِکَاءٌ؛ ہم گروہ انبیاء کثرت کلام سے اجتناب کرنے والے اور کم گو ہوتے ہیں آپ ہمیشہ موقع و محل کی مناسبت سے بات کرتے تھے اور آپ کا ارشاد بھی یہی ہے کہ[1]:

اِنَّا اُمِرْنَا مَعْشَرَ الْاَنْبِیَاءِ بِاَنْ نُّکَلِّمَ النَّاسَ عَلٰی مَقَادِیْرِ

[1] نقد النثر ص ۸۲

عُقُوْلِهِمْ!

ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق بات کیا کریں۔

آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ہمیشہ یہی تلقین فرمایا کرتے تھے کہ خَاطِبُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ؛ لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو کیا کرو!

فصاحت و بلاغت کی خوبی کو آپ انسانیت کا زیور قرار دیتے تھے چنانچہ آپ کا ایک قول جاحظ، ابن قتیبہ اور قدامہ بن جعفر کے علاوہ اور علماء نے بھی نقل کیا ہے کہ[1]:

"وسألہ العباس: فیمَ الجمالُ یا رسول اللہ، فقال: فی اللسان!"

حضرت عباسؓ نے آپ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، حسن و جمال کا دار و مدار کس چیز پر ہے! تو آپ نے فرمایا تھا: زبان پر!"

جاحظ نے ابو الحسن المدائنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر تقریر کی اور بڑے اختصار سے کام لیا لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپ کچھ مزید ارشاد فرماتے تو کیا ہی اچھا ہوتا! حضرت عمارؓ نے فرمایا[2]:

"اَمَرَنَا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باطالۃ الصلوٰۃ وقصر الخطب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ نماز کو طول دیا کریں اور خطبات کو مختصر کیا کریں!"

[1] نقد النثر ص ۹۱، البیان ۱۷۰، عیون الاخبار
[2] البیان ۳۰۲ نقد النثر ص ۹۱

کسی مجبور کی ترجمانی کے لیے گفتگو کرنے کو آپؐ نے صدقہ قرار دیا ہے[1]۔

"فَضْلُ لِسَانِكَ تُعَبِّرُ بِهِ عَنْ أَخِيكَ الَّذِي لَا لِسَانَ لَهُ صَدَقَةٌ"

اگر تم اپنی فاضل قوتِ گویائی اپنے کسی ایسے بھائی کی ترجمانی میں صرف کر دو جو اظہار و بیان پر قادر نہ ہو تو یہ بھی صدقہ ہے!"

اس کے برعکس کاہنوں کی سی مسجع و مقفی لفاظی، زبان درازی، باچھیں کھول کر اور گلا پھاڑ کر تقریر کرنا، تکلف اور تصنع سے کام لینا، بات کا بتنگڑ بنانا آپ کو ہرگز پسند نہ تھا، ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا[2]۔

"إِنَّ اللهَ يُبْغِضُ الْبَلِيغَ الَّذِي يَتَخَلَّلُ بِلِسَانِهِ تَخَلُّلَ الْبَاقِرَةِ بِلِسَانِهَا:-

اللہ تعالیٰ کو وہ فصیح و بلیغ خطیب ناپسند ہے جو اپنی زبان سے یوں چرتا ہے جس طرح گائے چرتی ہے!"

ابن الاعرابی نے اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گفتگو کی تو دورانِ گفتگو احمقانہ اور بیہودہ باتیں کرتا چلا گیا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3]:

مَا أُعْطِيَ الْعَبْدُ شَرًّا مِنْ طَلَاقَةِ اللِّسَانِ:

انسان کو زبان کی تیزی سے بڑھ کر کوئی بری چیز نہیں دی گئی:"

ایک موقع پر کسی شخص نے آپ سے سوال دریافت کیا تو مسجع اور مقفی الفاظ میں بات شروع کر دی۔ آپؐ نے اسے سختی سے منع فرمایا چنانچہ جاحظ اس واقعہ کو اپنے الفاظ میں یوں نقل کرتا ہے[4]:-

"یَا رَسُولَ اللهِ! أَرَأَيْتَ مَنْ لَا شَرِبَ وَلَا أَكَلَ وَلَا صَاحَ وَاسْتَهَلَّ أَلَيْسَ مِثْلُ ذَلِكَ يُطَلُّ! فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَسَجْعٌ كَسَجْعِ الْجَاهِلِيَّةِ!

---

[1] البیان ۱/۲۵۸، [2] البیان ۱/۱۹۴ [3] البیان ۱/۱۹۴
[4] البیان ۱/۲۸۷، لغة النثر ص ۹۱

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا آپ نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے نہ کھایا نہ پیا، نہ چلایا بس صرف حرکت کی، تو کیا ایسے شخص کی بھی دیت لی جائے گی؟ (یعنی جنین یا نامکمل بچہ ضائع کرنے پر دیت ہے یا نہیں) مگر آپ نے جواب دینے کے بجائے اس کی سجع و قافیہ والی عبارت کو ناپسند فرمایا! اور کہا: کیا تم زمانہ جاہلیت کے کاہنوں کی سی مسجع عبارت میں بات کرتے ہو!"

ارشاد نبوی یہ ہے کہ انسان پر بیشتر آفات زبان کی بدولت آتی ہیں حتیٰ کہ سب سے بڑی آفت یعنی جہنم میں داخل ہونا بھی زبان درازی کا نتیجہ ہوگا، آپ فرماتے ہیں[1]۔

"وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي نَارِ جَهَنَّمَ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ:-

کیا انسانوں کو ناک کے بل جہنم میں گرانے والا عمل ان کی زبانوں کے نتائج کے سوا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے!"

فصاحت و بلاغت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نقطۂ نظر جاحظ کے اس بیان سے زیادہ واضح ہو جاتا ہے[2]۔

"وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَدْ نَهَى عَنِ الْمِرَاءِ وَعَنِ التَّزَيُّدِ وَالتَّكَلُّفِ وَعَنْ كُلِّ مَا ضَارَعَ الرِّيَاءَ وَالسُّمْعَةَ وَالنَّفْجَ وَالْبَذَخَ وَعَنِ التَّهَاتُرِ وَالتَّشَاغُبِ وَعَنِ الْمُمَاتَنَةِ وَالْمُغَالَبَةِ، فَأَمَّا نَفْسُ الْبَيَانِ فَكَيْفَ يَنْهَى عَنْهُ!

ہمیں اس بات میں تو کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاکاری، تکلف سے تیاری کرنے اور ہر اس چیز سے منع فرمایا ہے جو دکھاوے، شہرت حاصل کرنے، تکبر اور بڑائی دکھانے کے مشا

---

[1] البیان ۱/۱۹۴، [2] البیان ۱/۲۷۳۔

ہو، اسی طرح ایک دوسرے کو جھٹلانے، جھگڑنے، مقابلہ کرنے اور ایک دوسرے پر غالب آنے کے لیے خطابت کو استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے، مگر جہاں تک نفس بیان و بلاغت کا تعلق ہے تو بھلا اس سے آپ کس طرح منع فرماتے!!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فصحاء و بلغاء کی راست گوئی اور اپنی غلطی کا اعتراف بہت پسند تھا، حتیٰ کہ ناراضگی خوشنودی میں بدل جاتی تھی اور مقرر کی داد دیے بغیر نہیں رہتے تھے، اس سلسلے میں عمرو بن الاہتم اور زبرقان بن بدر کا واقعہ بطور شہادت کافی ہوگا، جو اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن اہتم سے زبرقان بن بدر کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگا[۱]: "مَانِعٌ لِحَوْزَتِهِ مُطَاعٌ فِي أَدْنَيْهِ" کہ وہ اپنا مال دینے میں بخیل اور کنبہ پرور ہے، زبرقان نے یہ سن کر کہا کہ اس نے میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس سے کہیں زیادہ میرے متعلق جانتا ہے مگر اسے میرے شرف و نسب پر حسد آگیا ہے، اس پر عمرو بن اہتم نے کہا۔

"اما لئن قال ما قال فواللہ ما علمتہ الا ضیق الصدر، زمر المروءۃ، لئیم الخال حدیث الغنی"۔

تو اگر یہ اس طرح کہتا ہے تو پھر خدا کی قسم میں تو اس کے بارے میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ یہ تنگ سینے والا، بے مروت انسان ہے، ماموں کے ساتھ بخل کرنے والا ہے اور نو دولتیا ہے"

مگر عمرو کو یہ احساس ہو گیا کہ وہ پہلے تو اسے کنبہ پرور کہہ چکا ہے اور اب اسے ماموں کے ساتھ بخل کرنے والا کہہ رہا ہے جو پہلے قول کی تردید ہے اور ساتھ ہی اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں ناپسندیدگی کے آثار بھی نظر آنے لگے تو فوراً بول اٹھا:-

---

[۱] البیان ۱/۵۳۔

یا رسول اللہ! رَضِيتُ فقلتُ احسنَ ما علمتُ، وغضبتُ فقلتُ أقبحَ ما علمتُ، وما كذبتُ في الأولى ولقد صدقتُ في الآخرة، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند ذلك: إنّ من البيانِ لسحرا!

اے اللہ کے رسولؐ! میں خوشی کی حالت میں تھا تو اپنی معلومات کی بنیاد پر بہترین بات کہہ گیا اور جب غصے کی حالت طاری ہوئی تو اپنی معلومات میں سے بدترین بات کہہ ڈالی، ورنہ پہلی بار بھی جھوٹ نہیں بولا اور دوسری مرتبہ بھی سچ ہی بولا ہے!

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بلاشبہ بعض اوقات خطابت بھی جادو کا کام کرتی ہے!!"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خیر الامور اوسطہا کہ میانہ روی بہترین بات ہے، فصاحت و بلاغت اور فن خطابت کے متعلق بھی آپ کا معمول اور نقطۂ نظر یہی تھا؛ آپ کی طرف ایک قول منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بیہودہ گوئی اور خطابت منافقت کے شعبے ہیں جبکہ حیا اور بات نہ کر سکنا ایمان کے دو شعبے ہیں۔ جاحظ اس قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے[۱]:-

"وقد زعمتم أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: شعبتان من شعب النفاق: البذاء والبیان، وشعبتان من شعب الإیمان الحیاء والعیّ، ونحن نعوذ باللہ ان یکون القرآن یحث علی البیان ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحث علی العیّ ونعوذ باللہ ان یجمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین البذاء والبیان، وانما وقع النهی علی

---

[۱] البیان ۱/۲۰۲۔

كل شئ قصر عن المقدار، فاهى مذموم والخطل مذموم ودين الله تبارك وتعالى بين المقصر والغالى!"

"اے شعوبو! تم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نفاق کے شعبوں میں سے دو شعبے یاوہ گوئی اور خطابت ہے اور ایمان کے شعبوں میں سے دو شعبے ہیں حیاء اور بات نہ کر سکنے کی کیفیت (یعنی تقریر کرنے سے عاجز رہنا اور ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ قرآن کریم تو اعجاز بیان اور بلاغت پر ابھارتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تقریر کرنے سے عاجز رہنے پر ابھارتے ہوں، نعوذ باللہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاوہ گوئی کو خطابت کے ساتھ ملا سکتے ہیں!! بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر اس چیز سے منع کیا گیا ہے جو حد مقدار سے بڑھ جائے چنانچہ عِیّ یا تقریر نہ کر سکنے کا اطلاق ہر اس شئی پر ہوگا جو حد مقدار سے کم ہو اس لئے عِیّ (تقریر نہ کر سکنا) بھی قابلِ مذمت ہے اور یاوہ گوئی بھی مذموم ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین تو قاصر رہنے والے اور حد سے تجاوز کرنے والے کے درمیان ہے جو اعتدال ومیانہ روی کہلاتی ہے!

تو یہ ہے خلاصہ ان ارشادات نبوی کا جو فصاحت و بلاغت اور فن خطابت کے متعلق وارد ہوئے ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فصاحت و بلاغت اور خطیبانہ صلاحیت کو قابلِ ستائش قرار دیا لیکن ساتھ ہی لفاظی، بیہودہ گوئی اور مبالغہ آرائی کو ناپسند فرمایا، آپ نے ہمیشہ مُتَشَدِّقِیْنَ (باچھیں کھول کر بات کرنے والوں) اور ثَرْثَارُوْنَ (باتونی پن کا مظاہرہ کرنے والوں) کو ناپسند فرمایا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے: اِیَّایَ وَالتَّشَادُقَ: مجھے بات کرتے وقت باچھیں کھولنے سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے!

شعر افصح العربؐ کی نظر میں

ہمارا یہ باب نامکمل رہ جائے گا اگر ہم نے شعر و شعراء کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موقف نہ بیان کیا، کیونکہ انسانی فنون اور اصناف سخن میں اسے ایک نہایت اہم اور نمایاں حیثیت حاصل ہے، عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اسلام نے اس فن کی کوئی قدر نہیں کی بلکہ تحقیر کی ہے لیکن حقیقت یہ نہیں ہے!

کتاب اللہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے کہ

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ (۶۹/۴۲)

یہ قرآن مجید کسی شاعر کا کلام نہیں مگر تم ہی بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں، اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے لیکن تم میں نصیحت پکڑنے والے بہت کم ہیں۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی قطعی نفی فرما دی ہے کہ قرآن مجید نہ کسی شاعر کا کلام ہے اور نہ کسی کاہن کی کہانت ہے: یہ تو کتاب اللہ کی بات ہے جو بہت بڑی بات ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ شاعری کی ہم نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم ہی نہیں دی بلکہ یہ آپؐ کی شان کے خلاف ہے کہ آپ شعر و شاعری کرتے، ارشاد ہے:[1]

[1] یٰسٓ (۳۶/۶۹)

"وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ؛

ہم نے تو اسے (اپنے رسولؐ کو) شعر سکھلایا ہی نہیں اور نہ ہی یہ
اس کے شایانِ شان ہے، یہ تو صرف ذکر اللہ اور قرآن مبین
ہے (آپؐ پر نازل ہوتا ہے اور آپؐ اس کی تلاوت فرماتے ہیں)

یہاں ضمنی طور پر اس حقیقت کی طرف توجہ دلاتے چلنا برمحل ہو گا کہ اس آیت میں
یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کچھ سکھانا تھا یا آپؐ کو تعلیم کیا
گیا وہ سب من جانب اللہ تھا خیر البشر کی زبان سے صرف وہی ادا ہوتا تھا اور
ہوا جو رب العالمین نے بذریعہ وحی والہام آپ کے قلب اطہر پر نازل فرمایا؛ یہاں
سے آپؐ کے اس قول کی صداقت بھی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جو اس صادق وامین
نے صدیق اکبرؓ کے جواب میں فرمایا تھا کہ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ ؛ مجھے علم وادب عطا فرمانے والا
تو میرا رب ہے اور کوئی نہیں؛ اسی لئے تو آپؐ کو یہ حکم تھا کہ علم وعرفان کی دعا حضرت
اسی قادر مطلق سے مانگتے رہا کریں اور کسی سے نہیں! حکم ہوا کہ کہا کیجئے: رَبِّ
زِدْنِیْ عِلْمًا ؛ اے میرے پروردگار! میرے علم وعرفان میں اضافہ فرما دیجے!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں بلاغت وخطابت کے متعلق فرمایا تھا
کہ اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا ؛ بعض اوقات خطابت جادو بن جاتی ہے؛ اسی طرح
شاعری کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ: وَاِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً ؛ بعض
اوقات شاعری سراپا حکمت ہوتی ہے، گویا آپؐ کا موقف یہ ہے کہ خطابت تو
بعض اوقات جادو کا اثر دکھاتی ہے ہمیشہ نہیں، اسی طرح شاعری میں بعض اوقات
حکمت ودانش کی بات ہوتی ہے مگر ہمیشہ نہیں، تو خطابت تو زیادہ قابل تعریف
ٹھیری صرف بعض صورتیں قابل مواخذہ ہیں جبکہ شاعری کا اکثر حصہ حکمت و
دانش کے بجائے کچھ اور باتوں پر مشتمل ہونیکا آئینہ دار ہوتا ہے۔

ایک موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا:[1]

۱؎ مقدمہ دیوان حسان ص ۴۴۔

الشعر کلام من کلام العرب جزل، تتکلم بہ فی
بوادیھا وتسل بہ الضغائن من بینھا ؛

شعر کلام عرب کا ایک حصہ ہے، جو پر مغز ہوتا ہے، جسے عرب
اپنے صحراؤں میں کہتے ہیں۔ دل کی آلائشوں کو اس کے ذریعے کھینچ
نکالتے ہیں یا اپنی بھڑاس نکال لیتے ہیں!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اِنَّما الشعر کلام فمن الکلام خبیث وطیب :۔

شعر بھی ایک کلام ہی ہے چنانچہ کلام میں سے بعض تو خبیث اور
نقصان دہ ہوتا ہے جبکہ بعض طیب اور پاکیزہ ہوتا ہے؛

آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:۔

لَا تَدَعُ الْعَرَبُ الشِّعْرَ حَتّٰی تَدَعَ الْاِبِلُ الْحَنِیْنَ۔

عرب اس وقت تک شعر کو ترک نہیں کریں گے جب تک اونٹنیاں
اپنے بچوں کے لئے شفقت واشتیاق کو نہیں چھوڑ دیتیں (یہ دونوں
باتیں محالات میں سے ہیں)!

شاعر دربار نبوت حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ آپ کی طرف
سے شعراء قریش کو جواب دیتے تھے۔ آپ کا اور اہل اسلام کا دفاع کرتے تھے؛
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے ہمیشہ دعا فرماتے اور ان سے کہا کرتے
اَجِبْ عَنِّیْ وروح القدس مَعَکَ (میری طرف سے جواب دیتے جاؤ،
روح القدس (حضرت جبرائیل تمہاری مدد کے لیے) تمہارے ساتھ ہیں) آپ حضرت
حسانؓ سے اکثر مسجد نبوی میں اشعار سنا کرتے تھے؛ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ
عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو آپ ان سے اشعار سن
رہے تھے، میں نے عرض کیا: اَشِعْرٌ وَّقُرْاٰنٌ ؟ کیا شعر بھی اور قرآن بھی!
تو آپ نے فرمایا: ھٰذَا مَرَّۃً وَھٰذَا مَرَّۃً ؛ کبھی یہ اور کبھی یہ[1]!

۱؎ مقدمہ دیوان حسان ص ۴۴

شعر میں اگر کذب بیانی اور معصیت کی بات نہ ہوتی تو آپ اسے یقیناً پسند
فرماتے تھے، اسی طرح آپ شعراء کو عطیات سے بھی نوازتے تھے اور ان کے لئے
دُعا بھی فرماتے تھے، نابغہ جعدی اسلامی دور کا شاعر تھا ایک مرتبہ اس نے
قصیدہ سنایا تو آپ اس کے اشعار کی داد بھی دیتے گئے اور دُعا بھی فرماتے
گئے، نابغہ نے جب یہ شعر سنایا؎۔

بلغنا السماء مجدنا وجدودنا
وانا لنرجو فوق ذلك مظهرا

ترجمہ: عزت و خوش بختی میں ہم آسمان پر پہنچ گئے ہیں اور ہمیں
اس سے آگے کے مرتبہ کی بھی امید ہے!

یہ شعر سن کر آپ نے فرمایا: نابغہ! آگے کہاں کا ارادہ ہے؟ تو نابغہ نے
جواب دیا: جنت کا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: (انشاء اللہ) اور جب
نابغہ نے یہ دو شعر پڑھے:

ولا خیر فی حلم اذا لم یکن له   بوادر تحمی صفوه أن یکدرا
ولا خیر فی جهل اذا لم یکن له   حلیم إذا ما أورد الامر أصدرا

۱۔ بردباری میں کوئی بھلائی نہیں اگر اس کے صاف شفاف حوض کو
گدلا ہونے سے بچانے کے لئے اقدامات کرنے والے موجود نہ ہوں۔
۲۔ اکھڑپن میں بھی کوئی بھلائی نہیں اگر ایسے لوگوں میں کوئی بردبار
موجود نہ ہو جو بگڑتے ہوئے حالات کو سنبھالنے کی صلاحیت رکھتا ہو!

تو آپ نے داد دیتے ہوئے دُعا فرمائی: لا یفضض اللہ فاک! اللہ تعالیٰ
تیرے منہ کو چاک نہ کرے! اسی دعائے نبوی کا نتیجہ تھا کہ نابغہ ایک سو بیس سال
کا ہو کر فوت ہوا مگر اس کے منہ کے تمام دانت سلامت رہے اور چہرے کی رونق بھی
قائم رہی۔

؎ مقدمہ دیوان حسان ص ۴۴۔

یہ بھی منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزون انداز میں کبھی کوئی شعر
زبان مبارک سے ادا نہیں فرمایا۔ جب بھی شعر پڑھتے ادھورا یا شکستہ طریقے
سے، آپ نے حضرت لبید بن ربیعہ عامری کا ایک مصرعہ

الا کل شیءٍ ما خلا اللہ باطل
کہ اللہ کے سوا ہر شی باطل ہے

پڑھا مگر مکمل شعر زبان سے ادا نہ فرمایا۔
طرفہ بن العبد کا مشہور شعر ہے

ستبدی لك الایام ما كنت جاهلا
ویأتیك بالاخبار من لم تزود

ترجمہ: زمانہ تجھے وہ چیزیں دکھلا دے گا جن سے تو آشنا ہی نہ تھا اور
تیرے پاس خبر لے کر وہ شخص آجائے گا جسے تو نے اس مقصد
کے لئے روانہ ہی نہ کیا تھا)

جب آپ نے پڑھا تو پہلا مصرعہ تو ٹھیک پڑھا مگر دوسرا مصرعہ
کلمات آگے پیچھے کر کے پڑھا، پھر ایک موقع پر آپ نے حضرت
عباس بن مرداس کا یہ شعر پڑھا:

اتجعل نهبي ونهب العبيد   بين عيينة والاقرع

تو دوسرے مصرعہ میں الاقرع وعیینہ پڑھا بعض صحابہ نے عرض کیا
کہ بین عیینۃ والاقرع ہے مگر آپ نے دوبارہ بھی بین الاقرع وعیینہ ہی کہا۔
لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ دو مختلف مواقع پر آپ کی
زبان سے بے ساختہ بحر رجز کے دو شعر ادا ہوئے مثلاً۔

انا النبی لا کذب   انا ابن عبد المطلب
(میں نبی ہوں، اس میں جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا پوتا ہوں)

؎ اعجاز القرآن للرافعی ص ۳۳۹،

اور دوسرا شعر نما قول نبوی یہ ہے ۔

هل أنت إلا إصبع دميت وفي سبيل الله ما لقيت

(تو ایک انگلی ہی تو ہے جس کا خون بہہ نکلا ہے ، اور اللہ کی راہ میں ہی تجھے یہ صورت پیش آئی ہے ۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رجز کے علاوہ دوسرے اشعار تو آپ نے کسی کے بھی پورے نہیں پڑھے تھے لیکن رجز کے دو بیت خود اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے ۔ تو کیا آپ کو رجز پڑھنے کی اجازت تھی اور اس کے علاوہ شعر پڑھنے کی اجازت نہ تھی ! اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ کہنا کہ آپ معاذ اللہ وزن شعر سے واقف نہ تھے جو شعر کو صحیح الوزن پڑھ نہ سکتے تھے ، بالکل غلط ہے ، اصل بات یہ ہے کہ آپ کو شعر سے زبان آلود کرنے کی اجازت ہی نہ تھی مبادا آپ کی طبیعت شعر میں لگ جائے یا لوگ آپ کو بھی ایک شاعر ہی تصور کرنے لگیں کیونکہ یہ بات منصب نبوت کے لئے مناسب ہی نہیں تھی ، رہے دو رجزیہ بیت تو اول تو اہل عرب رجز کو شعر قرار ہی نہیں دیتے بلکہ وہ تو اسے ہم قافیہ مسجع عبارت سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دیتے ، اسی لئے رجز کہنے والے کو شاعر نہیں رجاز کہتے ہیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ دو بیت زبان نبوت سے قصداً ادا نہیں ہوئے جو رجز کے وزن پر پورے اترتے ہیں ، اس سلسلے میں مصطفیٰ صادق الرافعی کا بیان قابل غور ہے لکھتے ہیں[1] ۔

" ہمارے نزدیک جو مسلم ہے وہ یہ ہے کہ شعر کو صحیح وزن کے ساتھ آپ نے صرف اس لئے نہیں پڑھا تھا کہ آپ کو شعر پڑھنے سے روک دیا گیا تھا ، اگر آپ ایک بیت بھی صحیح الوزن ادا فرما دیتے تو ہو سکتا ہے کہ آپ کی فطرت تو یہ شعر پہ غالب آ جاتی اور آپ شعر پڑھتے رہتے

[1] اعجاز القرآن الرافعی ص ۲۴۴ ۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا کہ آپ شعر کہنے لگتے اور شاعر بن جاتے ۔ اگر آپ شاعر بن جاتے تو ماحول کے مطابق عرب شعراء کی روش پر پڑ گئے ہوتے ، شعر کہنے میں محنت کرنے لگتے ، دوسروں کا مقابلہ کرتے ، ان پہ غالب آنے کی کوشش کرتے اور جذبہ حمیت عربی میں کسی سے پیچھے نہ رہتے ، کیونکہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں ایک بات سے دوسری بات کا پیدا ہونا لازمی ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ آپ دعوت حق سے ــــ معاذ اللہ ــــ منہ پھیر لیتے ۔ نبوت کے پاکیزہ مشن اور قرآن کے بلند ترین مقصد سے ہٹ جاتے ایسی صورت میں یہ لازم ہوتا کہ آپ اس میدان میں عربوں کی خاطر دور تک نکل جاتے ، چنانچہ کسی بات پر تو انہیں برقرار رہنے کو کہتے اور کسی بات پہ ان سے مقابلہ بھی کرتے اور یوں آپ کی شاعری خدانخواستہ قرآن مجید کی ہر بات کو توڑ کر رکھ دیتی ، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا تھا کہ ، ہم نے اسے شعر سکھلایا ہی نہیں ، اور نہ یہ آپ کے شایان شان تھا وحی محمدی تو بس ذکر اللہ اور قرآن مبین ہی ہے ! "

خلاصہ بحث یہ ہے کہ افصح العرب نہ صرف شعر فہمی اور شعر خوانی پہ قادر تھے بلکہ شعر گوئی پہ بھی قادر تھے لیکن حکمت ربانی کا تقاضا یہ تھا کہ آپ کو اس سے دور رکھا جائے کیونکہ یہ منصب نبوت کی شان کے خلاف ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ مفید اور پاکیزہ اشعار کو پسند کیا بلکہ ایسے شعر کہنے کی اجازت بھی عطا فرمائی اور حوصلہ افزائی بھی کی حقیقت یہ ہے کہ شاعری کے متعلق اسلام کا نقطہ نظر سورہ الشعراء کی ان آیات میں واضح طور پہ پیش کر دیا گیا ہے ۔

" وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا " ۔

یہ جو شعراء ہیں ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا تو نے دیکھا نہیں کہ یہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو وہ کرتے نہیں مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، نیک کام کئے اور اللہ کو بکثرت یاد کیا اور مظلوم ہونے کے بعد فتح پائی !"

ان آیات کریمہ میں شعر و شاعری کی تین باتوں کو ناپسندیدہ اور مذموم قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ یہ شاعر لوگ معاشرے میں گمراہی پھیلانے کا سبب ہیں گویا انسانیت کو نفع پہنچانے کے بجائے نقصان اور تباہی سے دوچار کرتے ہیں، یہ بات منشائے ربانی کے خلاف ہے۔

۲۔ ان کے فن میں جھوٹ اور مبالغہ آمیزی پر زور ہوتا ہے، سچائی اور حقائق زندگی سے انہیں دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔

۳۔ ان کے قول اور فعل میں تضاد ہوتا ہے، وہ فن برائے فن کی رو سے شعر تو کہہ دیتے ہیں مگر اپنے اشعار میں جو بلند بانگ دعوے کرتے ہیں ان کا عمل اس کی تردید کرتا ہے۔

ان اوصاف ثلاثہ سے جو ادب متصف ہوگا وہ مردود و مسترد ہے، اسی شاعری کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے قے سے بھی زیادہ ناگوار قرار دیا ہے، ایسا فن انسانی معاشرے کے لئے مہلک ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے برعکس شعر و ادب کی ایک قسم کو ان آیات میں پسند کیا گیا ہے جس میں مندرجہ ذیل تین اوصاف ہوں گے۔

۱۔ ایمان اور عمل صالح سے متصف شعراء کے کلام سے یقیناً ایمان اور عمل صالح کی ترغیب ہوگی، اس لئے شعر و ادب سے اگر انسان کے ضمیر میں ایمان کی دولت اور عمل صالح کی تلقین ہوتی ہو تو وہ قابل ستائش ہے اور پسندیدہ ہے۔

۲۔ اس ادب سے خالق حقیقی سے رشتہ کٹ جانے کے بجائے یہ رشتۂ عبودیت مضبوط ہوتا ہو اور اللہ کی عظمت و ربوبیت کا احساس زندہ ہوتا ہو۔

۳۔ یہ ادب و شعر حقیقت بیانی اور حق کی ترجمانی کا علمبردار ہو، اس سے ظلم کے خلاف جہاد کا جذبہ بیدار ہوتا ہو۔

اگر ایسا ادب اور شعر تخلیق ہو تو نہ صرف یہ کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ شریعت مصطفوی انسانی عظمت کے علمبردار ادب کی خود دعوت دیتی ہے!

شعر و شاعری اور عربوں کے متداول علوم و فنون سے آپ کی زبان کو آلودہ ہونے سے جو محفوظ رکھا گیا تو اس کی حکمت جاحظ کے بیان سے اور بھی واضح ہو جاتی ہے، وہ اس ضمن میں سب سے پہلے تو ایک بصری بزرگ کا قول نقل کرتا ہے اور پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے[1]۔

"وكان شيخ من البصريين يقول: إن الله إنما جعل نبيه أمّيًّا لا يكتب ولا يحسب ولا ينسب ولا يقرض الشعر ولا يتكلف ولا يتعمد البلاغة لينفرد الله بتعليمه الفقه وأحكام الشريعة ويقصره على معرفة مصالح الدين دون ما تتباهى به العرب من قيافة الأثر والبشر ومن العلم بالأنواء وبالخيل وبالأنساب وبالأخبار وتكلف قول الشعر ليكون إذا جاء القرآن الحكيم وتكلم بالكلام العجيب كان ذلك أدل على أنه من الله! وزعم أن الله تعالى لم يمنعه معرفة آدابهم وأخبارهم وأشعارهم ليكون أنقص حظًا من الحاسب الكاتب ومن الخطيب الناسب ولكن ليجعله نبيًا وليتولى من تعليمه ما هو أزكى وأنمى فإنما نقصه ليزيده ومنعه ليعطيه وحجبه من

---

[1] البیان والتبیین ۳۲/۴

القليل يجلي لـه الكثير!"

"البصریوں میں سے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو امی صرف اس لئے بنایا (آپ حساب کتاب، نسب شناسی، شعر خوانی، خطابت کے تکلف اور بلاغت کے ارادے سے دور رہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دین کی بھلائی کی معرفت تک محدود رکھتے ہوئے عرب کے ان فنون سے دور رکھے جن پر وہ باہم فخر و مباہات کرتے تھے، جیسے قیافہ شناسی، نچھڑوں کا علم، گھوڑوں، انساب اور احوالِ عرب کا علم اور شعر گوئی کا تکلف، تاکہ جب آپ پر قرآن حکیم نازل ہو اور عجیب و غریب کلام آپ کی زبان پر جاری ہو تو یہ اس بات کی واضح ترین دلیل ہو کہ یہ منجانب اللہ ہے! بزرگ مذکور نے یہ بھی خیال ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربوں کے آداب، اخبار اور اشعار کی معرفت سے اس لئے نہیں روکا کہ آپ ایک حساب کتاب جاننے والے اور نسبت شناس خطیب سے ناقص الحظ ہوں بلکہ اس لئے کہ آپ کو اپنا نبی بنانا تھا اور زیادہ پاکیزہ اور مفید تعلیم کا ذمہ لینا تھا۔ یہ کمی اس لئے تھی کہ آپ کو زیادہ دینا تھا۔ یہ روکنا عطا کرنے کے لئے اور تھوڑی شی آپ سے چھپا کر بہت زیادہ کو آپ کے سامنے جلوہ گر کر دیا۔"

جاحظ کو اس بزرگ کی یہ رائے جو نیک نیتی پر مبنی ہے اور جو اس نے اپنے علم اور سمجھ کے مطابق کہی ہے، پسند نہیں ہے، چنانچہ وہ کہتا ہے۔

"ولو زعم ان اداة الحساب والكتابة وادات قرض الشعر وروایة جميع النسيب قد كانت فيه تامة وافرة ومجمعة كاملة ولكنه صلى الله عليه وسلم صرف تلك القوى وتلك الاستطاعة إلى ما هو أزكى بالنبوة وأشبه بمرتبة الرسالة - وكان

إذا احتاج إلى البلاغة كان أبلغ البلغاء وإذا احتاج إلى الخطابة كان اخطب الخطباء، وأنسب من كل ناسب وأقوف من كل قائف، ولو كان في ظاهره والمعروف من شأنه أنه كاتب حاسب وشاعر ناسب ومتفرس قائف، ثم اعطاه الله برهانات الرسالة وعلامات النبوة ما كان ذلك بمانع من وجوب تصديقه ولزوم طاعته والانقياد لأمره على سخطهم ورضاهم ومكروههم ومحبوبهم ولكنه أراد ألا يكون للشاغب متعلق عما دعا إليه حتى لا يكون دون المعرفة بحقه حجاب وإن رق ويكون ذلك أخف في المؤونة وأسهل في المحنة فلذلك صرف نفسه عن الأمور التي كانوا يتكلفونها ويتنافسون فيها فلما طال هجرانه لقرض الشعر وروايته، صار لسانه لا ينطلق به والعادة توأم الطبيعة. فأما في غير ذلك فإنه إذا شاء كان انطق من كل منطيق وأنسب من كل ناسب وأقوف من كل قائف وكانت آلته أوفر وأداته أكمل إلا أنها كانت مصروفة إلى ما هو أرد!"

اگر یہ بزرگ یہ کہتے کہ حساب و کتاب، شعر خوانی اور تمام انساب کی روایت آپ کی ذات میں تام و وافر تھی اور کامل طور پر اکٹھی ہو گئی تھی مگر آپ نے اپنی ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو ایسے امور کی طرف موڑ دیا تھا جو نبوت کے طفیل پاکیزہ تر اور مرتبہ رسالت کے مشابہ تر تھے حالانکہ جب بھی آپ کو ضرورت ہوتی آپ سب سے بڑے بلیغ اور سب سے بڑے خطیب، سب بڑے نسب شناس اور سب بڑے قیافہ شناس تھے! اگر بظاہر یوں مشہور ہوتا کہ آپ

حساب کتاب جاننے والے، غزل گو شاعر اور صاحب فراست قیافہ شناس ہی پھر اللہ تعالیٰ آپ کو براہین رسالت اور علامات نبوت عطا فرما دیتا تو بھی آپ کی تصدیق کے واجب ہونے، اطاعت کے لازم ہونے اور خوش و ناخوش اور پسند و ناپسند ہر صورت میں لوگوں کو آپ کا مطیع ہونا ہی پڑتا مگر اللہ کا یہ منشا تھا کہ آپ شور و شغب اور تماشا آرائی کرنے والے کی پکار پر لبیک نہ کہیں تاکہ آپ کی صداقت کو پہچاننے میں باریک سے باریک پردہ بھی حائل نہ ہو، ذمہ داری اٹھانے میں یہ بات خفیف تر اور آزمائش میں سہل تر ہو اس لئے آپ نے اپنی توجہ کو ان امور سے ہٹا لیا تھا، جن میں وہ محنت و مشقت سے باہم مقابلہ کرتے تھے چنانچہ شعر خوانی کو ترک کرتے اور اسے روایت کرنے سے اجتناب کی مدت طول پکڑ گئی تو یہ آپ کی زبان پر رواں نہ ہو سکا اور عادت تو فطرت کے ساتھ جڑواں بچے کی حیثیت رکھتی ہے، ورنہ بصورت دیگر آپ جب چاہتے ہر بولنے والے سے زیادہ گویا اور ہر نسب شناس سے زیادہ نسب شناس اور ہر قیافہ شناس سے بڑے قیافہ شناس تھے، آپ کی صلاحیت بھی وافر تھی اور وسائل بھی کامل ترین تھے مگر وہ زیادہ نفع بخش باتوں کی جانب مبذول تھے؛

خطابت کا اسلوب نبوی اور اس کے خصائص

نبی امی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور نبوت سے جس طرح قبائل عرب کو ایک امت ہونے اور مختلف لہجوں سے عبارت عربی زبان کو شہرت عام اور بقائے دوام رکھنے والی متحدہ زبان بننے کا موقع ملا اسی طرح فصاحت و بلاغت اور خطابت عربی کو بھی ایک منفرد اور امتیازی مقام نصیب ہوا عربی خطابت کو جو عروج و کمال اور مقبولیت و اہمیت بعثت نبوی سے میسر آئی وہ اسے عرب کے تمام

خطباء سے بھی میسر نہ آسکی جو حسن و رعنائی، صداقت و صفائی اور سلاست و روانی آپ کے اسلوب خطابت میں ہے اسے عرب کے تمام خطباء کے کمالات کے ساتھ تولا جائے تو اسلوب نبوی کا پلڑا بھاری رہے گا۔

عرب کے تمام فصحاء و بلغاء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت کی ستائش کی ہے اور سب کا اس پر اتفاق ہے کہ عربی زبان و ادب کی تاریخ میں کلام اللہ کے بعد فصاحت و بلاغت میں کلام نبوی کا مقام ہے[1]، آپ کا اسلوب خطابت و بلاغت چونکہ فیضان الٰہی کا نتیجہ تھا اس لئے اس میں وحی الٰہی کے اثرات نمایاں تھے، آپ کے اسلوب تکلم و خطابت میں تکلف و تصنع نہیں تھا، بلکہ سادہ و سلیس مگر پرکشش اسلوب لفظی کے ساتھ نازک سے نازک معانی بیان فرماتے تھے، جاحظ نے لکھا ہے[2] کہ:-

ثم راوہ فی جمیع دھرہ فی غایۃ التسدید والصواب التام والعصمۃ الفاضلۃ والتائید الکریم، علموا أن ذلك من ثمرۃ الحکمۃ ونتاج التوفیق وأن تلك الحکمۃ من ثمرۃ التقوی ونتاج الإخلاص:-

لوگوں نے آپ کو ہمیشہ انتہائی راست گو، صائب، کامل، صاحب فضیلت و معصومیت اور شرف ربانی کی تائید سے متصف پایا تو وہ جان گئے کہ یہ حکمت کا پھل اور توفیق ایزدی کا نتیجہ ہے اور یہ حکمت تقویٰ کا پھل اور اخلاص کا نتیجہ ہے[3]

شعراء نے بھی فصاحت نبوی کا اعتراف کیا اور مدح سرائی کی ہے، عہد نبوت کے مشہور شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں[4]۔

---

[1] الخطابۃ العربیۃ ص ۴۸، الادب العربی وتاریخہ ص ۴۴۔
[2] البیان ۴/۳۱، [3] البیان ۱/۱۰، [4] عیون الاخبار، ۱/۴۴۴

لَوْلَمْ تَكُنْ فِيهِ آيَاتٌ مُبَيِّنَةٌ
كَانَتْ بَدَاهَتُهُ تُنْبِيكَ بِالْخَبَرِ

اگر آپ کے پاس اعجاز قرآنی کی واضح نشانیاں نہ بھی ہوتیں
تو آپ کی خطیبانہ بداہت گوئی تجھے حقیقت حال کی خبر دے دیتی

امام بوصیری فصاحت نبوی کا اعتراف کرتے ہوئے یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

كَفَاكَ بِالعِلْمِ فِي الأُمِّيِّ مُعجِزَةٌ
فِي الجَاهِلِيَّةِ وَالتَّأدِيبِ فِي اليُتُمِ

نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معجزہ کافی تھا کہ دور جاہلیت
کی تاریکیوں کو علم سے روشن کر دیا اور یتیم ہوتے ہوئے بھی
آپ کو دستِ قدرت نے ادب سکھا دیا!۔

مصری شاعر احمد شوقی خطابت نبوی کے اثر انگیز اسلوب کا نقشہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔

وَإِذَا خَطَبْتَ فَلِلْمَنَابِرِ هِزَّةٌ
تَعْرُو النَّدِيَّ وَلِلْقُلُوبِ بُكَاءُ

جب آپ خطبہ ارشاد فرماتے تو منبر بھی جھوم اُٹھتے تھے، محفل
پر لرزہ طاری ہو جاتا اور دل رونے لگتے!۔

آپؐ کے اسلوب خطابت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کے کلام کے الفاظ کی تعداد کم ہوتی تھی مگر معانی کی مقدار زیادہ ہوتی تھی، الفاظ میں کفایت شعاری سے کام لینا، قادر کلام خطیب کے اہم خصائص میں سے متصور ہوتا ہے آپ کے کلام میں یہ کیفیت بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپ کے خطبات میں تکلف و تصنع کا شائبہ تک نہیں ہوتا تھا، باچھیں کھول کر گفتگو کرنا (تشدیق) گلے کی گہرائی سے آواز نکالنا (تقعیب) اور باتونی پن (ثرثرۃ)

سے آپؐ کو نفرت تھی چہ جائیکہ ان چیزوں کا آپ کے خطبات میں کوئی شائبہ نظر آتا، جہاں بات کو طول دینا اور تفصیل پیش کرنا ہوتا آپ شرح و بسط سے کام لیتے اور جہاں اجمال واختصار مناسب ہوتا وہاں موقع کے مطابق اختصار و جامعیت سے کام لیا جاتا، آپ کے کلام میں نامانوس اور سوقیانہ الفاظ کبھی نہیں ہوتے تھے، آپ جب بھی تقریر فرماتے حکمت و دانش کے موتی برستے ہوئے نظر آتے تھے، آپ کی بات اس قدر واضح اور عام فہم ہوتی کہ کسی سطح ذہنی کے مالک انسان کو دوبارہ سننے کی حاجت محسوس نہیں ہوتی تھی آپ کا کلام ہر لغزش اور نقص سے پاک ہوتا تھا، خطابت میں ایسا مدلل انداز اختیار کرتے کہ بات سامعین کے دلوں میں اتر جاتی تھی، طویل تقریر بھی مختصر مگر پر مغز جملوں پر مشتمل ہوتی ہمیشہ حق و صداقت کی بات کرتے۔ الفاظ کے ہیر پھیر کا سہارا کبھی نہ لیتے، اسلوب بیان میں نہ تو سست روی کا مظاہرہ ہوتا اور نہ تیزی و جلد بازی کا، اس میں لفظ و معنی کا توازن بھی ہوتا تھا اور اثر انگیزی و مقصد کی بلندی بھی، کلام نبوت سہل تر مگر ساتھ ہی فصیح ترین کلام کسی کا نہ ہوتا تھا، محمد بن سلام نے یونس بن حبیب کا قول نقل کیا ہے کہ فصاحت و بلاغت کے جو اعلیٰ نمونے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سے میسر آئے ہیں وہ کسی اور خطیب کے کلام سے میسر نہ آ سکے، جاحظ نے کیا خوب نقشہ پیش کیا ہے[1]۔

"إن أطال الكلام قصر عنه كل مطيل وإن قصر القول أتى على غاية كل خطيب وما عدم منه إلا الخط وإقامة الشعر:۔

ترجمہ: اگر آپ تقریر کو طول دیتے تو اس انداز سے کہ کلام کو ہر طول دینے والا اس سے عاجز تھا اور جب اختصار سے کام لیتے تو ہر خطیب کے آخری درجہ کمال کو بھی شکست دے دیتے تھے لکھنے اور شعر کو موزوں پڑھنے کے علاوہ کلام نبوت میں فصاحت و بلاغت کی ہر ایک خوبی موجود تھی"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے

---

[1] البیان ۴/۴۳

لوگوں کی طرح جلدی جلدی نہیں بولتے تھے، بلکہ آپ کا کلام تو بالکل واضح اور صاف ہوا کرتا تھا، مجلس میں آپ کی باتیں سننے والا آسانی سے انہیں حفظ کر سکتا تھا[1]
امام بخاری کی روایت کے مطابق عام گفتگو میں آپ اپنی بات کو تین تین مرتبہ دہراتے تھے تاکہ آپ کے الفاظ سننے والے کے ذہن نشین ہو جائیں حتیٰ کہ اگر کوئی آپ کی گفتگو کے الفاظ گننا چاہتا تو گن سکتا تھا۔ آپ کا کلام ہمیشہ سادہ اور بیساختہ ہوتا تھا جس میں ترتیب اور سلیقہ نمایاں ہوتا تھا[2]۔

جاحظ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہم مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے طویل خطبات بھی ارشاد فرماتے لیکن محض بات بڑھانے یا طویل گفتگو پر اپنی قدرت کے اظہار کے لئے کبھی طویل خطبہ نہیں دیا۔ بعض اوقات کئی کئی گھنٹے بھی آپ نے خطبہ وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رکھا، صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ ایک موقع پر آپ نے اتنی طویل تقریر فرمائی کہ مسلسل کئی نمازیں تقریر میں وقفہ ڈال کر ادا فرمائیں اور نماز سے فارغ ہوتے ہی بات کا سلسلہ جہاں سے چھوڑتے وہیں سے دوبارہ آغاز فرما دیتے تھے۔ اس خطبہ میں آپ نے ماضی و مستقبل (ماکان وما ھو کائن) کی تمام باتیں اپنے صحابہؓ کو سمجھا دیں حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن آپؐ نے نماز عصر کے بعد خطبہ ارشاد فرمانا شروع کیا اور غروب آفتاب تک جاری رکھا۔ اگر دیکھا جائے تو یہ وقفہ دو گھنٹے کے قریب بنتا ہے جو آپ نے تقریر پر صرف کئے[3]۔

---

[1] الجامع الصحیح الترمذی۔
[2] صحیح البخاری کتاب العلم، احیاء علوم الدین ۲/۱۴۴، طبقات ابن سعدی ۱/۲۷۵
[3] ادب الحدیث النبوی ۱۰۶

شمائل ترمذی میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک روایت ہے[1] جس کے مطابق انہوں نے ہند بن ابی ہالہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تکلم اور اسلوب بیان کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ آپ مسلسل رنج و حزن اور ہمیشہ فکر میں رہتے (متواصل الاحزان دائم الفکرۃ) آرام نہیں فرماتے تھے، طویل مدت تک خاموش رہتے اور صرف ضرورت کے وقت بات کرتے تھے، بات کا آغاز کرتے یا بات ختم کرتے وقت ہی منہ کھولتے تھے، آپ کا کلام جوامع الکلم پر مشتمل ہوتا تھا جو واضح اور فیصلہ کن اسلوب کا رنگ لئے ہوئے ہوتے تھے۔ ان میں نہ تو فالتو بات ہوتی اور نہ کسی کمی یا کوتاہی کا احساس ہوتا، نہ تو آپ سخت طبیعت تھے اور نہ ناقص مزاج، چھوٹی سے چھوٹی نعمت ربانی کی بھی قدر کرتے تھے اور کسی بھی نعمت کو برا نہ کہتے تھے، البتہ کھانے پینے کی چیز کی نہ تو اچھائی بیان کرتے اور نہ برائی، دنیا اور اس کی باتوں پر آپ کو کبھی غصہ نہ آیا، مگر جب حق و صداقت پر حرف آنے لگتا تو پھر آپ کے غیظ و غضب کو کوئی نہیں روک سکتا تھا، جب تک حق کا بدلہ نہ لے لیتے چین سے نہیں بیٹھتے تھے، اپنی ذات کیلئے نہ تو آپ ناراض ہوتے اور نہ لڑتے جھگڑتے تھے جب بات کرتے ہوئے اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ کرتے، جب تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے تو ہتھیلی کو الٹ کر اشارہ کرتے، بات کرتے وقت دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصے سے ملاتے تھے، جب ناراض ہوتے تو منہ دوسری طرف کر لیتے جب خاموشی کا اظہار مقصود ہوتا تو آنکھیں موند لیتے تھے آپ کے ہنسنے کی انتہائی حد ایک مسکراہٹ تھی۔ آپ مسکراتے ہوئے یوں لگتے تھے جیسے بادل کی ٹھنڈک ہوتی ہے:

خطابت میں آواز کو بڑا دخل ہے سامعین کے لئے آواز کی کھنک کے ساتھ ساتھ حسن صوت یا خوش آواز ہونا بے حد اثر انگیز ہوتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام

---

[1] شمائل ترمذی ص ۱۵ تا ۱۶

کو اللہ تعالیٰ نے زورِ خطابت کے علاوہ حسنِ صوت سے بھی نوازا۔ نبی اللہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فصل خطاب سے متصف انداز خطاب بھی مشہور تھا لیکن اس کے ساتھ ہی لحن داؤدی کا پراثر و پرسوز اسلوب بھی ایک عطیہ خداوندی تھا جس سے جن و انس، چرند و پرند کیا دشت و در بھی جھوم اٹھتے تھے[1]۔ نبی امی افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم اور فصیلہ کن اسلوب خطابت کے ساتھ ہی حسن صوت سے بھی نوازا تھا، آپ جمیل الصوت (خوش آواز) بھی تھے اور جہیر الصوت (بلند آواز) بھی۔ چنانچہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت[2] ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن صورت کے ساتھ ساتھ حسن صوت کی نعمت سے بھی نوازا تھا۔ اس لئے سامعین کو آپ سے فاصلے پر بھی آپ کی بات صاف سنائی دیتی تھی اور آپ کی آواز کی شیرینی سے اہل ایمان کو حلاوت بھی نصیب ہوتی تھی، صحابہ کرامؓ ہمہ تن گوش ہو کر آپ کے ارشادات سنتے رہتے اور محویت کے عالم میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔

موقع کی مناسبت سے آگاہی اور اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا خطیب کی حاضر جوابی اور کمال مہارت کی دلیل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت کی محفوظ روایات سے یہ عیاں ہے کہ موقع کی مناسبت سے بات کر کے اثر ڈالتے اور سامعین اور ان کے ماحول کو ہمیشہ پیش نظر رکھنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کمال عطا کیا تھا۔ تقریر کو اثر انگیز بنانے کے لیے قدرت ربانی نے آپ کی طبیعت میں ایک خاص ملکہ ودیعت کیا تھا، مخاطبین کو اپنی طرف ہمہ تن متوجہ رکھنے اور اپنے پیغام کو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں اتارنے میں کوئی خطیب آپ سا پیدا نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ ان شاء اللہ! مکہ کے لوگ آپ کی صداقت و امانت پر مکمل اعتماد رکھتے تھے اپنے اولین خطبہ میں آپ نے اسی اعتماد کے سہارے پیغام ربانی کو ان کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی، غزوہ حنین کے موقع پر انصار مدینہ کی

---

[1] البیان والتبیین ۳/۲۹۲ [2] طبقات ابن سعد ۳۷۶

قناعت پسندی کو محور بنا کر سوال و جواب کے انداز میں اپنے خطبہ کو پراثر بنایا، خطبہ حجۃ الوداع میں بھی کچھ اس قسم کی کیفیت نظر آتی ہے۔

موقع و محل کی مناسبت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی بات کو مؤثر بنانے میں افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نظیر نہیں، حضرت ابو سعید خدریؓ والی روایت ابھی گزری ہے جس کے مطابق آپ نے عصر کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دنیا کی بے ثباتی اور قرب قیامت کے بارے میں وعظ فرمایا، تقریر کرتے کرتے جب نگاہ نبوت نے ڈوبتے ہوئے سورج کو ملاحظہ فرمایا تو فوراً ارشاد ہوا:

إنه لم يبق من الدنيا فيما مضى إلا كما بقي من يومكم هذا فيما مضى:-

ترجمہ: دنیا کی گزشتہ عمر کے مقابلے میں اب اس کی عمر کا حصہ اتنا ہی باقی رہ گیا ہے جتنا آج کے دن کے گزشتہ وقت کے مقابلے میں اب غروب آفتاب کے وقت یہ وقفہ رہ گیا ہے!"

قرب قیامت اور دنیا کی ناپائیداری کے متعلق یہ عمدہ ترین اور برمحل استدلال تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھنے میں آیا۔

خطابت نبوی کے اسلوب بلاغت کے متعلق استاذ عباس محمود العقاد نے ایک انوکھا نکتہ پیدا کیا ہے کہ ابلاغ و تبلیغ آپ کے مشن و منصب کا دوسرا نام تھا اس لیے فصیح و بلیغ ہونا بھی آپ کے منصب کا حصہ ٹھیرا اور اسی لئے بلاغت آپ کے کلام کی نمایاں خصوصیت تھی[1]۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں آپ بار بار یہ الفاظ دہراتے چلے گئے: ألا هل بلغت: کیا میں نے پیغام حق واضح طور پر پہنچا دیا ہے[1]؟!

علامہ محمد عطیۃ الابراشی نے خطابت نبوی کے فصیح و بلیغ اسلوب پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب خطابت

---

[1] عبقریت محمد ص ۱۰۸

فصاحت وبلاغت کے اعلیٰ مدارج پر تھا جو واضح الفاظ اور عمدہ عبارات پر مشتمل ہوتا تھا جس میں تکلف نہیں ہوتا تھا بلکہ جوامع الکلم کا آئینہ دار ہوتا تھا، آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے تمام قبائل عرب کی لغات ولہجات کا علم عطا فرما دیا تھا اس لئے آپؐ ہر قبیلے کے لوگوں سے ان کے اپنے لب ولہجہ میں گفتگو کرتے تھے، قریش مکہ، انصارِ مدینہ اور اہل نجد وحجاز کے ساتھ آپ جو اندازِ تکلم اختیار کرتے تھے وہ اس سے مختلف ہوتا تھا جو آپؐ یمن وحمیر اور قحطانی عربوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے اختیار کرتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس پر حیرت اور تعجب کا اظہار کرتے تو آپؐ فرمایا کرتے:-

یہ تو میرے رب نے مجھے سکھلایا ہے اور قرآن مجید بھی میری زبان پر ہی نازل کیا گیا ہے![1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کبھی میدانِ جہاد میں مجاہدین اسلام سے خطاب فرماتے تو اپنی قوس (کمان) کا سہارا لیتے تھے، کبھی یونہی فرش پر بغیر کسی سہارے کے بھی خطبہ ارشاد فرماتے اور کبھی اونٹنی پر سوار ہو کر خطاب فرماتے تھے۔[2] ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں ایک عرصہ تک آپ کھجور کے ایک تنے کے سہارے تقریر فرماتے تھے، جب اہل اسلام کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپؐ کے لئے ایک منبر بنوا دیا تھا تاکہ خطبہ کے دوران رخِ نبوی کو دیکھنے کی سعادت سب کو نصیب ہو، آپؐ نے مخصرہ (لاٹھی) اور قضیب (لکڑی) کے سہارے بھی خطبہ دیا، کبھی کبھی آپؐ عصا کے سہارے بھی خطبہ دیتے تھے، جاحظ نے لکھا ہے کہ یہی عصائے نبوی بعد میں خلفائے راشدین کو منتقل ہوتا رہا اور وہ خطبہ کے دوران اسی سنت نبوی پر عمل کرتے رہے، یہ عصا بعد میں اموی، پھر عباسی اور سب سے آخر میں عثمانی خلفاء کو منتقل ہوتا رہا، کہا جاتا ہے کہ آخری اموی خلیفہ نے اپنا انجام دیکھ کر اپنے غلام کو

۱؎ عظمۃ الرسولؐ ص ۲۷۵، الشفا ۱/۱۷۷ ۲؎ سیرۃ النبیؐ ۲/۲۳۴

حکم دیا تھا کہ چادرِ نبوی اور عصائے نبوی کہیں دفن کر دے مگر اس نے یہ دونوں چیزیں دفن کرنے کے بجائے عباسیوں کے سپرد کر دی تھیں۔[1]

حدیث وسیرت کی کتابوں میں خطبہ کے دوران آپؐ پر جوش وجذبہ کی جو کیفیت طاری ہوتی تھی اسے بھی راویوں نے تفصیل سے بیان کیا ہے، موقع کی مناسبت سے جب آپ جوش میں آتے تو آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز گرجدار اور بلند ہو جاتی تھی، اللہ کی قوت وجبروت اور اس کی ہیبت کے سامنے کائنات کی حقیر حیثیت کا ذکر ہوتا تو آپؐ کے چہرے پر غصے کے آثار نمایاں ہو جاتے تھے، پُرجوش خطابت کے عالم میں انگلیاں اُٹھتی جاتی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے آپؐ لشکرِ اسلام کو جہاد کے لئے ہاتھ کے اشاروں سے جوش دلا رہے ہیں! جسم مبارک جھومنے لگتا تھا، کبھی مٹھی بند کر لیتے کبھی کھول دیتے تھے۔[2] حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے ایک خطبے کے دوران پُرجوش خطیبانہ کی تصویر پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ میں نے ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برسرِ منبر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ خالق جبار اس زمین وآسمان کو اپنی مٹھی میں لے لے گا۔ پھر ساتھ ہی آپؐ نے اپنی مٹھی کو بند کر لیا پھر کبھی کبھی اپنی مٹھی بند کرتے کبھی کھول دیتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپؐ منبر پر کبھی دائیں جانب جھکتے اور کبھی بائیں جانب جھک جاتے حتیٰ کہ میں نے منبر نبوی کو لرزتے ہوئے دیکھا تو یوں محسوس ہونے لگا کہ یہ منبر دائیں یا بائیں گر پڑے گا![3]

فصاحتِ نبوی سلف اور خلف کی نظر میں

جس طرح قرآن مجید ایک اعجازِ محمدی کی حیثیت سے چودہ صدیوں کے دوران نہ صرف دنیائے علم ودانش کے لئے ایک چیلنج رہا ہے بلکہ اس کے الفاظ ومعانی

۱؎ طبقات ابن سعد ۱/۹۰، البیان والتبیین ۱/۶۹۔

۲؎ زاد المعاد ۱/۴۸، سیرۃ النبی ۱/۲۳۵، صحیح مسلم ۱/۲۸۴

۳؎ سنن ابن ماجہ ۲/۲۴۷، سیرۃ النبی ۲/۲۴۳۔

تشنگانِ حق کی پیاس بجھاتے رہے اور اس کے معجزانہ اسلوب کے سامنے فصحاءؒ وبلغاء سربسجود رہے، اسی طرح فصاحت نبوی بھی چودہ سو سال سے ایک منفرد مثال رہی ہے اور ہر دور میں اہل علم نے افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم اور اسلوب بلاغت کو خراج تحسین پیش کیا ہے جس سے آپ کی خطیبانہ عظمت اور عربی فصاحت وبلاغت کی تاریخ میں مقام کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کا علم وفضل کی دنیا میں بہت بلند مقام ہے، کسی علمی محفل میں ان سے سوال کیا گیا تھا:

"مَنْ أَبْلَغُ النَّاسِ؟ قال: رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم"

سب سے زیادہ فصیح وبلیغ کون ہے؟ تو انہوں نے فوراً جواب دیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فصیح وبلیغ تھے[1]!

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپ کے بلیغانہ انداز تکلم اور اسلوب خطابت کی بہت خوبصورت الفاظ میں نہایت عمدہ تصویر پیش کی ہے، فرماتی ہیں[2]: "حلو المنطق، فصل، لانزر، ولا هذر، کأن منطقه خرزات نظمن۔ وکان جهیر الصوت حسن النغمة": آپ شیریں کلام تھے، ہر بات نہایت واضح ہوتی تھی، نہ قلیل الکلام تھے نہ فضول الکلام تھے، آپ کا کلام معجز نظام تو موتی تھے جو لڑی میں پروئے گئے ہوں، آپ کی آواز بلند وگرجدار تھی جس میں خوبصورت نغمگی پائی جاتی تھی!

قاضی عیاض الیحصبی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت نبوی کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جو نہایت خوبصورت اور بے حد پیاری کتاب ہے، جس کا نام ہے: "الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم" اس کتاب کی ایک فصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت وبلاغت اور جوامع الکلم

[1] البیان ۱/۳۱۴ [2] الشفا ۱/۱۷۸۔

کے لیے مختص ہے اس میں قاضی عیاض فرماتے ہیں۔

"وأما فصاحة اللسان وبلاغة القول فقد کان صلی اللہ علیه وسلم من ذلك بالمحل الافضل والموضع الذی لا یجهل، سلاسةُ طبعٍ وبراعةُ منزعٍ وإيجازُ مقطعٍ ونصاعةُ لفظٍ وجزالةُ قولٍ وصحةُ معانٍ وقِلَّةُ تكلُّفٍ؛ أوتی جوامع الکلم وخص ببدائع الحکم وعلم ألسنة العرب؛ فکان یخاطب کل أمة منها بلسانها ویحاورها بلغتها ویباریها فی منزع بلاغتها، حتی کان کثیر من أصحابه یسألونه فی غیر موطن عن شرح کلامه وتفسیر قوله؛ من تأمل حدیثه وسیره علم ذلك وتحققه؛ ولیس کلامه مع قریش والأنصار وأهل الحجاز ونجد ککلامه مع ذی المعشار الهمدانی وطهفة النهدی وقطن بن حارثة العلیمی والأشعث بن قیس ووائل بن حجر الکندی وغیرهم من أقیال حضرموت وملوك الیمن!"

جہاں تک فصاحت لسانی اور بلاغت زبانی کا تعلق ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں افضل ترین مقام کے مالک تھے، آپ کا مرتبہ فصاحت کسی سے پوشیدہ نہ تھا، طبیعت کی سلاست وروانی، معانی پیدا کرنے کا کمال، جامع ومختصر جملے بولنا ستھرے اور چمک دمک والے الفاظ، صحت معانی اور ہر بات بے تکلف اور بے تکلف وتصنع بولنا آپ کی فصاحت وبلاغت کا حصہ تھا، آپ کو جوامع الکلم عطا کئے گئے، انوکھی پرحکمت باتیں آپ کے خصائص میں سے تھیں اور آپ کو عرب کی تمام زبانوں کا علم دیا گیا تھا، چنانچہ آپ ہر قبیلے سے اس کی اپنی زبان اور لہجے میں بات کرتے تھے

ان کی ہی زبان کے محاورات استعمال کرتے اور ان کی فصاحت و بلاغت کے مطابق معنی پیدا کر کے برتری ثابت کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کے بہت سے صحابہؓ اکثر مواقع پر آپؐ سے آپ کے کلام و اقوال کی تشریح و تفسیر دریافت کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سیرت کو دیکھنے والا اس بات کو معلوم کر سکتا ہے اور اسکی حقیقت کو جان سکتا ہے، چنانچہ قریش، انصار، اہل حجاز اور اہل نجد کے ساتھ آپؐ کا انداز گفتگو اس سے مختلف ہوتا تھا جو آپؐ ذی المشار الہمدانی، طہفۃ النہدی، قطن بن حارثۃ العلیمی، اشعث بن قیس، وائل بن حجر الکندی اور دیگر امراء حضر موت اور شاہان یمن کے ساتھ اختیار کیا کرتے تھے:

صاحب "اعلام النبوۃ" علامہ ابوالحسن الماوردی لکھتے ہیں[1]

"أنه افصح الناس لسانا وأوضحهم بيانا وأوجزهم كلاما وأجزلهم الفاظا واصحهم معانى؛ لا يظهر فيه هجنة التكلف ولا تتخلله فيهقة التعسف... وأن كلامه جامع الشروط البلاغة ومعرب عن نهج الفصاحة ولو مزج بغيره لتميز بأسلوبه ولظهر فيه آثار التنافر فلم يلتبس حقه من باطله ولبان صدقه من كذبه هذا ولم يكن متعاطيا للبلاغة ولا مخالطا لأهلها من خطباء أو شعراء أو فصحاء، وإنما هو من غرائز فطرته وبداهة جبلته وما ذاك إلا لغاية تراد وحادثة تشاع!"

[1] اعلام النبوۃ ص ۱۰

آپؐ سب سے زیادہ فصیح اللسان، واضح البیان، مختصر الکلام تھے، آپ کے الفاظ سب سے زیادہ وزنی ہوتے اور آپؐ کے معانی بھی سب سے زیادہ صحیح ہوتے۔ نہ تو آپ کے انداز تکلم یا اسلوب خطابت میں تکلف کا عیب نظر آتا اور نہ اس میں لفاظی کی زبردستی کا خلل ہوتا تھا، ... آپؐ کا کلام بلاغت کی تمام شرائط کا مجموعہ تھا جس سے فصاحت کے ایک خاص اسلوب کا اظہار ہوتا تھا، اگر آپ کا کلام کسی اور کے کلام سے ملا دیا جائے تو دوسرے شخص کا اسلوب الگ نظر آنے لگے گا، اس میں باہم بے ربطی ہونے کے آثار بھی نظر آئیں گے اور اس طرح اس کا حق اس کے باطل سے خلط ملط نہ ہو سکے گا اور جھوٹ سچ کھل کر سامنے آجائیگا! اس کے علاوہ نہ تو آپؐ نے بلاغت سیکھی تھی اور نہ اہل بلاغت خواہ خطباء و شعراء ہوں یا فصحاء و بلغاء سے آپؐ کا کبھی میل جول رہا تھا، آپؐ کی بلاغت تو وہی ہے جو آپؐ کی فطرت کی خاصیت اور آپؐ کی جبلت کا نقطۂ آغاز تھا۔ اور یہ صرف کسی غایت مقصود اور کسی اہم واقعہ کے ظہور کے لئے ہوتا رہا تھا۔

حجۃ الاسلام امام ابوحامد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فصاحت نبوی کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے[1]۔

"كان صلى الله عليه وسلم أفصح الناس منطقا واحلاهم كلاما، ويقول: أنا أفصح العرب وأن أهل الجنة يتكلمون فيها بلغة محمد صلى الله عليه وسلم، وكان نزر الكلام سمح المقالة إذا نطق ليس بمهذار وكان كلامه خرزات نظمن؛ قالت عائشة رضى الله عنها: كان لا يسرد

[1] احیاء علوم الدین ۲: ۲۷۴۔

الكلام وكسرد كم هذا، إنما كان كلامه نزرًا وأنتم تنثرون
الكلام منثرًا، قالوا: وكان أوجز الناس كلامًا وبذالك
جاءه جبريل، وكان مع الإيجاز يجمع كل ما أراد، وكان
يتكلم بجوامع الكلم، لا فضول ولا تقصير، كأنه يتبع
بعضه بعضا، بين كلامه توقف، يحفظه سامعه ويعيه،
وكان جهير الصوت أحسن الناس نغمة، وكان طويل السكوت
لا يتكلم في غير حاجة، ولا يقول المنكر ولا يقول في الرضا
والغضب إلا الحق ويعرض عمن تكلم بغير جميل ويكني عما
اضطره الكلام إلى ما يكره، وكان إذا سكت تكلم جلساؤه
ولا يتنازع عنده في الحديث ويعظ بالجد والنصيحة و
يقول: لا تضربوا القرآن بعضه ببعض فإنه أنزل
على وجوه!"

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ فصیح تھے، آپ کا کلام سب سے
زیادہ شیریں تھا اور کہا کرتے: میں افصح العرب ہوں۔ اہل جنت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں گفتگو کریں گے! آپ کم بولنے والے آسانی
سے گفتگو کرنے والے تھے، جب بھی بولتے تو نہ آپ فضول بات
کرتے نہ بیکار، یوں لگتا تھا کہ آپ کا کلام موتی ہیں جو لڑی میں پرو
دیئے گئے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ سب سے
زیادہ مختصر کلام کرنے والے تھے، یہی کچھ آپ کے لیے جبرائیل لاتے
تھے۔ اختصار کے ساتھ آپ کا کلام حسب ضرورت جامع بھی ہوتا
تھا، آپ جوامع الکلم کے انداز میں بات کرتے تھے جس میں نہ فالتو
بات ہوتی نہ کوئی نقص، یوں لگتا تھا جیسے الفاظ ایک دوسرے
کے پیچھے چلے آرہے ہیں، آپ کے کلام میں وقفہ ہوتا تھا جس سے

سننے والا آپ کی بات کو حفظ کر لیتا، آپ بلند آواز اور سب سے زیادہ
خوش آواز تھے، آپ کافی دیر تک خاموش رہتے تھے، بغیر ضرورت
آپ بات نہ کرتے تھے، ناپسندیدہ بات آپ کبھی نہ کرتے، خوشی اور
ناراضگی میں حق بات ہی کہتے تھے، جو شخص اچھی بات نہ کرتا اس سے
آپ کنارہ کشی اختیار کرتے، مجبوراً کسی ناپسندیدہ چیز کا نام لینا پڑتا
تو کنایات سے کام لیتے تھے، آپ جب خاموش ہوتے تو آپ
کے ہمنشیں بات کرتے تھے، آپ کے سامنے گفتگو میں جھگڑا نہیں ہوتا
تھا، وعظ فرماتے تو بڑی توجہ اور اخلاص سے، آپ فرمایا کرتے
تھے: آیات قرآنی کو ایک دوسرے سے مت ٹکرایا کرو، کیونکہ یہ
تو متعدد طریقوں سے نازل ہوا ہے!"

امام الادب العربی ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ افصح العرب صلی اللہ علیہ
وسلم کی فصاحت و بلاغت کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے[1]۔

"وهو الكلام الذي قل عدد حروفه وكثر عدد معانيه
وجل عن الصنعة ونزه عن التكلف، وكان كما قال الله تعالى
قل يا محمد (صلى الله عليه وسلم) ﴿وما أنا من المتكلفين﴾،
فكيف وقد عاب التشديق وجانب أصحاب التقعيب، و
استعمل المبسوط في موضع البسط والمقصور في موضع القصر
وهجر الغريب الوحشي ورغب عن الهجين السوقي فلم ينطق
إلا عن ميراث حكمة ولم يتكلم إلا بكلام قد حف
بالعصمة وشيد بالتأييد ويسر بالتوفيق، وهو الكلام
الذي ألقى الله عليه المحبة وغشاه بالقبول وجمع له بين
المهابة والحلاوة، وبين حسن الإفهام وقلة عدد الكلام
مع استغنائه عن إعادته وقلة حاجة السامع إلى معاودته

[1] البیان والتبیین ۲/۱۷ تا ۱۸

لم تسقط له كلمة، ولا زلت به قدم، ولا بارت له حجة، ولم
يقم له خصم، ولا أفحمه خطيب، بل يبذ الخطب الطوال
بالكلم القصار، ولا يلتمس إسكات الخصم إلا بما يعرفه
الخصم، ولا يحتج إلا بالصدق، ولا يطلب الفلج إلا بالحق
ولا يستعين بالخلابة، ولا يستعمل المواربة، ولا يهمز
ولا يلمز، ولا يبطئ ولا يعجل، ولا يسهب ولا يحصر، ثم لم
يسمع الناس بكلام قط أعم نفعا، ولا أقصد لفظا، ولا
أعدل وزنا، ولا أجمل مذهبا، ولا أكرم مطلبا، ولا أحسن
موقعا، ولا أسهل مخرجا، ولا أفصح معنى، ولا أبين
فحوى من كلامه صلى الله عليه وسلم كثيرا۔

ترجمہ: "کلامِ نبوی ایک ایسا کلام ہے جس کے حروف کی تعداد تو
قلیل ہے مگر اس کے معانی کی مقدار کثیر ہے، یہ تصنع سے بلند
اور تکلف سے منزہ ہے۔ یہ کلام تو بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ تبارک
وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دیجئے کہ میں
تکلف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں! بھلا کیوں نہ ایسا
ہوتا جبکہ آپ نے باچھیں پھاڑ کر بات کرنے کو معیوب قرار دیا
اور گلے کی گہرائی سے آواز نکالنے والوں سے کنارہ کشی کی ہے،
آپ بات کو پھیلانے کے موقع پر بات کو پھیلاتے اور مختصر بات کی
جگہ مختصر بات ہی کرتے تھے، آپ انوکھے اور نامانوس الفاظ کو ترک
کرتے اور ردی و بازاری الفاظ سے نفرت کرتے تھے۔ آپ کا
کلام کیا تھا سراپا حکمت و دانش کی میراث تھی، آپ کی گفتگو کو حفاظت
خداوندی اپنے جلو میں لئے ہوئے تھی۔ اس کلام کی تعمیر کو تائیدِ الٰہی
اور توفیقِ ربانی کی سہولت میسر تھی، یہ کلامِ نبوی ایک ایسا کلام ہے

جس میں اللہ نے محبت کی رنگت نکھار دی ہے اور اسے شرف
قبولیت سے سرفراز فرمایا ہے۔ اس میں ہیبت کے ساتھ شیرینی و
حلاوت اور حسنِ افہام کے ساتھ قلتِ کلمات ایک ساتھ نظر
آئے گی، یہ کلام دوہرانے یا اعادہ کرنے سے مستغنی ہے اور اسے
سننے والا بار بار دوہرانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا؟ اس کلام
میں سے نہ تو کوئی لفظ ساقط نظر آتا ہے اور نہ اس میں خطیب کی
کوئی لغزش پا نظر آئی ہے، نہ تو اس کی حجت باطل ہوئی، نہ اس کے
مقابلے میں کوئی دشمن ٹھہرا اور نہ اسے کوئی خطیب لاجواب کر سکا!
بلکہ طویل خطبات مختصر جملوں سے برتری حاصل کرتے ہوئے نظر آتے
ہیں، اس کلام میں دشمن کو کسی ایسی بات سے لاجواب نہیں کیا جسے
وہ جانتا نہ ہو، اس کی دلیل سراپا صدق ہے اور اس کی کامیابی کا
راز صرف حق ہے، اس میں نہ تو لطافتِ کلام سے دھوکہ دینے کی کوشش
نظر آتی ہے اور نہ چالاکی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس میں نہ تو کسی کی
غائبانہ عیب جوئی پائی جاتی ہے نہ موجودگی میں کسی کی نکتہ چینی نظر
آتی ہے۔ اس میں نہ تو سست روی ہے اور نہ جلد بازی، اس میں نہ
اسہاب (اتنی باتیں کرنا کہ پلے کچھ نہ رہے) ہے اور نہ حصر (بالکل
بات کر ہی نہ سکنا) ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے علاوہ کوئی ایسا کلام کبھی نہیں سنا جو
اس قدر زیادہ نفع بخش، لفظی لحاظ سے اس قدر معتدل، توازن میں
اس قدر کامل اور روش کے لحاظ سے اس قدر حسین وجمیل، مقاصد کے
لحاظ سے اتنا محترم، اثر میں اتنا خوبصورت، ادائیگی میں اس قدر
آسان، معنی کو اس قدر کھول کر بیان کرتا ہو اور جس میں مدعا
اس قدر واضح کیا گیا ہو!"

جاحظ کا یہ بیان اگرچہ طویل ہے مگر افادیت و اہمیت کے لحاظ سے خصوصیت کا حامل ہے، وہ علم بلاغت کا ایک امام اور مستند صاحب فن ہے، بلکہ عربی بیان و بلاغت کا اولین مؤرخ ہے وہی سب سے پہلے عربوں کی خطابت کے واقعات اور نمونوں کو ضبط تحریر میں لایا، جاحظ نے فن خطابت کا کوئی حسن نہیں چھوڑا جو اس عبارت میں فصاحت نبوی کے لئے ثابت نہ کیا ہو اور بلاغت کا کوئی عیب نہیں بچا کلام نبوت میں جس کے وجود کی یہاں نفی نہ کی گئی ہو اس لئے صاحب فن کا یہ بیان بہت اہمیت کا حامل ہے۔

استاذ عباس محمود العقاد اپنی کتاب "عبقریۃ محمدؐ" میں فصاحت نبوی کے بارے میں دلچسپ بات کہتے ہیں:

"فصاحت ایک ایسی صفت ہے جو کلام کے لئے بھی ہو سکتی ہے۔ انداز گفتگو اور ہیئت تکلم کے لئے بھی استعمال ہو سکتی ہے اور گفتگو یا کلام کے موضوع کے لئے بھی آسکتی ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ کوئی کلام فی ذاتہٖ تو فصیح ہو مگر ہیئت نطق و تکلم فصیح نہ ہو، یا ہو سکتا ہے کہ کلام بھی فصیح ہو اور ہیئت گویائی بھی فصاحت کا رنگ لئے ہو، مگر موضوع میں فصاحت کا وصف موجود نہ ہو جس سے کلام کانوں کے لئے حلاوت و شیرینی کا سامان کرتا ہے اور دلوں کے لئے ساحرانہ اثر انگیزی کا سماں باندھتا ہے لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت میں یہ تمام اوصاف بیک وقت مکمل شکل میں موجود ہیں، آپؐ کے کلام کی ہیئت نطق و تکلم اور موضوع کلام سب میں فصاحت بدرجہ اتم موجود ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپؐ افصح العرب تھے جیسا کہ آپؐ نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ میں قریش سے ہوں اور بنو سعد بن بکر میں میں نے پرورش پائی ہے، آپ کے نطق و گویائی کا جمال، فصاحت بھی آپؐ کے کلام بلیغ کے جمال فصاحت کی طرح پرکشش اور بے مثال تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے نطق و گویائی کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

ما کان رسول اللہ ﷺ یسرد کسردکم ھذا لکن کان یتکلم بیّن فصل، یحفظہ من جلس الیہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یونہی باتوں میں نہیں لگے رہتے تھے جس طرح تم لوگ باتیں کرتے چلے جاتے ہو، بلکہ وہ ایسے انداز میں کلام کرتے تھے جو واضح، نکھرا نکھرا ہوتا تھا جسے آپ کے پاس بیٹھنے والا حفظ کر لیتا تھا!

ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص نطق و گویائی بھی فصیح و بلیغ رکھتا ہو اور اس کا کلام بھی فصاحت و بلاغت پر مبنی ہو مگر موضوع کے اعتبار سے اس میں کوئی ایسی بات نہ ہو جسے سننے والا قابل توجہ سمجھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت اس عیب سے بھی منزہ اور پاک تھی۔ آپؐ کا محفوظ قول یا حدیث اس بات کی دلیل صادق ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے تھے اور آپؐ کو فصاحت لسان اور فصاحت کلام کی طرح فصاحت موضوع بھی عطا فرمائی تھی۔

استاذ عقاد کا یہ قول تو فصاحت نبوی کی تنزیہ کے سلسلے میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ:

واتفقت الروایات علی تنزیہ نطقہ من عیوب الحروف و مخارجھا وقدرتہ علی إیقاعھا فی احسن مواقعھا؛

تمام روایات متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نطق و گویائی حروف اور ان کے مخارج کے عیوب سے پاک تھی اور یہ کہ آپ ان حروف کے خوبصورت ترین اور مؤثر ترین طریقے سے ادا کرنے پر قدرت کاملہ رکھتے تھے!

مصر کے ممتاز عالم استاذ محمد عطیۃ الابراشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصی عظمت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے "عظمۃ الرسولؐ" کے نام سے ایک عمدہ کتاب تصنیف کی ہے اس کی ایک فصل کا عنوان ہے "عظمۃ الرسول فی فصاحتہ" فصاحت میں آپؐ کی عظمت، اس کا آغاز کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

كان الرّسول صلى الله عليه وسلم فصيح اللسان بليغ القول، ناصع اللفظ، جزل العبارة قليل التكلف، أوتى جوامع الكلم وخص ببدائع الحكم وعلم ألسنة العرب، يخاطب كل قبيلة بلسانها ويحاورها بلغتها ولهجتها، ليس كلامه مع قريش والانصار وأهل الحجاز ونجد ككلامه مع اهل قحطان، ولا نبالغ اذا قلنا ان الرسول الأمى كان افصح الفصحاء وأبلغ البلغاء وأذكى الأذكياء، أسلوبه سهل عذب جميل يفهمه كل من يسمعه أو يقرؤه ويعجب بما فيه من فصاحة وبلاغة[1]:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فصیح تھی، کلام بلیغ تھا، الفاظ پر رونق، عبارت عمدہ اور تکلف نہ تھا، آپ کو جوامع الکلم عطا ہوئے انوکھی حکمت بھری باتیں آپ کی خصوصیت تھی، عرب کی زبانوں کا آپ کو علم عطا ہوا تھا، آپ ہر قبیلے سے اس کی زبان میں گفتگو کرتے، اس کی اپنی زبان اور لہجہ میں سوال و جواب ہوتے تھے چنانچہ قریش، انصار، اہل حجاز اور اہل نجد کے ساتھ گفتگو میں جو انداز بیان اختیار کرتے وہ اس اسلوب کلام سے مختلف ہوتا تھا جو آپ قحطانی عربوں کے ساتھ گفتگو کے دوران اختیار کرتے تھے، اگر ہم یہ کہیں تو مبالغہ ہوگا کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم تمام فصحاء سے بڑے فصیح، تمام بلغاء سے بڑے بلیغ اور تمام ذکی لوگوں سے زیادہ ذہین تھے آپ کا اسلوب آسان، شیریں اور خوبصورت ہوتا تھا جسے ہر سننے اور پڑھنے والا سمجھ لیتا اور اس کی فصاحت و بلاغت سے لطف اندوز ہوتا تھا۔

[1] عظمۃ الرسول ص ۲۷۵۔

خطابت نبوی کے اثرات

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزول قرآن سے عرب قوم اور عربی زبان و ادب پر وسیع اثرات مرتب ہوئے۔ قرآن مجید کی بدولت ہی عربی زبان کو ایک متحدہ زبان کا شرف حاصل ہوا اور ساتھ ہی شہرت عام اور بقائے دوام بھی عربی زبان کا مقدر بن گیا، شکسپیر کے ادب کو انگریزی زبان کے توسط سے شہرت نصیب ہوئی جبکہ پنجابی میں لکھنے کے سبب وارث شاہ کی ہیر آج تک گوشۂ گمنامی میں ہے مگر عربی زبان منتشر قبائل کے متضاد لہجات کے درمیان سے ایک زندہ و پائندہ اور متحدہ زبان بن کر ابھری اور دنیا پر چھا گئی، صدیوں کی سیاسی و سماجی غلامی بھی اس زبان کا کچھ نہ بگاڑ سکی اس زبان کو یہ شرف ایک کتاب نے دیا، قرآن مجید نے عربی زبان کو یہ عظمت و اہمیت عطا کی!

اسی طرح خطابت نبوی نے بھی عربی زبان پر نمایاں اثر ڈالا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس نے عربی خطابت کا رخ موڑ دیا! خطابت لفظوں کی ایک شعبدہ بازی تھی جس کا مظاہرہ، یا تو کاہنوں کی ملمع سازی اور پر تکلف سجع و قافیہ سے ہوتا تھا اور یا اسے منافرت و مفاخرت کا ہتھیار سمجھا جاتا تھا مگر بعثت محمدی اور خطابت نبوی نے اس صورت حال کو بدل کر رکھ دیا، سجع و قافیہ اور ابہام کی ملمع سازی کو یک قلم منسوخ و متروک ٹھیرایا گیا[1] منافرت و مفاخرت کے ہتھیار کو معاشرے کا مفید اور پر اثر تعمیری وسیلہ بنا دیا گیا، خطابت کا ایک ایسا اسلوب رواج پا گیا جو سادگی و سلاست کے ساتھ رونق و رعنائی کا رنگ بھی لئے ہوئے تھا۔ یہی اسلوب خطابت منبر و مسجد کا خاصہ بن گیا اور بندگان خدا کی ہدایت و رہنمائی، وعظ و نصیحت، تلقین جہاد اور احکام شریعت کی تعلیم کے لئے استعمال کیا جانے لگا۔[2] اس طرح خطابت نبوی نے قرآن مجید کے بعد عربی زبان پر سب سے زیادہ اثر ڈالا کیونکہ اثرات میں کتاب اللہ کے بعد ارشادات نبوی کا مقام ہے[3]۔

[1] البیان ۱/۲۸۷ [2] الوسیط ص ۱۰۲ [3] الوسیط ص ۱۰۲

"بعبارة هي (الخطابة النبوية وجوامع الكلم) في الفصاحة والبلاغة والإيجاز والبيان بالدرجة الثانية بعد القرآن ولذلك كان تأثيرها في اللغة والأدب بالمنزلة التالية لكلام الله تعالى ولا سيما حكمه وجوامع كلمه التي هي القدوة الحسنة للأديب والحلية التي يزدان بها كلام الكاتب والخطيب :"

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت اور جوامع الکلم فصاحت و بلاغت اور ایجاز و بیان میں قرآن کریم کے بعد دوسرے درجے پر ہیں، اسی لئے عربی زبان و ادب پر اثر ڈالنے کے لحاظ سے اس کا درجہ کلام اللہ کے بعد ہے۔ بخصوصاً آپ کی حکمت بھری باتیں اور جوامع الکلم جو ادیب کے لئے خوبصورت نمونہ ہیں اور ایک ایسا زیور ہیں جس سے ہر انشاپرداز اور خطیب کا کلام زینت پاتا ہے!"

مسجد نبوی میں جس منبر سے خطابت نبوی کا آغاز ہوا تھا وہ اسلامی معاشرے میں مسجد کی ایک لازمی روایت بن گئی، منبر نبوی سے سیاسی و فوجی احکام، فقہی و دینی مسائل کی تشریح، وعظ و نصیحت اور تزکیہ و تبلیغ کا کام خطابت سے لیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ ایک روایت بن گئی جو اموی اور عباسی خلافتوں کے علاوہ دیگر اسلامی حکومتوں کا بھی لازمہ رہی۔ زوال و انحطاط کے باعث سیاسی و فوجی احکام کا رشتہ تو منبر سے منقطع ہو گیا مگر باقی موضوعات آج تک منبر و محراب کی ایک لازمی روایت بنی چلی آتی ہے۔ دنیا کے کسی بھی گوشے میں مسجد ہو جہاں مسلمان جمعہ اور عیدین کے لئے جمع ہوتے ہوں وہاں منبر بھی لازمی ہوگا اور نماز جمعہ اور عیدین کا خطبہ بھی لازمی ہوگا، جو نماز جمعہ یا عیدین کے لئے جائے گا خطبہ سننا بھی اس کے لئے لازم ہوگا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا سے خطبہ کا آغاز نہیں ہوتا تھا، یہ روایت بھی آپ سے قائم ہوئی جو آج تک قائم و دائم چلی آتی ہے، ہر خطیب کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنی تقریر یا خطبے کا آغاز "الحمد للہ" سے ہی کرے، حمد و ثنا اور صلوٰۃ و درود کے بعد مدعا و مقصد کی طرف منتقل ہونے سے پہلے "اما بعد" کے الفاظ بھی خطابت کی تاریخ میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی استعمال فرمائے جو بعد میں اسلامی خطبات کی ایک لازمی روایت بن گئی اور آج بھی یہی معمول ہے، خطبۂ عیدین کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "اللہ اکبر" سے فرماتے تھے اور آج تک امت کا بھی یہی معمول ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ اپنے خطبات میں کتاب اللہ کے اقتباسات بکثرت استعمال فرماتے تھے، آج تک امت اسلامیہ کے خطباء بھی آیات قرآنی کے علاوہ آپ کے جوامع الکلم، خطبات اور ارشادات کے اقتباسات بھی استعمال کرتے ہیں، بلکہ مکتوب نگار اور انشاپرداز بھی اپنی تحریروں کو آیات و جوامع الکلم سے مزین کرتے ہیں، جاحظ نے مسلم خطباء کی متعدد مثالیں دی ہیں جنہوں نے نبوت کے جوامع الکلم سے اپنے کلام کو موثر و مزین بنایا، یزید بن المہلب کے قتل کے موقع پر مشہور خطیب الحارث بن عدان تقریر کرنے کیلئے کھڑا ہوا تو اس نے کہا تھا[1]:

"ایها الناس! اتقوا الفتنة، فإنها تقبل بشبهة وتدبر ببيان، وإن المؤمن لا يلسع من جحر مرتين -

"اے لوگو! فتنے سے بچو! کیونکہ اس کا آغاز تو شبہ سے ہوتا ہے مگر اس کا انجام بہت واضح ہوتا ہے، اور مومن تو ایک سوراخ سے دوبار ڈسا ہی نہیں جاتا!"

یہاں حارث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم ہی سے ایک

---

[1] البیان والتبیین ۲/۱۶

مشہور قول کو استعمال کیا ہے، اسی طرح کی اور متعدد مثالیں عرب فصحاء و بلغاء کے ہاں دستیاب ہیں۔

ابن عبد ربہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں لوگوں کو تقویٰ اللہ، ذکر اللہ اور احکامِ الٰہی کی بجا آوری کی تلقین و توصیہ فرماتے تھے۔

"عباد اللہ! أوصیکم بتقوی اللہ واحثکم علی طاعتہ"
اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی اطاعت پر اُبھارتا ہوں!۔

آج بھی اگر آپ عرب و عجم کے کسی اسلامی ملک کی کسی مسجد میں جمعہ یا عیدین کے لئے چلے جائیں تو خطیب کی زبان سے یہ الفاظ آپ ضرور سنیں گے!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبات میں جن امور کا التزام فرمایا ان سے انحراف کرنا اہل علم کے نزدیک خطابت کے عیوب میں شمار ہوتا ہے۔ بقول جاحظ[1]۔

"وعلی أن خطباء السلف الطیب وأھل البیان من التابعین بإحسان مازالوا یسمون الخطبة التی لا تبتدأ بالتحمید وتستفتح بالتمجید: البتراء ویسمون التی لا توشح بالقرآن وتزین بالصلاة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الشوھاء"

علاوہ ازیں خطبائے سلف صالحین اور بھلائی کے ساتھ اتباع کرنے والے بلغاء اس خطبے کو البتراء (دم کٹا، ناقص) کہتے رہے ہیں جو تحمید وتمجید سے شروع نہ کیا گیا ہو، اور جو خطبہ آیات قرآنی اور درود وصلاۃ سے مزین نہ ہو اسے شوہاء (بگڑی ہوئی شکل والا) کہتے رہے ہیں۔

دعوتِ اسلام میں کلام اللہ کی تاثیر کے بعد سب سے مؤثر طریقہ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی خطابت تھی۔ ویسے خطابت کا فن جو عرب میں پہلے بھی موجود تھا

[1] البیان ۶/۲

مگر اعلیٰ ترین اقدار زندگی کے لئے استعمال نہیں ہوتا تھا مگر آپ نے اسے شرک و بت پرستی کی جڑیں کاٹنے اور انسانی معاشرے کی اصلاح کے لئے ایک کامیاب ہتھیار کے طور پر استعمال کیا، توحید و رسالت اور حق وصداقت کی تبلیغ، عمل صالح اصلاح ذات البین، تحریض علی الجہاد اور انسانیت کی فلاح دارین کے لئے آپ نے خطابت کو استعمال کیا[1]۔

"فکان العمل الأکبر لصاحب الدعوة العظمی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بادئ أمرہ، غیر تبلیغ القرآن، واردًا من طریق الخطابة، والأمر ما جعلھا الشارع شعار کل إمام فی حفل دینی أو سیاسی کالجمعة والعیدین وموسم الحج الأکبر ویوم الصف وکل أمر جامع لنشر فضیلة أو نھی عن رذیلة أو إعلان عن نصر أو تاکید وصیة إلی غیر ذلک من الأمور ذوات البال، ولذلک کان دعاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورسلہ إلی الملوک وأمراء جیوشہ وسرایاہ ثم خلفاؤہ من بعدہ وعمالھم کلھم خطباء مصاقع ولسنا مقاول[2]!"

چنانچہ صاحب دعوت عظمیٰ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ تبلیغ قرآن مجید سے آغاز کرنے کے علاوہ آپ نے خطابت کو بھی ایک وسیلہ بنایا، اسی لئے شریعت نے خطابت کو تمام خلفاء کا شعار بنا دیا، مجلس دینی ہو یا سیاسی جیسے جمعہ، عیدین اور موسم حج اکبر، یوم صف آرائی ہو یا کوئی اجتماعی کام جس سے فضائل کو عام کرنا اور رذائل سے روکنا مقصود ہوتا۔ فتح کا اعلان ہوتا، وصیت کی تاکید مقصود ہوتی تو ایسے تمام اہم کام کے لئے خطابت کو ذریعہ بنایا جاتا تھا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبلغ آپ کے

[1] الوسیط ص ۱۰۵ [2] ادب الحدیث النبوی ص ۱۴۲

خلفاء اور ان کے عامل و حکام سب فصیح و بلیغ خطیب اور ترجمانِ
مدعا ہوتے تھے!"

اگر موضوع کو وسعت دیتے ہوئے ارشاداتِ نبوی کی تمام انواع کے اثرات پیشِ نظر ہوں تو معلوم ہوگا کہ ان کے اثرات کا دائرہ بے حد وسیع ہے، محدثین نے احادیث کی شرحیں لکھیں اور ان میں حکمت و ہدایت کے خزانوں کو عام کیا، فقہاء نے احکام کا استنباط کیا، اہلِ لغت نے ان کے الفاظ و تراکیب سے فائدہ اٹھایا اور علماء ادب و بلاغت کو ان میں فصیح محاورات اور زندۂ جاوید جملے اور کلمات کے بلند نمونے میسر آتے رہے۔

کلام اللہ اور کلامِ نبوی میں فرق

علمائے نقد و بلاغت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فصاحت و بلاغت میں کلام اللہ کے بعد کلامِ نبوت کا مقام ہے۔ کتاب اللہ کا اسلوب معنوی و لفظی ایک اسلوب ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے زمانے عاجز ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں بلکہ قادرِ مطلق کا پیغام ہے جو اس نے اپنے بندے پر اپنے آخری پیغام کے طور پر نازل کیا تاکہ انسانیت کو جہالت اور معصیت کی تاریکیوں سے نکال کر علم و عرفان اور ایمان و تقویٰ اللہ کی روشن راہوں پر ڈال دیا جائے، یہ ایک حقیقت ہے کہ ظہورِ قدسی اور اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ کا ورود ایک ایسا نقطہ ہے جس کے پس منظر میں جائیں تو تاریکی ہی تاریکی ہے اور آگے کو نظر آئیں تو آفتابِ نبوت کی کرنیں چار دانگ عالم میں پھیلتی دکھائی دیتی ہیں۔ انسانی تمدن و تہذیب کا قافلہ روشن سے روشن تر میدانوں کی طرف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے اور ظہورِ قدسی ایک ایسی روشنی ہے جس کے بعد علم و سائنس کا بول بالا اور اجالا ہی اجالا ہے!

معاندینِ اسلام یہ کہا کرتے ہیں کہ قرآن مجید کلام اللہ نہیں بلکہ معاذ اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہے دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا رہا ہے کہ

جس ہستی نے اپنے تو اپنے دشمن کے ساتھ کذب و افترا کو گناہ کبیرہ سمجھتے ہوئے ہمیشہ اجتناب کیا ہو اور سب نے جسے صداقت و امانت کا تاج پہنایا ہو اس نے اگر خدانخواستہ کذب و افتراء باندھا بھی تو اللہ رب العالمین پر!! جس پر نازل ہونے والی کتاب میں بار بار یہ کہا گیا ہو کہ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللهِ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بولے! وہ خود ہی اللہ پر اتنا بڑا افتراء باندھنے لگے۔ معاذ اللہ! جبکہ عملی زندگی میں جس نے کسی موڑ پر کسی لمحے کسی دوست دشمن سے کوئی معمولی وعدہ خلافی، دھوکہ یا افتراء یا جھوٹ نہیں بولا! جس نے اپنی نبوت کی صداقت کی دلیل میں اپنا بچپن، اپنا عہدِ شباب اور زندگی کا تمام دفترِ عمل پیش کیا ہو وہ اللہ رب العالمین پر کیسے افتراء باندھ سکتا ہے، وہ اللہ جس کی توحید کے لئے اس نے تن من دھن قربان کر دیا، جس کا ذکر اس کی بہترین روحانی غذا تھا۔ وہ اللہ جسے وہ دمِ واپسین بھی اپنا الرفیق الاعلیٰ کہہ کر پکارتا رہا، اور جس کے حضور پیش ہونے کے لئے اس کے اشتیاق، محبت اور عقیدت کی کوئی حد نہ تھی، وہ اس پر کذب و افتراء کی جسارت کر سکتا تھا! معاذ اللہ!

آخر اسے اس کی ضرورت کیا تھی! کیا وہ قرآن کو اپنا تخلیقی کمال کہہ کر فصحاء و بلغائے عرب کو اپنے سامنے جھکا نہیں سکتا تھا اور اسے اپنے بجائے خدا کا کلام قرار دے کر معاذ اللہ اپنا کمال ضائع کرنے کی کیا ضرورت تھی! عرب اس کے سامنے سربسجود ہوتے اس کے اشاروں پر چلتے، اسے اپنا آقا بلکہ دیوتا مانتے! اور تاریخی طور پر یہ صداقت ثابت ہے کہ عربوں نے ایسا کرنے کے لئے آپ کہا بھی تھا مگر آپ نے پیغامِ حق اور توحیدِ ربانی کو ترک کرنے سے انکار کر دیا تھا کیا صرف اس لئے کہ کانٹوں پر چلیں، پتھر کھائیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس خدا کی توحید اور پیغامِ حق کے لئے سب کچھ ٹھکرا رہے ہیں اس پر کذب و افتراء باندھیں! معاذ اللہ!

یورپ کے عالم نما پادری اور مستشرقین تو آج یہ بات کہتے ہیں کیونکہ ان کے

ہاں تو وحیِ ربانی کا تصور ہے ہی نہیں، ان کے لئے تو خدا نے اپنا بیٹا دنیا میں انسانی روپ میں بھیجا اور اپنے حواریوں کو وعظ کرتا رہا جسے انہوں نے لکھ لیا، ان بیچاروں کو یہ کون سمجھائے یا ان سے پوچھے کہ جو خدا اپنا بیٹا دنیا میں انسانی روپ میں بھیج کر سولی پر چڑھوا سکتا ہے کیا وہ کسی پیغمبر کے قلب اطہر پر یا اپنے مقربین کے توسط سے اپنا پیغام نہیں بھیج سکتا!! بیچارے مستشرقین کی طرح کفار عرب بھی وحیِ ربانی کے تصور سے عاری تھے، وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور امانت کو تو مانتے تھے لیکن وہ پیغام ربانی کو افتراء علی اللہ تصور کرتے تھے، قرآن مجید نے پہلے دس سورتیں اور پھر ایک سورت گھڑ کر بنا لانے کا چیلنج دیا پھر کہا کہ جن وانس ملکر بھی قرآن مجید کی نظیر لانے سے عاجز ہیں: ساری دنیا کو مثال لانے کا چیلنج دیا گیا جو آج بھی قائم ہے، چودہ صدیوں کے دوران میں بہت سے لوگوں نے بزعم خویش اس چیلنج کو قبول کیا اور قرآن مجید کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی ان میں بڑے بڑے شاعر اور فصیح بلیغ ادباء و خطباء بھی شامل تھے، ان سب نے منہ کی کھائی، ان لوگوں نے جو کچھ کہا یا لکھا وہ محفوظ ہے، مقابلہ و موازنہ کر کے دیکھ لو، شان نبوت معلوم ہو جائے گی، نبی امی کا معجزہ آج بھی قائم ہے تاکہ دنیا کو نبوت کی عظمت و حقیقت معلوم ہوتی رہے!

مصر کے مشہور عالم ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اعجاز قرآن کو ایک نہایت ہی سادہ انداز میں سمجھانے کی کوشش کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ دنیا کے تمام انسانوں نے اپنی اپنی زبان میں جو ادب تخلیق کیا ہے وہ دو اصناف پر مشتمل ہے، نظم یا نثر مگر عربی زبان کا ادب دو اصناف پر مشتمل نہیں ہے بلکہ تین اصناف پر مشتمل ہے۔ ایک نظم، دوسری نثر اور تیسرا قرآن، چونکہ قرآن نہ نظم کے ضمن میں آتا ہے نہ نثر کے دائرے میں بلکہ یہ تو ایک الگ اور مستقل تیسری صنف ہے جسے قرآن ہی کہا جا سکتا ہے، چونکہ انسانی کلام نظم میں ہوتا ہے یا نثر میں اور قرآن مجید تو نہ نظم میں ہے نہ نثر میں، تو ظاہر ہوا کہ یہ کسی بشر کا کلام تو ہے نہیں، پھر کس

کا ہوا!

قرآن مجید کے متعلق اللہ کا ایک ارشاد یہ بھی ہے کہ اس کے بارے میں نئی نئی باتیں انسانوں کو معلوم ہوتی رہیں گی، انہیں ایسی آیات و نشانیاں دکھنے کو ملتی رہیں گی جن کے بعد انہیں اللہ وحدہٗ لاشریک کی ہستی اور قرآن مجید کے اعجاز ربانی ہونے کا یقین حاصل ہوتا رہے گا! لوگ تو کہتے ہیں نا کہ قرآن مجید معاذ اللہ کلام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے مگر قدرت کی ستم ظریفیاں بھی بڑی عجیب ہیں، لوگوں نے آپ کے اقوال جمع کرنا شروع کئے تو بعض کا خیال تھا کہ کبھی آپ خوش ہوتے ہیں کبھی غصے میں پھر انسان باتوں کو ضبط تحریر میں لاتے وقت بھی غلطی کر سکتا ہے مگر حکمت خداوندی نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ ان سے کہہ دیجئے کہ آپ کی تمام باتیں تحریر کر کے محفوظ کر جائیں چنانچہ آپ کے خطبات، آپ کے جوامع الکلم، اقوال اور اعمال تک محفوظ کر دئے گئے جو آج بھی موجود ہیں تو آ ذرا ان سے کلام اللہ کا مقابلہ اور موازنہ کر لیں، آخر کہیں تو لفظ و معنی کی برابری ثابت ہو جائے گی کیونکہ آدمی اپنے اسلوب سے پہچانا جاتا ہے!" دوسرے لفظوں میں ایک ہی آدمی کی گفتار و نگارشات ایک جیسی ہوں گی: اب آپ خطبات نبوی، جوامع الکلم، آپ کے مکتوبات اور پھر صحیح احادیث کا مطالعہ کیجئے آپ کو خطبات میں جوامع الکلم، جوامع الکلم میں خطبات اور احادیث میں خطبات اور جوامع الکلم کا رنگ واضح نظر آئے گا، افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام انواع کلام میں آپ کو ایک جیسی فصاحت و بلاغت، ایک جیسی سلاست و روانی اور سادگی و بے تکلفی نظر آئے گی لیکن ان میں سے کسی ایک صنف کا قرآن مجید سے تقابل کر کے دیکھ لیجئے زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا تقابل کسی اور فصیح و بلیغ خطیب عرب سے کیجئے آپ کو انہیں میں کا فرق نظر آئے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوب بیان میں اور دوسرے خطیب کے اسلوب بیان میں آپ کو وہی فرق نظر

آئے گا جو دو خطیبوں، یا دو ادیبوں اور دو انشاء پردازوں کے اسلوب میں عادتاً پایا جا سکتا ہے مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسلوب خطابت کافی حد تک خطابت نبوی کے اسلوب سے ملتا ہے آخر کیوں نہ ہو؟ نبوتؐ کے فیض تربیت کا اثر تو ہونا تھا، جو کچھ مدینۃ العلم میں ہے وہ باب العلم سے ظاہر تو ہوتا ہے!

لیکن جب آپ ان میں سے کسی بزرگ کے کلام سے کلام اللہ کا موازنہ کریں گے تو مساوات و برابری یا مشابہت تو رہی ایک طرف آپ کو زمین و آسمان کے فاصلے نظر آئیں گے حتیٰ کہ کلام نبوت میں سے جوامع الکلم بے حد فصیح و بلیغ کلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا کرتے تھے: نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُوتِيتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، اللہ نے مجھے باد صبا کے ذریعے فتح دلائی اور جوامع الکلم عطا فرمائے" مگر ان کلمات حکمت کا جب قرآن مجید کی کسی آیت سے تقابل کریں گے تو لفظ و معنیٰ کا اسلوب آپ پر کلام بشر اور کلام اللہ کا فرق واضح کر دے گا۔!

اعجاز القرآن کے مصنف علامہ ابوبکر الباقلانی نے کسی زمانے میں کلام نبوت اور کلام اللہ میں فرق کرنے کی کوشش فرمائی تھی وہ آج بھی ہماری توجہ کی اسی طرح مستحق ہے جس طرح گزشتہ زمانوں میں تھی!

باقلانی فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے اسلوب اعجاز اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال بلیغ میں جو لفظی اور معنوی فرق ہے وہ بالکل واضح ہے، جو شخص عربی زبان کے قواعد کے ساتھ ساتھ فصیح و بلیغ ادب کے صوری و معنوی محاسن کا علم و ذوق رکھتا ہے اس کے لئے یہ فرق معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اگر بلاغت قرآن اور بلاغت نبوی میں فرق کرنے کا کوئی واضح طریقہ مقصود ہو تو اس طرح ممکن ہے کہ خطبات نبوی اور اس عہد کے دیگر اہل علم کے خطبات کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو ان میں کوئی نمایاں فرق نظر نہ آئے گا۔ آپ کے خطبات اور خلفائے راشدین کے خطبات میں یا اسی عہد کے دیگر خطباء کے

خطبات میں وہی فرق نظر آئے گا جو کسی ایک عہد کے دو فصیح و بلیغ خطیبوں کے اسلوب میں پایا جا سکتا ہے! علامہ باقلانی کے الفاظ ہیں[1]:

إِنَّمَا يَقَعُ بَيْنَ كَلَامِهِ وَكَلَامِ غَيْرِهِ مِنَ التَّفَاوُتِ مَا يَقَعُ بَيْنَ كَلَامِ الْفُصَحَاءِ وَبَيْنَ شِعْرِ الشَّاعِرِينَ:

آپ کے کلام اور دوسروں کے کلام میں وہی فرق نظر آئے گا جو دو فصیح آدمیوں یا دو شاعروں کے کلام میں پایا جا سکتا ہے!

جدید دور کے مصری علماء میں سے علامہ بکری شیخ امین نے حدیث نبوی کی ادبی حیثیت اور مقام کے متعلق ایک بہترین کتاب تصنیف کی ہے، اس میں انہوں نے کلام اللہ اور کلام نبوت میں فرق کرنے کی بھی کوشش کی ہے؛

ڈاکٹر بکری شیخ امین نے کلام ربانی اور کلام نبوی کا فرق سمجھانے کیلئے جہاد کے متعلق آیات قرآنی اور احادیث نبوی کا ایک تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ لفظی و معنوی اعتبار سے احادیث نبوی اور آیات قرآنی میں نمایاں فرق ہے، موضوع اگرچہ ایک ہے مگر موضوع سے تعرض کرنے، اسکی تفہیم و وضاحت اور تفصیل و تشریح کے لیے جو اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے وہ دونوں جگہ بے حد مختلف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی موضوع سے متعلقہ آیات اور احادیث جمع کر کے انکا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو نتیجہ وہی نکلے گا جس پر ڈاکٹر بکری شیخ امین جہاد کے متعلق آیات اور احادیث کے تقابلی مطالعہ کے بعد پہنچے ہیں، توحید باری تعالیٰ قرآن مجید کا اہم ترین مضمون ہے، احادیث نبوی میں بھی اللہ کی وحدانیت کو ایک اہم مضمون کی حیثیت حاصل ہے اس موضوع سے متعلق آیات و احادیث کا تقابلی مطالعہ کر کے دیکھ لیجئے کلام ربانی اور کلام نبوی کا فرق معلوم ہو جائے گا، اسی طرح قیامت، جنت دوزخ، عصیان و الحاد، جنات و ملائکہ، قصص انبیاء، عبادات و عقائد انسانی

---

[1] اعجاز القرآن ص ۱۶۴

فطرت، اللہ اور بندے کا باہمی رشتہ، ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فضل و مرتبہ وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشترک ہیں مگر دونوں جگہ بیان کا انداز جدا ہے، ہر ایک کا اسلوب بلاغت الگ ہے!

اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن مجید کی سورۃ الفتح کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کے اسلوب بیان، لفظی ومعنوی محاسن اور نظام فصاحت و بلاغت کا تقابلی مطالعہ اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے تعرض کرنے سے ممانعت فرماتے ہوئے انہیں نجوم ہدایت قرار دیا ہے یا مثلاً اخوت اسلامی کے موضوع کو ہی لے لیجئے، قرآن مجید کی سورت حجرات کی ایک چھوٹی سی آیت ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (۴۹/۱۰)

مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس لئے اپنے دو بھائیوں میں جھگڑا ہو، تو صلح کرا دیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

کہنے کو تو یہ دس لفظ ہیں مگر ان میں معانی کے چار ابواب جمع کر دئے گئے ہیں، پہلی یہ کہ ایمان اخوت کی بنیاد ہے۔ اہل ایمان گئے گزرے حالات میں بھی اپنے بھائیوں کے لئے جو جذبات رکھتے اور ان کے لئے قربانیاں دیتے رہے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اخوت اسلامی دنیا کے لئے ایک سبق اور اہل فکر کے لئے دعوت مطالعہ ہے، دوسری بات بھائیوں کے اختلافات دور کرنے کا حکم، گویا اللہ تعالیٰ کو انسانی فطرت کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ ایمان کا جذبہ کمزور پڑا تو جھگڑا ممکن ہے۔ اس لئے اخوت کے رشتے کو دائمی رکھنے کے لئے ایک مستقل تنبیہ مقرر کر دی گئی کہ دو بھائی اگر جھگڑیں تو باقی مومن فوراً صلح کرا دیں اور غفلت نہ کریں، اہل ایمان نے یہ

فریضہ پس پشت ڈال دیا مگر اخوت اسلامی کے عملی مظاہرے اب بھی اہل ایمان کی بستیوں میں دیکھنے کو مل جاتے ہیں، پھر تیسری بات یہ کہ اہل ایمان کی اخوت اور جھگڑے کی صورت میں مصالحت کا کام تقویٰ اللہ سے انجام پائے گا۔ لہٰذا تقویٰ کے لوازمات اور تقاضے بھی پورے کرو! اخوت، مصالحت اور تقویٰ اللہ پر عمل کا انعام چوتھی بات ہے اور وہ ہے اللہ کی رحمت! جس کام کا اجر اللہ کی رحمت ہو اس کی اہمیت کیا ہوگی اور اس سے غفلت برت کر اللہ کی رحمت سے محرومی کا شکار ہو کر کتنا بڑا خسارہ ہوگا!

یہ تو ان دس لفظوں کے معنی کی بات ہوئی۔ رہا لفظی اسلوب اور اس کے محاسن تو اس کا اندازہ اسی سے لگا لیجئے کہ دس لفظوں میں جو چار ابواب ہیں انہی موضوعات بنا کر کیا کچھ تصنیف کیا جا سکتا ہے؟! اس لطافت اور حلاوت کو جانے دیجئے جو یہ دس لفظ زبان اور قوت سامعہ کو عطا کرتے ہیں!

اب لیجئے اسی موضوع پر ایک حدیث نبویؐ:

"المسلمون تتكافؤ دماؤهم ويسعى بذمتهم ادناهم وهم يد على من سواهم۔

اہل اسلام کی جانیں باہم ہم پلہ ہوتی ہیں، ادنیٰ مسلمان بھی ان کی ذمہ داری اٹھانے کی کوشش کرے گا اور وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک ہیں۔

حدیث نبوی گیارہ الفاظ پر مشتمل ہے ان میں تین باتیں بیان ہوئی ہیں، سب مسلمانوں کا خون برابر ہے، کوئی مسلمان ذمہ داری لے تو وہ سب کو لازم ہے یا قریب ترین ان کی ذمہ داری لے گا اور تیسری بات یہ کہ وہ دشمن کے مقابلے میں ایک ہیں۔ لفظی اعتبار سے بھی ان الفاظ میں جمال محمدی تو ہے مگر وہ لطافت رحمانی اور جلال ربانی نہیں جو آیت کریمہ میں ہے!

زیادتی ہوگی اگر ہم ڈاکٹر بکری شیخ امین کے اس تقابلی مطالعہ سے صرف

نظر کریں جو انہوں نے جہاد سے متعلق آیات اور احادیث کے ضمن میں پیش کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"یؤمن کل من قرأ فی القرآن الکریم وفی الحدیث الشریف ان بینهما من الفروق القدر الکبیر، ولاسیما فی الخصائص الاسلوبیة والتعبیریة والفنیة، وان القرآن یختلف فی هذا المستوی عن الحدیث، وان قائل هذا غیر قائل ذاك؛ ولإثبات هذه الحقیقة نورد نموذجین احدهما من القرآن وثانیهما من الحدیث الصحیح، وکلاهما یدور حول موضوع واحد لیکن الموضوع الجهاد فی سبیل الله۔"

جو شخص بھی قرآن کریم اور حدیث شریف کا مطالعہ کرے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ ان دونوں میں جو فاصلے ہیں ان کی مقدار بہت ہے، خصوصاً اسلوب بیان، طریقہ اظہار اور فنی پہلوؤں کے لحاظ سے، اور یہ کہ اس معیار میں قرآن حدیث سے مختلف ہے اور اس کا قائل اور ہے اور اس کا قائل کوئی اور۔ اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے ہم دو نمونے پیش کرتے ہیں ایک قرآن سے اور دوسرا حدیث سے، دونوں کا تعلق ایک ہی موضوع سے ہے اور یہ موضوع ہوگا جہاد فی سبیل اللہ۔

اس کے بعد انہوں نے حسب ذیل سات آیات قرآن اور پھر ایک حدیث نبوی پیش کی ہے اور اس کے بعد ان کا تقابلی مطالعہ کر کے نتائج اخذ کئے ہیں۔

آیات قرآنیہ :

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔

(البقرۃ / ۲۱۲)

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ ہیں جو اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ تو بخشنے والا ہے اور رحمت والا ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ۔ (آل عمران / ۱۴۲)

کیا تم نے یہ خیال کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جو جہاد کرنے ہیں اور تاکہ وہ صبر والوں کو جان لے!

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً ۚ وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا۔ (النساء / ۹۵)

دونوں برابر نہیں ہو سکتے مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے جن کو کوئی دکھ نہیں، اور اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے فضیلت دی ہے اور سب سے اللہ نے اچھائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم کے ساتھ فضیلت دی ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (الانفال ۷۴)

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا،

اور وہ لوگ جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی، وہ لوگ ہیں جو سچے مومن ہیں، ان کے لیے بخشش ہے اور عزت والا رزق ہے!

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُن مَّعَ الْقَاعِدِينَ رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ (التوبة ۸۶ — ۸۸)

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ جہاد میں شریک ہو تو ان میں سے خوشحال لوگ تجھ سے اجازت طلب کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہی چھوڑ جائیے، وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں کے ساتھ رہ جائیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی اس لیے وہ سمجھتے نہیں، لیکن رسولؐ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان لائے، وہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اور انہیں کے لیے سب بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں!

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ۔ (الحجرات ۱۵)

بس مومن تو وہی لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کسی قسم کا شک نہ کیا اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ذریعے جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم

مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ (الصف = ۱۱)

اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت کی نشان دہی کروں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دلا دے گی؟ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو، یہی تمہارے لئے سب سے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو!!

اب رہا موضوع جہاد حدیث نبوی میں تو مسلم نے اپنی جامع صحیح میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تضمن اللہ لمن خرج في سبيله لا يخرجه إلا جهاد في سبيلي وإيمانٌ بي وتصديقٌ برسلي، فهو ضامن أن أدخله الجنة أو أرجعه إلى منزله الذي خرج منه نائلًا ما نال من أجر أو غنيمة۔

والذي نفس محمد بيده، ما من كلم يكلم في سبيل الله إلا جاء يوم القيامة كهيئته يوم كلم لونه لون دم وريحه ريح مسك۔

والذي نفس محمد بيده، لولا أن يشق على المسلمين ما قعدت خلف سرية تغزو في سبيل الله أبداً، ولكن لا أجد سعة فأحملهم ولا يجدون سعة، ويشق عليهم أن يتخلفوا عني،

والذي نفس محمد بيده، لوددت أني أغزو في سبيل الله فأقتل ثم أغزو فأقتل ثم أغزو فأقتل!"

جو اللہ کی راہ میں نکلے گا اللہ نے اسے اس بات کی ضمانت دی ہے، بشرطیکہ وہ صرف میرے راستے میں جہاد کے لئے، مجھ پر ایمان رکھتے ہوئے اور میرے رسولوں کی تصدیق کرتے ہوئے کہ میں اسے یا تو جنت میں داخل کروں گا یا اسے اس گھر میں لوٹاؤں گا جس سے وہ نکلا تھا اور جو ثواب یا غنیمت حاصل کرنا تھا وہ بھی حاصل کر چکا ہو گا

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، کوئی زخم بھی ایسا نہیں جو اللہ کی راہ میں آتا ہے مگر یہ کہ زخمی ہونے والا مجاہد قیامت کے دن اسی حالت میں آئے گا جس حالت میں وہ زخمی ہوا تھا، رنگ تو اس کا خون سا ہو گا، اور بو اس کی مشک کی سی ہوگی!

اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، اگر یہ خدشہ نہ ہوتا کہ یہ مسلمانوں کے لئے شاق گزرے گی تو میں اللہ کی راہ میں نکلنے والے غازیوں کے کسی دستے سے کبھی پیچھے نہ رہتا، لیکن نہ تو میرے پاس وسعت ہے کہ میں اسے ساتھ لے لوں اور نہ ان کے بس میں ہے، اور ان کے لئے یہ بات شاق گزرتی ہے کہ وہ مجھ سے پیچھے رہ جائیں!

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے، میری یہ خواہش و آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں غازی بنکر نکلوں، شہید ہو جاؤں، پھر غازی بنکر نکلوں، شہید ہو جاؤں، پھر غازی بن کر نکلوں تو شہید ہو جاؤں!"

آیات قرآنیہ اور حدیث نبوی پر غور کرنے اور تقابلی مطالعہ کے بعد ڈاکٹر امین مندرجہ ذیل نتائج پر پہنچے ہیں:

(۱) مندرجہ بالا آیات جہاد میں سے ہر ایک کے شروع میں ایسے ارشادات

آئے ہیں جو ایمان پر دلالت کرتے ہیں تو گویا جہاد کا ایمان کے ساتھ گہرا ربط ہے، ہر مجاہد مومن اور مومن مجاہد ہے، یا گویا ایمان اور جہاد دونوں برابر برابر ہیں۔ ہر ایک آیت میں اَلَّذِیْنَ آمَنُوا کے بعد جاھدوا ہے المومنون کے ساتھ المجاہدون آیا ہے۔

حدیث نبوی بھی قرآن کریم کے تتبع میں جہاد کو ایمان کے ساتھ جوڑتی ہے مگر فرق یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایمان کو مطلق چھوڑا ہے اور اس کے متعلق بیان نہیں کیا، اس اطلاق سے فائدہ یہ ہے کہ قاری خود بخود سمجھ لیتا ہے کہ اس ایمان میں اللہ، اس کے رسولؐ، دعوت حق، عقیدہ اسلام اور ہر اس بات پر ایمان شامل ہے۔ جو مومن کے دل میں حرارت ایمانی پیدا کر سکتی ہے۔ جبکہ حدیث میں "ایمانٌ بی" کہہ کر ایمان کو صرف اللہ کی ذات تک محدود کر دیا گیا اور آیت کی طرح اس کا دائرہ وسیع نہیں رکھا گیا۔

۲: بیشتر آیات میں جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالمال کا ذکر ہے جان کے ساتھ جہاد کرنے والے مومن کا اجر مال کے ذریعے جہاد کرنے والے کے برابر ہے، جان اور مال کو ہم پلہ تصور کیا گیا ہے، اس برابری کو انسانی طبیعت قابل تائید بھی تصور کرتی ہے، اسی طرح انسانی تصرفات، نفسیات اور حقائق زندگی بھی اس کی تائید کرتے ہیں، تمام آیات میں جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالمال کا بھی ذکر ہے۔

مگر حدیث نبوی میں جہاد بالنفس کو جہاد بالمال سے نہیں جوڑا گیا بلکہ اس موضوع کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ شاید دیگر احادیث میں جہاد بالمال کا ذکر ہو گا لیکن یہاں تو بالکل نہیں ہے اس طرح آیات قرآن سے جہاد کا جو مفہوم سامنے آتا ہے وہ حدیث کے مفہوم جہاد سے وسیع تر ہے اور زیادہ گوشوں کو شامل ہے۔

۳: آیات قرآنیہ میں مجاہد بالنفس والمال کا اجر بڑا ہے جبکہ حدیث میں مذکور مجاہد کا اجر کم ہے۔ آیات میں مجاہد کے لئے کہیں اللہ کی رحمت ہے، کہیں اجر عظیم کا ذکر ہے۔ کہیں مغفرت اور رزق کریم ہے، کہیں خیرات اور فلاح کا

ذکر ہے. کہیں عذاب الیم سے نجات دلانے والی تجارت کہا گیا ہے اور کہیں خیر کا نام دیا گیا ہے:

چنانچہ اللہ کی رحمت، اجر عظیم، ایمان بالحق، مغفرت، رزق کریم، خیرات فلاح، صادقین کا لقب ملنا، نفع بخش تجارت اور خیر جہاد کا کچھ اجر اور معاوضہ ہے، اوصاف عام اور مطلق ہیں، ان کا عام اور مطلق ہونا مفسر کے لئے ایک ایسا موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ ان کی وسیع الاحتمال تفسیر کرے، مثلاً مفسر اللہ کی رحمت اجر عظیم اور خیر کی تفسیر میں وسیع ترین روش اختیار کر سکتا ہے۔ جو دخول جنت، حصول ثواب یا غنیمت سے بڑھ کر ہوگا جس کا کہ حدیث میں ذکر ہے۔

آیات میں بھی عطا کا ذکر ہے اور حدیث میں بھی عطا کا ذکر ہے، مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ ایک بادشاہ یا شہنشاہ کی جانب سے ہے جب کہ دوسری عطا اللہ کی مخلوق میں سے ایک فرد کی طرف سے ہے جو اپنی رسالت کی حدود میں رہ سکتا ہے۔

تو کیا دخول جنت اللہ کی رحمت، اجر عظیم، اللہ کی مغفرت، اس کے رزق اور اس کی خیر کے برابر ہو سکتا ہے!!

اللہ کی رحمت تو جنت دنیا و جنت آخرت دونوں کو شامل ہے، اللہ کی طرف سے اجر عظیم تو انسان کے مقام کو جیتے، مرتے یا قیامت کے دن بلند کر سکتا ہے مگر دخول جنت اگرچہ ہر مومن کی امید ہے مگر یہ اللہ کی رحمت، اس کے اجر عظیم، اور اس کے رزق کریم کا ایک حصہ ہے۔

۴:- آہنگ صوتی جو آیات قرآنی میں رواں ہے وہ بھی حدیث کے حسن صورت سے بنیادی طور پر مختلف ہے۔

ایک تخیل کو مختلف اجزاء میں تقسیم کر دینا، فقروں کے درمیان توازن، تراکیب کی نازک و سہل سی روانی، ایسے خواص پہ اختتام جو موسیقیت پیدا کرتے ہیں جس خیال و تصور کی بات ہو رہی ہے اس کے ساتھ عضوی ارتباط ضمائر کی

ہم آہنگی، مفعول یا متعلقات فعل کا حذف کرنا، نکرہ کی جگہ نکرہ، معرفہ کی جگہ معرفہ بر محل تقدیم، موزوں اور خوبصورت تاخیر، لفظی اور معنوی زینت ان آیات قرآنی کے چند نمایاں پہلو ہیں!

رہی حدیث، تو اگرچہ اس میں اظہار معنی کا حسن و جمال موجود ہے، مگر وہ قرآن کریم کے فن تعبیر و اظہار کی بعض باتوں تک رسائی نہیں پا سکی ہے!

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

کے درمیان اور اس ارشاد نبوی کے درمیان کہ۔

تضمن اللہ لمن خرج فی سبیلہ لا یخرجہ إلا جہاد فی سبیلی وایمان بی وتصدیق برسلی فہو ضامن من أدخلہ الجنۃ أو أرجعہ إلی منزلہ الذی خرج منہ نائلا ما نال من أجر أو غنیمۃ" بہت بڑا فرق ہے!

جو موسیقیت آیات سے برس رہی ہے ضمائر کی روانی و ترتیب حدیث کی موسیقیت کی طرح نہیں ہے اور نہ آیات کی ضمیریں حدیث کی ضمیروں کی طرح ہیں، "تاہم حدیث نبوی میں بھی ایک موسیقیت موجود ہے مثلاً لونہ لون دم، وریحہ ریح مسک" اور "لوددت أن أغزو فی سبیل اللہ فأقتل ثم أغزو فأقتل، ثم أغزو فأقتل" مگر یہ نغمگی اس کے ہم پلہ نہیں ہے جو ان الفاظ آیات میں ہے "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا، وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ"

اس لئے کہ حدیث کی موسیقیت تو دو چھوٹے چھوٹے جملوں سے پیدا ہوئی ہے۔ ہے، یا نکرہ کو نکرہ کی طرف مضاف کرنے سے یا عبارت کے آخر میں انہی الفاظ

کی تکرار سے مگر آیت کی موسیقیت متعدد سوتوں سے پھوٹ رہی ہے: الذین، آمنوا۔ ھاجروا۔ جاھدوا۔ سبیل۔ اولئك۔ یرجون۔ غفور رحیم!
اس کے علاوہ یہ موسیقیت مخارج حروف کی سہولت اور لعد سے، تنوین، تشدید، توازن اور بعض الفاظ کے تکرار سے بھی پیدا ہو رہی ہے!

اور سب سے آخر میں ڈاکٹر امین کا اختتامی پیراگراف اور اس کا ترجمہ بھی پڑھ لیجئے۔

"وبعد، فإن الذين يقولون: إن محمدا هو الذي أنشأ القرآن وصاغه ليس لهم فقط وإنما هم خالون من الذوق الذي وفهم الأساليب وتمييز الفروق بينها. وإن القول الذي يرددونه: "الأسلوب هو الرجل" والذي يقصدون به أن أسلوب الرجل لا يتغير مهما اختلف الموضوع الذي يتحدث فيه، كما لا تختلف بصمات الأصابع في مختلف أدوار عمر الإنسان، يقولون ذلك القول، ويؤمنون به نظريا ثم ينكرونه عمليا حين يلمسون الفروق الجوهرية الأصيلة بين أسلوب القرآن والحديث، و يركبون رؤسهم ثم يغطونها في الرمال وليس لهم هدف إلا إخفاء الحقيقة والطعن في الإسلام لمجرد الطعن لا لخدمة حقيقة ولا لجلاء حق، هذا إذا وقفوا على الفروق أما إذا عجزوا فتلك هي المصيبة لأنهم يقولون عن جهل وحقد وعمى بصيرة!!"

تو اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے جنہوں نے قرآن تیار کیا اور اسے ڈھالا، وہ نہ صرف کافر ہیں بلکہ فنی ذوق، مختلف اسالیب کو سمجھنے اور ان میں امتیاز کرنے کی صلاحیت

سے بھی عاری ہیں، ایک قول جسے وہ بتکرار دوہراتے رہتے ہیں کہ "اسلوب ہی آدمی ہے" اور جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ گفتگو کا موضوع خواہ کتنا ہی مختلف ہو جائے آدمی کا اسلوب نہیں بدلتا، جس طرح کہ انسان کی عمر کے مختلف ادوار میں اس کی انگلیوں کے نشانات نہیں بدلتے، وہ یہ بات کہتے تو ہیں، اور نظریاتی طور پر اسے مانتے بھی ہیں مگر جب انہیں اسلوب قرآن و حدیث میں حقیقی بنیادی فرق نظر آتے ہیں تو اس سے عملاً انکار کر دیتے ہیں۔ جدھر منہ آئے چل نکلتے ہیں پھر اپنے سروں کو ریت میں ڈھانپ دیتے ہیں حالانکہ ان کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ حقیقت کو چھپانا چاہتے ہیں، اور طعن برائے طعن کے مطابق اسلام پر طعنہ زنی کرنا چاہتے ہیں، نہ تو وہ حقیقت کی خدمت کرنا چاہتے ہیں اور نہ حق کو واضح اور روشن دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ اس وقت ہے جب وہ فرق سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ ہاں اگر وہ عاجز رہتے تب تو ایک اور مصیبت ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں جہالت، عناد، حسد اور بصیرت کے اندھے پن سے کہتے ہیں!!

استاذ احمد حسن زیات مرحوم نے خوبصورت اختصار و جامعیت کے انداز میں فصاحت نبوی اور احادیث نبویہ کے امتیازی خصائص و محاسن کی وضاحت کی ہے۔ حدیث نبوی کے اسلوب اور معیار بلاغت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"ولكن أحاديث الرسول، وإن كانت فيض الخاطر وعفو البديهة، يبدو عليها أثر الإلهام وسيمة العبقرية وطابع البلاغة وأسلوبها أقرب إلى عصر النبوة منه إلى أسلوب القرآن:۔

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث، اگرچہ فیضان قلب اور

بیساختہ بداہت گوئی کا نتیجہ ہیں ، اپنے اندر الہام کا اثر ، عبقریت
کی نشانی اور بلاغت کا رنگ لئے ہوئے ہیں ۔ آپ کی ان احادیث
کا اسلوب بیان قرآن کریم کے بجائے عہد نبوت کے عربی اسلوب
بیان کے زیادہ قریب ہے ''

افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے اسلوب بیان اور تشبیہ
وتمثیل پر قدرت کاملہ کی نشان دہی کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

وللرسول قدرة عجيبة على التشبيه والتمثيل وإرسال
الحكمة وإجادة الحوار، وتلك ميزة الرسل من قبل
ولا سيما المسيح؛

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشبیہ وتمثیل کے استعمال، بیساختہ
کلمات حکمت اور عمدہ انداز گفتگو پر عجیب وغریب قدرت حاصل
ہے، اور یہ انبیاء کرام خصوصاً مسیحؑ کی امتیازی خصوصیت ہے ۔

فصاحت نبوی کے عناصر ترکیب اور محاسن کمال پر گفتگو کرتے ہوئے
بتاتے ہیں کہ۔

تقلب رسول الله صلى الله عليه وسلم في أخلص القبائل منطقا و
أعذبها بيانا فولد في بني هاشم ونشأ في قريش واسترضع في بني
سعد، فكان افصح العرب لسانا بالفطرة وقد حدث بذلك
عن نفسه فلم يزيف حديثه ولم يُدْفَع قولُه، وفصاحة
الرسول صلى الله عليه وسلم أشبه بالإلهام والفيض فلم
يعانها ولم يتكلفها ولم يرتض لها وإنما اسلست له
الالفاظ وإسمحت له المعاني فلم يند في لسانه لفظ ولم يضطرب
في أسلوبه عبارة ولم يعزب عن علمه لغة ولم يَنُبُ
عن خاطره فكرة فكان كلامه كما قال الجاحظ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بود و باش ایسے قبائل میں ہوئی جو فصیح
ترین زبان والے اور شیریں ترین بیان والے تھے چنانچہ آپ بنو ہاشم
میں پیدا ہوئے، قریش میں بڑے ہوئے اور بنو سعد میں پرورش
پائی اس لئے آپ فطرۃً افصح العرب تھے ۔ آپ نے خود بھی اس بات
کا ذکر فرمایا جس میں کوئی کھوٹ نہیں اور آپ کی اس بات پر کوئی اعتراض
نہ ہو سکا ۔ آپ کی فصاحت الہام وفیضان کے مشابہ معلوم ہوتی ہے
جس میں آپ نے مشقت یا تکلف سے کبھی کام نہیں لیا نہ کبھی اس
کے لئے آپ نے ریاض کیا تھا ، بلکہ الفاظ آپ کے سامنے فرش راہ
تھے اور معانی آپ کے حضور میں سرنگوں تھے ، آپ کی زبان سے
نہ تو کبھی کوئی ناگوار لفظ ادا ہوا اور نہ آپ کے اسلوب بیان میں کبھی
ناہمواری نظر آئی ، عرب کا کوئی لہجہ آپ کے علم سے اوجھل نہ تھا اور
نہ کوئی فکر وخیال آپ کے ذہن سے دور ہو سکا ۔ آپ کا کلام
تو بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ جاحظ نے اس کی تصویر پیش کی ہے ۔

استاذ محمود مصطفیٰ فصاحت نبوی کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتے
ہوئے لکھتے ہیں ۔

ولقد تجنب النبي صلى الله عليه وسلم في قوله ذلك السجع الذي
كان يلتزمه الكهان ليملكوا به النفوس ويستهووا الألباب فأزرى
عليهم وحذر من افعالهم فقال: إياكم وسجع الكهان! فجاء كلامه
عليه الصلوٰة والسلام نقي اللفظ واضح الأسلوب حسن الإيجاز
حسن الإطناب خاليا من السجع المستكره مشتملا على المعاني
السامية فهو جدير أن يجيء الفضل من أفكاره لذلك كان
أبلغ كلام عرفه الناس بعد القرآن!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام میں اس سجع سے اجتناب

فرماتے تھے جس کا التزام کاہن کیا کرتے تھے تاکہ لوگوں پر غالب آسکیں
اور عقلوں کو اپنی طرف مائل کر سکیں، چنانچہ آپ نے ان کی تحقیر کی اور
ان کے افعال سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: کاہنوں کی سجع سے اجتناب
کرو! اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پاکیزہ الفاظ، واضح اسلوب
خوبصورت اختصار اور حسین اطناب کا حامل تھا جو ناپسندیدہ سجع سے
خالی تھا اور بلند معانی پر مشتمل تھا، آپ کے ارشادات اس لائق ہیں کہ
ان کے افکار سے فضل و کمال کا اکتساب کیا جا سکے، یہی وجہ ہے کہ
آپ کا کلام قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھا!"

استاذ محمود دیر بھی لکھتے ہیں کہ جب آپ کو اعلان نبوت کا حکم ہوا تو کوہ صفا
پر چڑھ کر سب سے پہلا خطبہ یوں ارشاد فرمایا تھا۔

أرأيتم لو أخبرتكم أن خيلا بالوادي تريد أن تغير
عليكم أكنتم مصدقي!! قالوا: نعم! ما جربنا
عليك كذبا! قال: فاني نذير لكم بين يدي عذاب شديد!

کیا اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ وادی میں کچھ شہسوار ہیں جو غارت گری
کے لئے تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو کیا تم میری بات پر یقین کرو گے!
لوگوں نے کہا: ہاں کیوں نہیں ہم نے جھوٹ بولتے تو آپ کو کبھی
دیکھا ہی نہیں! تو آپ نے فرمایا: میں شدید عذاب سے تمہیں ڈرانے
کے لئے بھیجا گیا ہوں!"

ڈاکٹر شوقی ضیف نے عربی زبان پر فصاحت و بلاغت نبوی کے وسیع
اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ عربی زبان میں متعدد الفاظ ایسے ہیں جن کا رواج
واستعمال ارشادات نبوی کا مرہون منت ہے مثلاً قمری سال کے پہلے مہینے کو
صفر اول کہا جاتا تھا مگر آپ نے اسے محرم کا نام دیا، نسیٔ یعنی کبیسہ گری کو باطل
کہا، فاحشہ عورت کے لئے "المذمارہ" (یعنی بگل بجا کر عصمت فروشی کا اعلان کرنے

والی) اور سرخ گارے والی عمارت کے لئے "مصورہ" کا لفظ صرف آپ ہی
نے استعمال کیا تھا، وہ فصاحت نبوی کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

على هدى القرآن الكريم كان محمد صلى الله عليه وسلم
يخطب في العرب ليخرجهم من ظلمات الوثنية إلى نور
الهداية السماوية وقد أوتي من اللسن والفصاحة
ما ملك به أزمة القلوب وكأنما كانت المعاني و
الأساليب موقوفة لشخوصها بين يديه ليختار منها ما
تهش له الأسماع وتصغى له الأفئدة؛

قرآن کریم کی ہدایت و رہنمائی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
عربوں کے سامنے خطبات ارشاد فرمایا کرتے تھے تاکہ انہیں بت
پرستی کی تاریکیوں سے نکال کر ہدایت سماویہ کی روشنی کی طرف لے آئیں؛
آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی فصاحت و بلاغت عطا کی تھی جس کے
طفیل آپ دلوں کی باگ ڈور کے مالک بن گئے تھے اور یوں لگتا تھا
کہ معانی و اسالیب آپ کے حضور میں حاضر ہونے کے لئے منتظر
کھڑے ہوں تاکہ ان میں سے آپ ایسا اسلوب و معنی منتخب کر لیں
جس سے لوگوں کی قوت سامعہ کو مسرت و انبساط حاصل ہو اور ان کے
دل ہمہ تن گوش ہو جائیں!"

مصر کے ممتاز عالم دین و ادب استاذ سباعی بیومی قرآن کریم اور ارشادات
نبوی کے عربی زبان و ادب پر گہرے اور وسیع اثرات کی طرف توجہ مبذول کراتے
ہوئے کہتے ہیں۔

ولقد أمدّ القرآن الكريم والحديث الشريف الخطابة في
هذا العصر بالعون القوي والمدد الفياض فقلدهما الخطباء
أيما تقليد واقتبسوا منهما الألفاظ والأساليب وأنفقوهما في

المعانی والاغراض فتاثروا بهما فی سوق الأدلة والبراهین
وأکثروا الاستشهاد بهما کما کان رسول الله صلی الله علیه
وسلم یستشهد بالقرآن!

اس عہد زمانۂ نبوت میں قرآن کریم اور ارشادات نبوی نے فن
خطابت کے لئے ایک پرزور ساز و سامان اور فیاضانہ امداد مہیا
کردی تھی چنانچہ خطباء نے ان کی بہت ہی پیروی کی، ان سے
الفاظ و اسالیب حاصل کئے، معانی و مقاصد میں ان کے
مطابق چلتے رہے، دلائل و براہین دینے میں ان سے متاثر ہوئے
اور اپنے خطبات میں ان سے بکثرت استشہاد کرتے تھے جس طرح
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبات میں قرآن مجید سے شواہد
لاتے تھے!"

علامہ مصطفیٰ صادق الرافعی جدید عربی ادب میں قدامت پسند اور راسخ
العقیدہ مصری ادباء و علماء کے سرخیل تھے، جدت پسندوں کے قائد ڈاکٹر طٰہٰ
حسین کے ساتھ ان کے بے شمار علمی معرکے برپا ہوتے رہے۔ قدیم اسالیب نگارش کے
دفاع میں الرافعی نے بڑے زوردار دلائل دئیے۔ ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ
"اعجاز القرآن" ہے، موضوع تو بلاغت و اعجاز قرآن ہے مگر اس کتاب کی ایک
فصل بلاغت نبوی کے لئے مختص ہے جس میں انہوں نے افصح العرب صلی اللہ علیہ
وسلم کے اسالیب بلاغت کے تمام پہلوؤں سے مفصل بحث کی ہے، وہ کلام نبوت
کے جلال و کمال کا نقشہ پیش کرتے ہیں:-

الفاظ النبوة یعمرها قلب متصل بجلال خالقه ویصقلها
لسان نزل علیه القرآن بحقائقه فهی ان لم تکن من الوحی
ولکنها جاءت من سبیله وان لم یکن لها منه دلیل
فقد کانت هی من دلیله محکمة الفصول حتی لیس فیها

عروة مفصولة، محذوفة الفضول حتى ليس فيها كلمة
مفضولة، وكأنما هي في اختصارها وإفادتها نبض قلب
يتكلم، وإنما هي في سموها وإجادتها مظهر من خواطره
صلى الله عليه وسلم، إن خرجت في الموعظة قلت أنين
من فؤاد مقروح، وإن راعت بالحكمة قلت صورة
بشرية من الروح، في منزع يلين فينفر بالدموع
ويشتد فينزو بالدماء، وإذا أراك القرآن أنه خطاب
السماء للأرض أراك هذا أنه كلام الأرض بعد السماء"

الفاظ نبوت ایسے ہیں کہ انہیں ایک ایسے دل نے تعمیر کیا ہے جو
اپنے خالق کے جلال سے لگاؤ رکھتا ہے، ان الفاظ کو ایک ایسی
زبان نے صیقل کیا ہے جس پہ قرآن کریم اپنے حقائق سمیت نازل
ہوا تھا۔ یہ الفاظ اگرچہ وحی نہیں لیکن یہ آئے وحی کے راستے سے ہیں،
انہیں اگرچہ وحی کی رہنمائی حاصل نہیں رہی مگر یہ وحی ربانی کی تصدیق ہیں،
یہ ایک پختہ انداز کا کلام ہے جس کا کوئی حلقہ بھی ڈھیلا نہیں اس کی
فالتو باتوں کو حذف کر دیا گیا ہے حتیٰ کہ اب اس میں کوئی لفظ بھی فالتو
نہیں، یہ کلام اپنے اختصار و افادیت کے لحاظ سے یوں لگتا ہے
کہ جیسے کسی دل کی نبض ہے جو بول رہی ہے۔ بلندی اور عمدگی میں
یہ کلام خواطر نبوت کا مظہر ہے، اگر یہ الفاظ وعظ کے لئے استعمال
ہو رہے ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے کسی زخمی جگر کی آہیں ہوں،
اگر ان میں پنہاں حکمت کا لحاظ ہو تو یوں لگت
ہے جیسے روح بشریت کی تصویر ہے۔ ان کا رجحان ایسا ہے جو

آنسوؤں کو روانی عطا کرتا ہے اور اگر شدت اختیار کرے تو خون ٹپک پڑتا ہے، قرآن کریم اگر آپ کو یہ دکھاتا ہے کہ وہ زمین کے نام آسمان کا خطاب ہے تو کلام نبوت سے آپ کو پتہ چلے گا کہ یہ کلام زمین ہے جس کا مرتبہ کلام آسمانی کے بعد آتا ہے!

الرافعی کے نزدیک فصاحت نبوی کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تکلف اور تصنع نام کو بھی نہیں بلکہ فطرت کا عطیہ اور فیض ربانی معلوم ہوتا ہے:۔

بید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان افصح العرب علی أنه لا یتکلف القول ولا یقصد إلی تزیینه ولا یبغی إلیه وسیلة من وسائل الصنعة ولا یجاوز به مقدار الابلاغ فی المعنی الذی یریده،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو افصح العرب تھے علاوہ ازیں آپ کے کلام میں نہ تو تکلف تھا، نہ آپ اسے سجانے کا قصد فرماتے اور نہ تصنع کے وسائل میں سے کسی وسیلے کے متلاشی ہوتے۔ بلکہ مطلوبہ معنی ادا کرنے کی مقدار سے آپ کا کلام تجاوز نہیں کرتا تھا!"

کلام نبوت، کے الفاظ و معانی کے توازن اور جامعیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان الکلام النبوی جامع مجتمع لا یذھب فی الأعم الاغلب إلی الإطالة بل ھو کالتمثال یاتی مقدرا فی مادته ومعانیه واسلوب الجمع بینھما وربط الصورۃ بالمعنی:۔

کلام نبوی جامع و موزوں ہے جو اکثر و بیشتر طوالت کا رنگ اختیار نہیں کرتا بلکہ وہ تو ایک تمثال کی مانند ہے جس میں موضوع اور معنی کی ایک مقدار ملحوظ رہتی ہے اور موضوع و معنی کے علاوہ لفظ و معنی کے باہمی ربط کی صورت بھی ملحوظ رہتی ہے!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پختہ انداز گفتگو کے سلسلے میں علامہ مصطفی صادق الرافعی لکھتے ہیں:۔

أنه صلی اللہ علیه وسلم کان ضلیع الفم یفتتح الکلام ویختمه بأشداقه وعلمت من معنی ذلك أنه کان یستعمل جمیع فمه إذ اتکلم لا یقتصر علی تحریك الشفتین فحسب؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قوی دہن واقع ہوئے تھے کلام کا آغاز اور انجام اس قدر واضح انداز میں ہوتا تھا کہ مخاطب کو معنی اچھی طرح معلوم ہو جاتے تھے آپ جب گفتگو کرتے تو محض ہونٹوں کی تحریک کے بجائے واضح طور پر منہ کھولتے تھے۔

مگر آپ تکلف کے ساتھ باچھیں کھولنے کو معیوب قرار دیتے تھے اس لئے آپ کے انداز کلام میں تصنع اور تکلف نام کو بھی نہیں ہوتا تھا، تاہم تمام اوصاف بلاغت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھے، رافعی کہتے ہیں۔

ولیس احکام الاداء وروعة الفصاحة وعذوبة المنطق وسلاسة النظم الاصفات کانت فیه صلی اللہ علیه وسلم عند أسبابها الطبیعیة، لم یتکلف لها عمدا ولا أرتاض من أجلها ریاضة بل خلق مستکمل الاداۃ فیها ونشأ موفر الاسباب علیها؟

پختہ انداز ادا، شان فصاحت، شیریں کلام اور سلاست اسلوب کی کوئی ایسی صفت نہ ہو گی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود نہ ہو۔ یہ سب اوصاف آپ کو فطرت نے عطا کئے تھے نہ تو ان کے لئے آپ نے محنت و مشقت اٹھائی اور نہ ان کی خاطر ریاضت کی تھی بلکہ آپ تو ان اوصاف میں فطرۃ کامل پیدا ہوئے تھے اور قدرت نے آپ کو ان اوصاف کے لئے اسباب و وسائل مہیا کر دئے تھے۔

مصطفی صادق الرافعی نے امام الادب العربی ابو عمر الجاحظ کے اس

نقطہ نظر کی پرزور تائید کی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت و بلاغت
لسانی نے عربی زبان پر زبردست اثر ڈالا ہے، وضع اور اشتقاق الفاظ، ایجاد
اور ابداع اسالیب بیان میں آپ کا ثانی یا نظیر پیدا نہ ہو سکا۔ آپ کی زبان معجز
بیان سے ایسی تراکیب اور محاورات ادا ہوئے جو نہ تو عربوں نے پہلے کبھی سنے
تھے اور نہ وہ ان سے آشنا تھے۔ لسان نبوت کے یہ محاورات و تراکیب
بعد میں ضرب المثل کا درجہ حاصل کر گئیں مثلاً مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهٖ (وہ اپنی ناک کی
موت مرا یعنی اپنی موت کا سامان خود کیا) کے محاورے کے بارے میں حضرت علی
کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ یہ میں نے پہلے کبھی کسی سے نہیں سنا تھا، بُعِثْتُ
فِي نَفَسِ السَّاعَةِ (میں قیامت کے سانس میں مبعوث ہوا ہوں یعنی قیامت سانس
لے رہی ہے اور میں مبعوث ہوا ہوں) تہبند زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلنے کے لئے الخیلۃ
کا لفظ سب سے پہلے آپ ہی نے استعمال کیا۔ إِيَّاكَ وَالْمَخِيلَةَ (تکبر سے بچو) عورتوں
کو شیشے سے تشبیہ بھی سب سے پہلے آپ نے دی اور فرمایا: رُوَيْدَكَ رِفْقًا بِالْقَوَارِيْرِ
(شیشوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کرو!) یوم بدر کو فیصلہ کن دن قرار
دیتے ہوئے یہ محاورہ بھی سب سے پہلے آپ ہی نے استعمال فرمایا تھا: هٰذَا
يَوْمٌ لَهٗ مَا بَعْدَهٗ (یہ ایسا دن ہے جو بعد میں آنے والے دنوں کے لئے فیصلہ
کن ہوگا)، صلح حدیبیہ کو آپ نے ایک ایسی صلح قرار دیا جس کی بنیاد بدمزگی اور
کدورت ہے اور یہ محاورہ استعمال کیا جو بعد میں ضرب المثل بن گیا کہ هُدْنَةٌ عَلٰى
دَخَنٍ (یہ وہ صلح ہے جو دھوئیں سے آلودہ کھانے پر قائم ہوئی ہے) لِكُلِّ أَرْضٍ
بِسْتَاتِهَا (ہر سرزمین کی اپنی مخصوص نشانیاں ہوتی ہیں) کا محاورہ بھی سب سے
پہلے آپ ہی نے بولا تھا جو بعد میں ضرب المثل بن گیا۔

قرآن کریم جو اللہ کا کلام ہے کلام نبوی سے نمایاں طور پر مختلف ہے، یہ دلیل
ہے اس بات کی کہ قرآن مجید واقعی کلام اللہ ہے ورنہ خطبات و ارشادات نبوت میں
اور کلمات ربانی میں اتنا زبردست فرق نہ ہوتا، علامہ باقلانی کا بیان اور اس کی

توجیہات آپ نے ملاحظہ فرمائی ہیں۔ الرافعی نے بھی اس پہلو پر اظہار خیال
کیا ہے:

"على أن أعجب شيء أنك إذا قرنت كلمة من تلك البلاغة
إلى مثلها مما في القرآن رأيت الفرق بينهما في ظاهره كالفرق
بين المعجز وغير المعجز سواء؛ ورأيت كلامه صلى الله
عليه وسلم في تلك الحال خاصة مما يطمع في مثله و
أحسست أن بين نفسك وبينه صلة تطوع لك القدرة
عليه وتمد لك أسباب المطمعة فيه، بخلاف القرآن
فإنك تستيئس من جملته ولا ترى لنفسك إليه طريقا
البتة إذ لا تحس منه نفسا إنسانية ولا أثرا من آثار هذه
النفس ولا حالة من حالاتها حتى تأنس إلى ذلك على التوهم
ثم تتوهم الطمع والمعارضة من هذه الأنسة فتمضي عزمك
وتقطع برأيك وتثبت القول فيه كما يكون لك في قراءة
لكلام إنساني فإن جميع هذا الكلام الآدمي منهاج و
لجملته طريق وحدود البلاغة التي تفصل بعضه عن بعض كلها
مما يوقف عليه بالحس والعيان، ولقد يفرق ما بين بعضها
إلى بعض منهما يبلغ من تفاوتها واختلافها في السبك و
الصنعة والغرابة؛ بيد أن ذلك مما لا يستطاع في القرآن
ولا وجه إليه بحال من الأحوال فما هو إلا أن تقرأ الآية
منه حتى تراها قد خرجت من حد المألوف وانسلت منه
وفاتت بسمت ما قدرت لها من مطلع ومقطع فمهما وجدت
وتجد سبيلا إلى حدها وضمها استطعت لا تستطيع أن تقر
بها كلاما تعرف حده في البلاغة إن لم يكن بالصنعة فبالحس"

تاہم عجیب ترین بات یہ ہے کہ آپ اس بلاغت نبوی کے کسی لفظ کا موازنہ جب اسی نوعیت کے قرآنی لفظ سے کریں تو آپ کو ایسا فرق نظر آئے گا جو معجزہ والے کلام کے درمیان ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایسا نظر آئے گا جس کے مقابلے کی خواہش کی جا سکتی ہے، آپ محسوس کریں گے آپ کے درمیان اور اس کلام کے درمیان ایک ایسا تعلق ہے جو آپ کو اس کلام پر قادر ہونے کی ترغیب دلاتا ہے اور اس بات کی آپ کے دل میں خواہش بھی پیدا ہونے لگتی ہے لیکن قرآن کریم کا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ اس کے بارے میں آپ سراسر مایوس ہوں گے اور اس تک رسائی کا آپ کو ہرگز راستہ نظر نہ آسکے گا کیونکہ اس میں آپ کو کسی نفس انسانی کا احساس نہیں ہو پائے گا اور نہ اس کے آثار ہی دکھائی دیں گے نہ کوئی ایسی حالت نظر آئے گی کہ آپ میں ایک گونہ مانوسیت کا گمان ہونے لگے پھر اس مانوسیت کے طفیل آپ میں خواہش یا مقابلہ کا گمان پیدا ہونے لگے، پھر آپ اپنے عزم کو پورا کرنے لگیں قطعی رائے قائم کریں یا فیصلہ کن بات کر سکیں جس طرح کہ انسانی کلام کے مطالعہ کے دوران ہوا کرتا ہے کیونکہ بلاغت نبوی کا تمام کلام ایک انسانی اسلوب کا رنگ لیے ہوئے ہے اس کے جملوں کا ایک اسلوب ہے اور بلاغت کی حدود ہیں جو اس سے بعض حصوں کو بعض سے الگ کرتی ہیں یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کی واقفیت حس اور مشاہدہ سے ممکن ہے، یہ کلام اپنے اسلوب صنعت اور غرابت کے اختلاف و تفاوت میں کسی حد تک بھی پہنچ جائے اس کے مختلف حصوں کے درمیان تفریق و امتیاز ممکن ہے تاہم قرآن کریم کے سلسلے میں یہ ممکن نہیں ہوگا اور کسی حالت میں بھی اس کی صورت پیدا نہیں ہو سکے گی۔ آپ جونہی

ایک قرآنی آیت کا مطالعہ کریں گے آپ کو نظر آجائے گا کہ اس کا اسلوب جانے پہچانے اسالیب کی حد سے نکل گیا ہے، اور مطلع و مقطع کا جو انداز آپ نے متعین کیا تھا وہ مفقود ہو چکا ہے آپ خواہ کتنی ہی جستجو کر لیں آپ اسے پا نہ سکیں گے آپ کتنی ہی کوشش کر لیں آپ اس آیت کے ساتھ کسی کلام کا موازنہ نہیں کر سکیں گے جس کی تعریف آپ کو معلوم ہے اگر صنعت کے ذریعے نہیں تو احساس کے ذریعے ہی سہی!

بفرض محال آپ افصح العرب ہوتے ہوئے بھی اگر تصنع یا تکلف سے قرآنی اعجاز والی بلاغت کے الفاظ و تراکیب استعمال کریں تب بھی کتاب اللہ کی حدود کو نہ پہنچ سکیں گے اور بفرض محال آپ ان حدود تک پہنچ بھی جائیں پھر بھی کتاب اللہ کے معجزانہ اسلوب کی طرح کلام نبوی میں معجزانہ انداز نہ پیدا ہو سکے گا!

الرافعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلاغت کے پانچ امتیازی خصائص بیان کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کتاب اللہ کے بعد عربی فصاحت و بلاغت کی تاریخ میں کوئی ایسا خطیب نہیں ہوا جو آپ کی فصاحت و بلاغت کا ہم پلہ ہو سکے یعنی قرآنی بلاغت کے بعد بلاغت نبوی کا ایک اعلیٰ و منفرد مقام ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ کلام نبوت میں ایسی تراکیب ہیں جو قلت لفظ کے ساتھ ساتھ کثرت معنی کا رنگ لیے ہوئے ہیں گویا کوزے میں دریا بند ہے، چند لفظ ہیں جن میں خطابات کے وسیع سمندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں، تیسری خصوصیت کو بلاغت کی اصطلاح میں خلوص سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی کسی قسم کا ابہام، غموض یا مغالطہ باقی نہیں رہتا لفظ و معنی میں ایسی پختگی اور وضاحت ہے کہ سامع کو کوئی مشکل نہیں پیش آتی، چوتھی خصوصیت ہے قصد و اعتدال یعنی لفظ و معنی میں ایجاز و اقتصار اور ایسا توازن پایا جاتا ہے جسے اقتصاد لفظی سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کلام نبوت کی پانچویں امتیازی خصوصیت ہے استیفاء یعنی سامع کے دل میں کوئی تشنگی یا طلب مزید کی خواہش باقی نہیں رہتی لفظ و معنی اس کی تسلی کر دیتے ہیں۔

اس انداز بیان کی ایک مثال وہ جامع و مختصر جواب ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر بدیل بن ورقاء کے اس قول پر زبان نبوت سے ادا ہوا تھا کہ قریش آپ کو روکنے اور جنگ کرنے کے لئے کیل کانٹے سے لیس ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا۔

ان قریشا قد نهكتهم الحرب فان شاءوا ماددناهم مدة ويدعوا بيني وبين الناس، فان أظهر عليهم وأحبوا ان يدخلوا فيما دخل فيه الناس والا كانوا قد جموا وان أبوا فوالذي نفسي بيده لأقاتلنهم على أمري هذا حتى تنفرد سالفتي هذه ولينفذن الله أمره!

قریش کو جنگ نے نڈھال کر ڈالا ہے، اس لئے اگر وہ چاہیں تو ہم انہیں کچھ مہلت دے دیتے ہیں وہ میرے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوں۔ اگر میں غالب آگیا تو وہ بھی لوگوں کے ساتھ دین اسلام میں داخل ہو جائیں اور وہ اس اثنا میں آرام بھی کر چکے ہوں گے، اگر وہ اس سے انکار کریں تو پھر اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے میں اس دین کی خاطر ان سے لڑوں گا حتیٰ کہ میری گردن الگ ہو جائے، اللہ تعالیٰ اپنے حکم کو نافذ کر کے رہے گا!"

انواع کلام نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جو کچھ ارشاد فرمایا اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے امت تک پہنچا اس پر ایک مجموعی نظر ڈالی جائے تو کلام نبوی میں بے حد تنوع نظر آئے گا۔ اللہ کے آخری نبی کی حیثیت سے انسانیت کی رہنمائی کے لئے آپ نے مختلف حیثیتوں سے متعدد مواقع پر گفتگو فرمائی۔ آپ نے اپنے عزہ و اقارب سے بھی گفتگو فرمائی، اپنے غلاموں اور موالی سے بھی باتیں ہوئیں اپنے پرائے احباب و متعلقین سے تبادلہ خیالات ہوا، دشمنوں اور دوستوں سے

کلام کیا، اپنے عقیدت کیش تلامذہ سے مخاطب ہوئے، مختلف النوع سوالات کے جوابات دیئے اور مسائل حل کئے۔ عیدوں اور تہواروں پر امت سے خطاب فرمایا۔ مختلف اجتماعات و مجالس میں لوگوں کی رہنمائی فرمائی، وعظ و نصیحت اور تزکیہ نفس کی محفلوں میں لوگوں کی روحانی تربیت فرمائی، اور متعدد مواقع پر تقاریر و خطبات ارشاد فرمانے کے علاوہ آپ کی طرف سے احکام معاہدات اور مکاتیب بھی جاری ہوئے۔

ان تمام مواقع پر آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں سے بیشتر ہم تک محفوظ صورت میں پہنچ گیا ہے اور ہر قسم اور ہر موقع کی کوئی نہ کوئی بات کتب حدیث و سیرت میں بطور مثال مل جاتی ہے انسان جب معمول کی زندگی سے کئی قدم آگے بڑھ کر عظمت کے زینے پر قدم رکھتا ہے، تو گذشتہ باتیں قصہ پارینہ بن جاتی ہیں، گذشتہ صحبت کے لوگ پہچاننے بھی مشکل ہو جاتے ہیں مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ممکن ہی نہ تھا، آپ کے ایک پرانے شریک کاروبار حضرت سائب بن صیفی تھے ایک مرتبہ وہ حاضر ہوئے اور عرض کیا! "اتعرفني يا رسول الله" اے اللہ کے رسول! مجھے آپ پہچانتے ہیں؟ فرمایا: كيف لا اعرف شريكي الذي كان لا يشاريني ولا يماريني؟ میں اپنے اس شریک کار کو کیوں نہ پہچانوں جو نہ تو میرے ساتھ سودا بازی کرتا تھا اور نہ میرے ساتھ بے فائدہ جھگڑا کرتا تھا!

کلام نبوت کے تنوع، حفاظت اور ہم تک پہنچنے کے متعلق استاذ عباس محمود العقاد فرماتے ہیں[1]۔

ومحفوظه المحفوظ إما معاهدات ورسائل كُتبت في حينها وإما خطب وأدعية ووصايا وأجوبة عن أسئلة كُتبت بعد حينها وروعيت الدقة في المضاهاة بين رواياتها جهد المستطاع:

آپ کا کلام محفوظ جو ہم تک پہنچا ہے، وہ یا تو معاہدے اور مکتوبات

[1] عبقریۃ ص ۴۵

ہیں جو اسی وقت ضبط تحریر میں آ گئے تھے اور یا آپؐ کے خطبات، دعائیں، وصیتیں اور سوالات کے جوابات ہیں جو بعد میں ضبط تحریر میں لائے گئے اور حتی الامکان ان کی روایات میں باریکی و صحت کا لحاظ رکھا گیا ہے!۔

بہر حال کلامِ نبوت خواہ معمول کی زندگی میں لسانِ نبوت سے ادا ہوا ہو دینی مسائل و شرعی احکام کی تشریح و توضیح فرمائی گئی ہو، بات کو ذہن نشین کرانے اور سامانِ عبرت مہیا کرنے کے لئے قصص و تمثیلات بیان کی گئی ہوں، فرامین و مکتوبات ہوں، یا اقوال حکمت و دانش اور جواہر بلاغت جو جوامع الکلم کے ضمن میں آتے ہوں، یا آپؐ کے خطبات و مواعظ ہوں جو مختلف مواقع پر لسانِ نبوتؐ سے فصاحت و بلاغت کے آبدار موتی بن کر ادا ہوئے اور مخاطبین کے متجسس و آرزو مند دلوں کی گہرائیوں میں اتر کر محفوظ ہو گئے یہ تمام اقسام اہلِ علم کو دعوتِ مطالعہ دیتی ہیں، غور و فکر، استفادہ اور استنتاج کے لیے بلاتی ہیں، ان میں زبان و ادب سے لیکر علم و حکمت اور شریعت و طریقت سے تعلق رکھنے والے سب اربابِ ذوق کی تسکین کا سامان موجود ہے۔

آئندہ فصول میں آپؐ کے جوامع الکلم، خطبات و وصایا، مکتوبات و احکام اور معاہدات کا انتخاب پیش کیا جا رہا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ ہادیٔ برحق کی سیرت کے بارے میں کچھ لکھ کر آپؐ کے ثناخوانوں میں شمولیت کا شرف نصیب ہو، وما توفیقی الا باللہ!



جوامع الکلم

جوامع الکلم

حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات گرامی ایسے ہیں جو حروف والفاظ کے اعتبار سے تو مختصر اور موجز ہیں مگر معانی کے لحاظ سے بہت وسیع اور بے حد جامع ہیں، محدثین اور عربی ادب کی اصطلاح میں اس نوع کے ارشادات نبوی جوامع الکلم کہلاتے ہیں اور یہ اصطلاح آپؐ کے اپنے ایک ارشاد پر مبنی ہے[1]:

نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَ اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ:

اللہ نے (غزوہ خندق میں) میری باد صبا کے ذریعے مدد فرمائی اور مجھے جامع کلمات بھی عطا کیے گئے ہیں:

جاحظ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات "جوامع الکلم" کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے[2]۔

وھو (الکلامُ) القلیلُ الجامعُ للکثیر

"کلام نبوت کے جوامع الکلم سے مراد ایسا کلام ہے جو قلیل الالفاظ ہوتے ہوئے بھی کثیر المعانی ہوتا ہے:

گویا یہ ایک جامع کلام ہے جس کی امتیازی خوبی کوزے میں دریا بند کرنا ہے الفاظ اور حروف کی تعداد تو بہت قلیل و مختصر ہوتی ہے مگر اس میں فکر و معنی کا بحر زخار پنہاں ہوتا ہے، چنانچہ علامہ محمد عطیۃ الابراشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے[3]:

---

[1] البیان والتبیین ۲/۲۹ [2] حوالہ سابق [3] عظمت الرسول ص ۲۷۷

"وکلامُہُ الجامعُ الّذی لا یُجاری فی فصاحتِہٖ ولا یُباری فی بلاغتِہٖ، والّذی ھو النھایۃُ فی البیانِ والغایۃُ فی البرھانِ، المشتملُ علی جوامعِ الکلمِ وبدائعِ الحکمِ، المتضمنِ بقلیلِ المبانی کثیرًا من المعانی:-

آپؐ کا وہ جامع کلام جس کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ اور برابری کی ہی نہیں جاسکتی، جو بیان و بلاغت کا آخری درجہ اور بے انتہا مدلل بھی ہے، جو جامع کلمات اور انوکھی حکمت پر مشتمل ہوتا ہے، اس کے الفاظ و حروف کی تعداد تو قلیل ہوتی ہے لیکن معانی کی فراوانی ہوتی ہے۔

نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام معجز نظام کی یہ بھی ایک منفرد خصوصیت بن گئی ہے کہ آپؐ کے یہ جوامع الکلم ارشادات عربی ادب میں ضرب المثل بن گئے ہیں اور مختلف ادوار کے خطباء اور انشاء پرداز اپنے خطبات اور نگارشات کو ان پر حکمت کلمات سے مزین کرتے اور ان کے اقتباسات پیش کرتے رہتے ہیں! الشفا بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف قاضی عیاض تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ آپؐ کے ان جوامع الکلم سے لوگوں نے اپنے دفاتر انشاء کو سجایا اور ان کے الفاظ و معانی کے بارے میں کتابوں کی کتابیں جمع کر دی ہیں[1]۔

أما کلامُہُ المعتادُ وفصاحتُہُ المعلومۃُ وجوامعُ کلمہٖ وحکمِہٖ المأثورۃُ فقد ألّفَ النّاسُ فیھا الدواوینَ وجُمِعَتْ فی ألفاظِھا ومعانیھا الکتبُ:

"جہاں تک آپؐ کے معمول کے کلام، آپؐ کی مشہور فصاحت، جامع کلمات اور منقول کلمات حکمت کا تعلق ہے تو ان کے متعلق لوگوں نے دیوان و دفاتر تصنیف کر ڈالے ہیں اور ان کے الفاظ و معانی کے بارے میں کتابیں جمع کر دی گئی ہیں!"

---

[1] الشفا ۱/۱۷۳

یہ جامع کلمات حکمت نبوت محمدی کی ایک خصوصیت اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرۂ امتیاز ہے، بقول قاضی عیاضؒ[۱]:

اوتی جوامع الکلم وخصّ ببدائع الحکم:

آپ کو جامع کلمات عطا کئے گئے اور انوکھی حکمت بھری باتیں آپ کے خصائص نبوت میں سے ہیں!"

جاحظ نے تو آپ کی لسانِ معجز بیان سے صادر ہونے والے بعض کلمات حکمت ایسے بھی دئے ہیں جن کا آپ سے پہلے عربی زبان میں کہیں وجود ہی نہ تھا مگر بعد میں وہ ضرب المثل بن کر کلام عرب کی زینت بن گئے، وہ کہتا ہے[۲]۔

ونذکر من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما لم یسبقہ الیہ عربی ولا شارکہ فی ذلک اعجمی ولم یدع لاحد ولا ادعاہ احد مما صار مستعملا ومثلا سائرا۔

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سے کچھ ایسے اقوال ذکر کریں گے جو آپ سے پہلے کسی عرب نے کبھی نہیں بولے تھے ان میں کوئی غیر عرب آپ کا شریک تھا، نہ تو ان اقوال کی کسی کی طرف نسبت کی گئی ہے اور نہ ان کا کسی نے کبھی دعویٰ کیا ہے مگر اب یہ اقوال حکمت مستعمل ہیں اور مشہور ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، مثلاً:

(۱) یا خیل اللہ ارکبی: اے اللہ کے شہسوارو! سوار ہو جاؤ!

(۲) مات حتف انفہ: وہ اپنی ناک سے کھو کر مرا، یعنی اپنی موت کا سامان خود کیا، اپنے پاؤں پہ کلہاڑا خود مارا!

(۳) لا ینتطح فیہ عنزان: اس میں دو مینڈھے ایک دوسرے کو سینگ نہیں مارتے، یعنی اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا!

---

۱ الشفا ۱/۱۶۷ ۲ البیان والتبیین ۲/۱۶ تا ۱۷

(۴) الآن حمی الوطیس: اب تنور گرم ہو گیا ہے یعنی اب معرکہ کارزار گرم ہو گیا ہے۔

یہ محاورات سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوئے مگر اب نثر و نظم میں زبان زد خلائق ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے بارے میں لکھا ہے کہ وما ینطق عن الھوی کے مطابق آپ کے یہ کلمات حکمت روح القدس کے توسط سے فیض ربانی تھا، ان کے الفاظ یہ ہیں[۱]:

وکان اوجز الناس کلاما وبذالک جاءہ جبرئیل وکان مع الایجاز یجمع کل ما اراد، وکان یتکلم بجوامع الکلم لا فضول ولا تقصیر:-

"آپ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ موجز و مختصر بات کرنے والے تھے، یہ فیض ربانی ان کے لئے جبریل امین لائے تھے۔ اختصار کے ساتھ آپ جتنی جامع بات کرنا چاہتے تھے کر لیتے تھے، آپ کا کلام جامع کلمات ہوتے تھے، جن میں نہ فالتو بات ہوتی نہ کسی قسم کی کمی ہوتی تھی!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن بیان اور اعجاز کلام کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول گزشتہ سطور میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

لقد طفت فی العرب وسمعت فصحاءھم فما سمعت افصح منک فمن ادبک؟ فقال: ادبنی ربی فاحسن تادیبی:-

یعنی میں نے قبائل عرب میں پھر کر ان کے فصحاء کو دیکھا ہے مگر آپ سے بڑھکر فصیح میں نے کسی کو نہیں پایا آپ کو یہ ادب کس نے سکھایا؟ آپ نے فرمایا: مجھے تو میرے رب نے سکھایا ہے اور خوب اچھے طریقے سے سکھایا ہے۔

---

۱ احیاء علوم الدین ۲/۲۷۴

مگر علامہ مصطفیٰ صادق الرافعی حضرت ابوبکرؓ کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ
صدر اسلام میں حضرت جبیر بن مطعمؓ سب سے بڑے ماہر انساب تھے مگر انہوں نے
بھی یہ سب کچھ حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا تھا جو اس عہد کے سب سے بڑے ماہر انساب
تھے اور قبائل عرب سے پوری طرح آگاہ تھے، فصاحت نبوی کے متعلق ان کا یہ کہنا
اس بات کی شہادت ہے کہ اس وقت عرب میں کوئی خطیب ایسا نہ تھا جو تمام
قبائل کے لہجات سے واقف ہو اور ایسا منفرد انداز خطابت رکھتا ہو۔ رافعی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم کے متعلق لکھتے ہیں:

"ومن كمال تلك النفس العظيمة وغلبة فكره صلى الله
عليه وسلم على لسانه، قل كلامه وخرج قصدا في ألفاظه
محيطا بمعانيه، تحسب النفس قد اجتمعت في الجملة القصيرة
والكلمات المعدودة بكل معانيها فلا ترى من الكلام
ألفاظا ولكن حركات نفسية في ألفاظ وبهذا كثرت
الكلمات التي انفرد بها دون العرب وكثرت جوامع
كلمه، وخلص أسلوبه فلم يقصر في شيء ولم يبالغ
في شيء واتسق له من هذا الأمر على كمال الفصاحة
والبلاغة ما لو أراده مريد لعجز عنه ولو هو استطاع
بعضه لما اتسق له في كل كلامه لأن مجرى الأسلوب
على الطبع والطبع غالب مهما تشدد المرء وارتاض
ومهما تثبت وبالغ في التحفظ.

اس عظیم ہستی کے کمال اور زبان پر فکر کے غلبہ کے نتیجے میں آپ
قلیل الکلام تھے اس کلام کے الفاظ معتدل انداز میں ادا ہوتے
تھے اور اپنے اندر معانی کی گہرائی لئے ہوتا تھا، دل یہ گمان کرتا ہے
کہ مختصر سے جملے اور چند کلمات میں روح نبوت مجتمع ہو گئی ہے چنانچہ

آپ کے کلام میں الفاظ نظر آنے کے بجائے الفاظ میں روحانی تحریکات
رواں دواں ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ کے کلام میں ایسے کلمات بکثرت
ہیں جو عرب میں صرف آپ ہی نے منفردانہ انداز میں بولے، آپ کے
جوامع الکلم بے شمار ہیں، پاکیزہ اسلوب ہے، نہ کوئی کمی نہ کوئی مبالغہ
اسی لئے آپ کے کمال فصاحت و بلاغت کو پانے کا ارادہ کرنے والا
عاجز رہا، اگر تھوڑا بہت کر بھی سکا مگر کسی کا تمام کلام ایسا نہ تھا
کیونکہ اسلوب کا دھارا فطرت کی بنیاد پر ہوتا ہے جس میں ریاضت
اور محنت کو دخل نہیں ہوتا!"

فیضانِ نبوت کے کچھ جوامع الکلم

۱:- الناس كلهم سواء كأسنان المشط؛ یعنی سب لوگ کنگھی کے دندانوں
کی طرح برابر ہیں:

سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، سب برابر ہیں، حقوق اور فرائض یکسر
مساویانہ ہیں، خاندانی یا نسلی وجاہت معتبر نہیں برتری اور فضیلت کا معیار صرف
تقویٰ ہے۔ یہ تعلیم تاریخ انسانی میں سب سے پہلے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہی دی اور اس پر عمل بھی کر کے دکھایا تھا، مصنوعی مساوات اور غریب طبقات کے
مدعی تو صدیوں بعد پیدا ہوئے! اس موضوع کی تفصیل میں جانا ہمارا اس وقت مقصد
نہیں، کہنے کی بات صرف یہ ہے کہ حضرت افصح العربؐ نے بندگانِ خدا کے مساویانہ
حقوق و فرائض کو کنگھی کے دندانوں سے جو خوبصورت تشبیہ دی ہے اس پر امام
ادب ابوعثمان الجاحظ جھوم اٹھا تھا اور اس نے بعض عرب شعراء کے اشعار نقل
کئے ہیں جن میں انسانی مساوات کو مختلف چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے مگر پست
ہمت اور کوتاہ نظر افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار تشبیہ کو نہیں پہنچ پاتے

ایک شاعر کہتا ہے:[1]

سواءٌ کأسنان الحمار فلا تری
لذی شیبۃ منہم علی ناشئٍ فضلا

یعنی اس قبیلے کے لوگ سب برابر ہیں جیسے گدھے کے دانت ایک جیسے ہوتے ہیں ان میں سے کسی بوڑھے کو کسی نوجوان پر کوئی فضیلت حاصل نہیں!

شعر نقل کرنے کے بعد جاحظ کہتا ہے:

"وإذا حصلت تشبیہ الشاعر وحقیقتہ وتشبیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وحقیقتہ عرفت فضل ما بین الکلامین:

اگر آپ شاعر کی تشبیہ اور اس کی حقیقت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشبیہ اور اس کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں تو دونوں کلاموں کے درمیان وجہ فضیلت آپ کو معلوم ہو جائے گی!"

۲۔ المرء کثیر بأخیہ: انسان اپنے بھائی کے سبب بہت کچھ بن جاتا ہے یعنی زیادہ لگتا ہے۔

۳۔ لا خیر فی صحبۃ من لا یری لک مثل ما تری لہ: ایسے شخص کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں ہو سکتی جو تیرے لئے بھی اسی انداز میں نہ سوچے جس انداز میں تو اس کے لئے سوچتا ہے، یعنی تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے!

۴۔ الید العلیا خیر من الید السفلی وابدأ بمن تعول: اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ اور سب سے پہلے اسے دو جس کی تم پر ذمہ داری آتی ہے۔

---

[1] البیان والتبیین ۱۹/۲

۵۔ المسلمون تتکافأ دماؤہم ویسعی بذمتہم أدناہم ویرد علیہم أقصاہم وہم ید علی من سواہم:

یعنی مسلمانوں کے خون کی قدر و قیمت برابر ہے، ان میں سے چھوٹے سے چھوٹا اگر کسی کو امان دے دے تو اس کا پاس کرنا سب پر لازم ہے، ان میں سے دور کا فرد بھی ان کا جواب دے سکتا ہے۔ وہ غیروں کے مقابلے میں ایک ہاتھ کی طرح متحد ہیں!

اس ارشاد نبوی میں مسلم معاشرے میں فرد کی عظمت خودداری اور وحدت ملی کا خوبصورت تصور دیا گیا ہے!

۶۔ الخیلُ معقودٌ فی نواصیہا الخیرُ إلی یومِ القیامۃ[1]: قیامت تک کیلئے گھوڑوں کی پیشانیوں پر بھلائی کے ہار سجا دئے گئے ہیں یعنی گھوڑے ہمیشہ خیر و برکت کا باعث رہیں گے!

۷۔ اَلنَّاسُ کالإبلِ المائۃِ لا تجد فیہا راحلۃً[2]: لوگ تو سو اونٹوں کے گلے کی مانند ہیں ان میں سواری کا اونٹ تجھے نہیں ملے گا (اتنی بڑی تعداد میں کام کا آدمی کم ہی نکلے گا!)

۸۔ ما قلَّ وکفی خیرٌ مما کثُر وألہی[3]: جو تھوڑا ہو مگر کافی ہو وہ اس بہت سے بہتر ہے جو غافل بنا دیتا ہے۔

۹۔ الخیرُ فی السیفِ والخیرُ مع السیفِ والخیرُ بالسیفِ: بھلائی تلوار میں ہے، بھلائی تلوار کے ساتھ رہتی ہے اور بھلائی تلوار کے ذریعے حاصل ہوتی ہے (تلوار یا قوت سراسر بھلائی ہے!)

۱۰۔ لیس منّا من حلق أو صلق أو شقّ[4]: جو مصیبت میں بال منڈوائے، واویلا کرے یا کپڑے پھاڑے وہ ہم میں سے نہیں ہے (صبر و ہمت

---

[1] البیان ۲۰/۲، [2] البیان ۲۰/۲،
[3] البیان ۲۰/۲، [4] البیان ۲۰/۲

مومن کی شان ہے!

۱۱- لا تزالُ أُمّتی صالحاً أمرُها ما لم ترَ الأمانةَ مغنماً والصَّدقةَ مغرَماً[1] میری امت کا معاملہ اس وقت تک درست رہے گا جب تک وہ امانت کو مالِ غنیمت اور خیرات و زکوٰۃ کو تاوان تصور نہیں کریں گے!

۱۲- رأسُ العقلِ بعدَ الإیمانِ باللهِ مُداراةُ النّاسِ[2]: اللہ پر ایمان کے بعد سب سے بڑی عقل کی بات لوگوں کا دل رکھنا ہے!

۱۳- لن یَهلِکَ امرؤٌ بعدَ مشورةٍ[3]: مشورہ کر لینے کے بعد کبھی کوئی انسان تباہ نہیں ہوگا!

۱۴- رحِمَ اللهُ عبداً قال خیراً فغنِمَ أو سکتَ فسلِمَ[4]: اس بندے پر اللہ کی رحمت ہوئی جو بھلائی کی بات کر کے غنیمت رہا یا چپ رہ کر سلامت رہا۔

۱۵- لا تجلسوا علی ظهرِ الطریقِ فإن أبیتم فغضّوا الأبصارَ وردّوا السّلامَ واهدوا الضالَّ وأعینوا الضعیفَ[5]: راستوں میں مت بیٹھو! اگر بیٹھنا ہی ہو تو پھر نظریں جھکا کر رکھو، سلام کا جواب دو، بھٹکے ہوئے کو راستہ دکھاؤ اور کمزور کی مدد کرو!

۱۶- إنّ اللهَ یرضی لکم ثلاثاً ویکرہُ لکم ثلاثاً: یرضی لکم: أن تعبدوہُ ولا تشرکوا بہ شیئاً، وأن تعتصموا بحبلہ جمیعاً ولا تفرّقوا۔ وأن تناصحوا من ولّاہ اللهُ أمرَکم، ویکرہ لکم: قیلَ وقال، وکثرةَ السؤالِ وإضاعةَ المالِ[6]۔
اللہ تعالیٰ تین باتیں تمہارے لئے پسند کرتا ہے اور تین باتیں ناپسند کرتا ہے اللہ تمہارے لئے پسند یہ کرتا ہے کہ تم اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ

[1] البیان ۲۰/۲ [2] البیان ۲۰/۲ [3] البیان ۲۰/۲
[4] البیان ۲۱/۲ [5] البیان ۲۱/۲ [6] البیان ۲۱/۲

شریک مت کرو، سب اس کی رسّی کو تھام لو اور منتشر مت ہو، اور جسے اللہ تعالیٰ تمہارا حکمران بنا دے اس کی خیر خواہی کرو، وہ تمہارے لئے ناپسند کرتا ہے کہ تم بحث و مناظرہ میں الجھو، کثرت سے سوال کرو۔ اور مال کو ضائع کرو۔

۱۷- یقولُ ابنُ آدمَ: مالی مالی، وإنّما لکَ من مالِکَ ما أکلتَ فأفنیتَ أو لبستَ فأبلیتَ أو وهبتَ فأمضیتَ (حوالہ سابق):
انسان کہتا ہے، میرا مال! میرا مال! حالانکہ تیرا مال تو صرف وہی ہے جو تو نے کھا کر ختم کر دیا یا پہن کر بوسیدہ کر دیا یا بخش دیا اور آگے بھیج دیا!

۱۸- لو أنّ لابنِ آدمَ وادیینِ من ذهبٍ لتمنّی إلیهما ثالثاً (حوالہ سابق)
اگر انسان کے پاس سونے کی دو وادیاں بھی ہوں تو وہ تیسری وادی کا طلبگار بن جائے گا۔

۱۹- لا یملأُ جوفَ ابنِ آدمَ إلّا التّرابُ، ویتوبُ اللهُ علی من تابَ (حوالہ سابق) انسان کا پیٹ تو صرف خاکِ گور ہی بھرتی ہے! اور جو توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا۔

۲۰- إنّ الدّنیا حلوةٌ خضرةٌ وإنّ اللهَ مستعمِلُکم فیها فناظرٌ کیفَ تعملونَ (حوالہ سابق) دنیا شیریں اور پر رونق ہے، اور اللہ تمہیں اس میں کام سپرد کر کے یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو!

۲۱- إنّ أحبَّکم إلیَّ وأقربَکم منّی مجالسَ یومَ القیامةِ أحاسنُکم أخلاقاً الموطّؤونَ أکنافاً الذینَ یألفونَ ویُؤلفونَ وإنّ أبغضَکم إلیَّ وأبعدَکم منّی مجالسَ یومَ القیامةِ، الثّرثارونَ المتشدّقونَ المتفیهقونَ[1]۔
قیامت کے دن تم میں سے میرے لئے سب سے زیادہ پسندیدہ اور مجلس میں زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے زیادہ

[1] البیان ۲۱/۲، الکامل للمبرد (ص ۹)

خوش اخلاق، نرم مزاج، انس کرنے والے اور انس کے قابل ہوں گے اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت اور مجلس میں مجھ سے دور وہ ہوں گے جو منہ پھٹ، باچھیں کھول کر بات کرنے والے اور گلا پھاڑ کر بات کرنے والے ہیں۔

۲۲۔ إِيَّاكُمْ وَالْمُشَارَّةَ فَإِنَّهَا تُمِيتُ الْغُرَّةَ وَتُحْيِي الْعُرَّةَ (حوالہ سابق)
باہمی مخاصمت سے بچو کیونکہ اس سے خوبیاں مر جاتی ہیں اور عیوب زندہ ہو جاتے ہیں۔

۲۳۔ لَا يَنْبَغِي لِلصِّدِّيقِ أَنْ يَكُونَ لَعَّانًا۔ صدیق کے لئے لعنت کرنے والا ہونا مناسب نہیں۔

۲۴۔ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ وَمِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ (حوالہ سابق)
میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس دعا سے جو قبول نہیں ہوتی، اور اس دل سے جو اللہ کا خوف نہیں رکھتا اور اس علم سے جو نفع نہیں دیتا۔

۲۵۔ وقیل له: یا رسول الله! أَيُّ الأَعْمَالِ أَفْضَلُ؟ فقال: اجتنابُ المحارمِ ولا يزالُ فوكَ رطبًا من ذكرِ الله (حوالہ سابق)
آپ سے پوچھا گیا کہ افضل ترین عمل کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: حرام چیزوں سے پرہیز کرتے رہنا اور ہمیشہ اپنی زبان کو اللہ کے ذکر سے تازہ رکھنا!

۲۶۔ وقیل له: أَيُّ الأَصْحَابِ أَفْضَلُ؟ قال: الَّذِي إِذَا ذَكَرْتَ أَعَانَكَ وَإِذَا نَسِيتَ ذَكَّرَكَ (حوالہ سابق) آپ سے پوچھا گیا، کونسا ساتھی افضل ہے؟ تو فرمایا! وہ کہ اگر تیرا ذکرہ ہو تو میری مدد ہو رہے، اور اگر تو بھول جائے تو تجھے یاد دلا دیا کرے!

۲۷۔ وقیل له: أَيُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قال: العلماءُ إذا فسدوا (حوالہ سابق)
پوچھا گیا کہ بدترین انسان کون ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا: علماء جب بگڑ جائیں!

۱؎ البیان ۲/۲۲

۲۸۔ دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الأُمَمِ مِنْ قَبْلِكُمْ: الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ، وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ، حَالِقَةُ الدِّينِ لَا أَقُولُ حَالِقَةُ الشَّعْرِ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا تُؤْمِنُونَ حَتَّى تَحَابُّوا. أَوَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَمْرٍ إِذَا فَعَلْتُمُوهُ تَحَابَبْتُمْ؟ فَقَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: أَفْشُوا السَّلَامَ وَصِلُوا الأَرْحَامَ[۱]
تمہارے اندر بھی گزشتہ امتوں والی بیماری سرایت کر گئی ہے، حسد اور نفرت، نفرت کو مونڈ ڈالنے والی ہے، دین کو مونڈ ڈالنے والی، میں یہ نہیں کہتا کہ بالوں کو مونڈ دینے والی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم باہم محبت نہ کرو، کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتا دوں اگر تم اسے کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرو گے؟ لوگوں نے کہا: ہاں اللہ کے رسولؐ! فرمایا: تو پھر سلام کو عام کرو، اور صلہ رحمی سے کام لیتے رہو!

۲۹۔ مَا هَلَكَ امْرُؤٌ عَرَفَ قَدْرَهُ[۲]: وہ شخص کبھی تباہ نہ ہو گا جس نے اپنی حیثیت پہچان لی!

۳۰۔ لَوْ تَكَاشَفْتُمْ لَمَا تَدَافَنْتُمْ (حوالہ سابق) اگر تمہیں ایک دوسرے کے بھید معلوم ہو جایا کریں تو تم ایک دوسرے کے کفن دفن میں بھی شریک نہ ہوا کرو!!

۳۱۔ لَيْسَ مِنْ أَخْلَاقِ الْمُؤْمِنِ الْمَلَقُ إِلَّا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ[۳]:
خوشامد مومن کے اخلاق میں سے نہیں الا یہ کہ علم کی خاطر ہو (تو استاذ کی خوشامد جائز ہے)۔

۳۲۔ أَوْصَانِي رَبِّي بِتِسْعٍ: أَوْصَانِي بِالإِخْلَاصِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ، وَبِالْعَدْلِ

۱؎ البیان ۲/۲۲ ۲؎ البیان ۲/۲۳
۳؎ البیان ۲/۲۲۔

فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ، وَبِالْقَصْدِ فِی الْغِنَی وَالْفَقْرِ، وَأَنْ أَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِی، وَأُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِی وَأَصِلَ مَنْ قَطَعَنِی، وَأَنْ یَکُوْنَ صَمْتِی فِکْرًا وَنُطْقِی ذِکْرًا وَنَظَرِی عِبَرًا[1]

میرے رب نے مجھے نو باتوں کی وصیت کی ہے، مجھے وصیت فرمائی ہے کہ ظاہر و باطن میں اخلاص پہ عمل کروں، خوشی اور غصے میں عدل کروں، امارت و غربت میں میانہ روی اختیار کروں، جو زیادتی کرے اس سے درگزر کروں، جو محروم کرے اسے عطا کروں، جو قطع تعلق کرے اس سے صلہ رحمی کروں، میری خاموشی فکر ہو، گویائی ذکر ہو اور میری نظر عبرتوں کیلئے ہو!

۴۳۔ إِنَّ قَوْمًا رَکِبُوْا سَفِیْنَةً فِی الْبَحْرِ فَاقْتَسَمُوا فَصَارَ لِکُلِّ رَجُلٍ مَوْضِعٌ فَنَقَرَ رَجُلٌ مَوْضِعَهُ بِفَأْسٍ فَقَالُوْا: مَا تَصْنَعُ؟ قَالَ هُوَ مَکَانِی أَصْنَعُ بِهِ مَا شِئْتُ، فَإِنْ أَخَذُوْا عَلَی یَدَیْهِ نَجَا وَنَجَوْا، وَإِنْ تَرَکُوْهُ هَلَکَ وَهَلَکُوْا[2]!

کچھ لوگ ایک کشتی میں سمندری سفر پر روانہ ہوئے، سب نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی (تقسیم کر لیا، ہر ایک کے لئے ایک ایک جگہ ہو گئی) ایک شخص نے کلہاڑے سے اپنی جگہ سوراخ کرنا شروع کیا تو لوگوں نے کہا: یہ کیا کر رہے ہو؟ بولا! یہ تو میری جگہ ہے جو چاہوں کر دوں، اگر تو لوگوں نے اسے روک لیا تو وہ بھی بچ جائے گا اور لوگ بھی اور اگر اسے نہ روکا تو وہ بھی ہلاک ہو جائے گا اور لوگ بھی! مختصر لفظوں میں کتنی بڑی تمثیل ہے! کتنی بڑی معاشرتی ذمہ داری کا احساس دلایا گیا ہے!

۴۴۔ إِرْحَمُوْا عَزِیْزًا ذَلَّ، ارحموا عالمًا ضَاعَ بَیْنَ جُهَّالٍ[3]۔

جو باعزت انسان ذلیل ہو جائے اس پر رحم کرو، اور اس عالم پر بھی رحم کرو

---

[1] البیان ۲/۲۳ [2] البیان ۲/۲۵
[3] البیان ۲/۲۸

جو جاہلوں میں رہ کر ضائع ہو جائے!

۳۵۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ[4]: انسان اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس نے محبت کی (جس سے دل لگاؤ ہوگا، قیامت میں اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا)

۳۶۔ لَا خَیْرَ فِی صُحْبَةِ مَنْ لَا یَرَی لَکَ مَا تَرَی لَهُ[5]:

اس شخص کی صحبت میں کوئی بھلائی نہیں جو تیرا اسی طرح خیال نہ کرتا ہو جس طرح تو اس کا خیال کرتا ہے!

۳۷۔ المستشار مُؤْتَمَنٌ وَهُوَ بِالْخِیَارِ مَا لَمْ یَتَکَلَّمْ[6]:

مشورہ دینے والے کی حیثیت امانتدار کی سی ہے، جب تک وہ راز منہ سے نہیں نکالتا اسے اپنی بات پر اختیار ہوتا ہے۔

۳۸۔ ذُو الْوَجْهَیْنِ لَا یَکُوْنُ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًا[7]: دو چہروں والا (منافق) اللہ کے نزدیک کبھی معزز نہیں ہو سکتا۔

۳۹۔ إِتَّقِ اللّٰهَ حَیْثُ کُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ[8]:

جہاں بھی ہو اللہ سے ڈرتا رہ، برائی کے بعد نیکی کر جو اسے محو کر دے گی، لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آ۔

۴۰۔ لَعَلَّهُ کَانَ یَتَکَلَّمُ بِمَا لَا یَعْنِیْهِ وَیَبْخَلُ بِمَا لَا یُغْنِیْهِ[9]:

شاید وہ شخص لایعنی باتیں کرتا تھا اور بے فائدہ چیزوں میں بھی بخل سے کام لیتا تھا۔

۴۱۔ أَحْبِبْ حَبِیْبَکَ هَوْنًا مَّا عَسَی أَنْ یَکُوْنَ بَغِیْضَکَ یَوْمًا مَّا[10]:

اپنے محبوب سے قدرے ہلکی محبت کر، ہو سکتا ہے وہ کسی دن تیرا مبغوض

---

[4] الشفا ۱/۱۶۴ [5] الشفا ۱/۱۶۴ [6] الشفا ۱/۱۶۴، البیان ۲/۲۹
[7] الشفا ۱/۱۶۵ [8] الشفا ۱/۱۶۵، [9] الشفا ۱/۱۶۵
[10] الشفا ۱/۱۶۵

بھی بن جائے۔ (جذبہ محبت و نفرت میں اعتدال مناسب ہے!)

۴۲۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ:[1] ظلم قیامت کے دن کی تاریکیوں میں سے ہے!

۴۳۔ بعثت لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ: مجھے ملبذا خلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

۴۴۔ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ اَخْلَاقًا:

ایمان میں وہی مومن کامل ترین ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر ہو۔

۴۵۔ اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا: تم میں سے بھلے لوگ وہ ہیں جو تم میں سب سے زیادہ خوش اخلاق ہوں۔

۴۶۔ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِہٖ دَرَجَۃَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ:

مومن تو اپنے حسنِ اخلاق سے روزہ دار اور نماز گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔

۴۷۔ وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستعیذ من سوء الخلق و یقول: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بداخلاقی سے خدا کی پناہ مانگتے تھے اور کہتے تھے!

اے میرے اللہ! میں آپس کی پھوٹ، منافقت اور بداخلاقی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

۴۸۔ کُلُّ الصَّیْدِ فِیْ جَوْفِ الْفَرَا: تمام شکار فرا کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ (ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں!)

۴۹۔ اِذَا اَتَاکُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ: جب کسی قوم کا معزز آدمی تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔

---

[1] الشفا ۱/۱۷۵

۵۰۔ وَقِّرُوْا عُلَمَاءَ اُمَّتِیْ فَاِنَّھُمْ نُجُوْمُ الْاَرْضِ:

میری امت کے علماء کی عزت کرو، کیونکہ وہ روئے زمین کے ستارے (رہنمائے ہدایت) ہیں۔

۵۱۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَلِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی:

اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہوتا ہے۔ اس لئے جو شخص جیسی نیت کرے گا ویسی جزا پائے گا۔ (بخاری)

۵۲۔ مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَیَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرِنَا فَلَیْسَ مِنَّا:

جس نے ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کیا اور ہمارے بزرگوں کا حق نہ پہچانا تو وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

۵۳۔ اَلْمُسْتَشِیْرُ مُعَانٌ وَالْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ:

مشورہ لینے والا تو مدد لیتا ہے اور مشورہ دینے والا امانت دار ہوتا ہے۔

۵۴۔ اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا:

مومن مومن کے لئے دیوار کی حیثیت رکھتا ہے جس کے حصے ایک دوسرے کو پختہ کرنے کا باعث ہوتے ہیں (اسی طرح ایک مومن دوسرے مومن کی تقویت کا سبب ہوتا ہے!)

۵۵۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ:۔

تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

۵۶۔ کُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَۃٌ: ہر نیکی صدقہ ہوتی ہے۔

۵۷۔ اَلتَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِ صَدَقَۃٌ:

متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے۔

۵۸۔ اَلْمُؤْمِنُ اٰلِفٌ مَّاْلُوْفٌ: دانا انس کرنے والا ہوتا ہے اور لوگ اس سے انس کرتے ہیں۔

۵۹۔ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ :۔

چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

۶۰۔ الحیاءُ شعبةٌ مِنَ الإِيمَانِ :

حیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

۶۱۔ إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النبوة الأُولىٰ : إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ :۔

پہلی نبوتوں کے کلام سے انسانوں کو جو کچھ حاصل ہوا اس میں یہ بھی تھا کہ، جب تو حیا نہ کرے تو جو جی میں آئے کر۔

۶۲۔ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَيْنِ :۔

مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جا سکتا ہے (ایک بار نقصان اُٹھانے سے سبق سیکھتا ہے)

۶۳۔ لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ :

سخت جان (قوی) وہ نہیں جو لوگوں کو کشتی میں پچھاڑ دیتا ہو۔ بلکہ وہ شخص قوی ہوتا ہے جو غصہ کے عالم میں اپنے اوپر قابو رکھے۔

۶۴۔ نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهِ[1] :

مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ (نیک نیتی سے مومن کا آغازِ کار کافی ہے، انجام بندے کے اختیار میں نہیں مولیٰ کے اختیار میں ہے)

۶۵۔ إِنَّا أُمِرْنَا مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ بِأَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلَىٰ مَقَادِيرِ عُقُولِهِمْ[2] :

ہم گروہ انبیاء کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں کی ذہنی سطح کے مطابق ان سے گفتگو کیا کریں۔

---

[1] نقد النثر ص ۹۴۔ [2] نقد النثر ص ۸۲

۶۶۔ مَا أُوتِيَ امْرُؤٌ شَرًّا مِنْ طَلَاقَةِ اللِّسَانِ[1] :

زبان کی تیزی سے بڑھ کر انسان کو کوئی بری چیز نہیں دی گئی!

۶۷۔ وَسَأَلَهُ العباسُ : فِيمَ الْجَمَالُ يَا رَسُولَ اللهِ ؟ فَقَالَ : فِي اللِّسَانِ[2] :

حضرت عباسؓ نے آپؐ سے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! انسان کا حسن کس چیز میں پوشیدہ ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: زبان میں!!

۶۸۔ اَلْإِيمَانُ عَقْدٌ بِالْقَلْبِ وَقَوْلٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ[3] :۔

ایمان نام ہے دل سے پختہ عقیدے، زبان سے اقرار اور اعضاء سے عمل کرنے کا!

۶۹۔ إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا[4]۔ بعض خطبات جادو کا اثر رکھتے ہیں۔

۷۰۔ وَقَالَ فِي الوحدة وَرَاءَهَا حزازات النفوس : جَمَاعَةٌ عَلَىٰ أَقْذَاءٍ وَهُدْنَةٌ عَلَىٰ دَخَنٍ[5]۔

ایسی وحدت جس کے پس منظر میں دلوں کی جلن اور کدورت ہو اس کے بارے میں آپؐ نے فرمایا: کدورت پر قائم ہونے والی جماعت[6] اور دھوئیں اور جلن پر قائم ہونے والا متارکہ جنگ ہے!

۷۱۔ وَقَالَ فِي الدنيا وزينتها : إِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيعُ مَا يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ[6]

دنیا اور اس کی زینت کے بارے میں فرمایا: موسم بہار جو کچھ اُگاتا ہے ان میں ایسے پودے بھی ہوتے ہیں جن کے کھانے سے جانوروں کے پیٹ پھول جاتے ہیں اور وہ مر جاتے ہیں!

۷۲۔ وَقَالَ عَنِ الْغُلُوِّ فِي الْعِبَادَةِ : إِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا أَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا أَبْقَىٰ[7]

عبادت میں غلو کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ دنیا و مافیہا سے غافل ہونے والے زاہد نے نہ تو سفر طے کیا اور نہ پیچھے کچھ چھوڑا۔

---

[1] نقد النثر ص ۱۱۱۔ [2] نقد النثر ص ۹ [3] نقد النثر ص ۱۳
[4] العقد ۴/۸۰، [5] العقد ۴/۸۰، [6] العقد ۳/۳
[7] العقد ۳/۳۔

۷۳۔ اَلْاِیْمَانُ قَیَّدَ الْفَتْکَ۔[1] ایمان نے فتح کو مقید کر دیا ہے۔ (قوتِ ایمانی فتحیاب ہوتی ہے!)

۷۴۔ اِشْتَدِّیْ یَا اَزْمَةُ تَنْفَرِجِیْ۔[2]

بحران کا شدت اختیار کرنا اس کا حل ہوتا ہے۔ اے بحران شدت اختیار کر تو کھل جائے گا۔

۷۵۔ اَلْمُؤْمِنُ هَیِّنٌ لَیِّنٌ کَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِیْدَ انْقَادَ وَاِنْ اُنِیْخَ عَلٰی صَخْرَةٍ اِسْتَنَاخَ۔[3]

مومن دھیما اور نرم مزاج ہوتا ہے، وہ ایک خوددار اونٹ کی طرح ہے کہ اگر اسے باندھ دیا جائے تو مطیع ہو جاتا ہے اور اگر چٹان پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔

۷۶۔ اُمَّتِیْ کَالْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُهٗ خَیْرٌ اَمْ اٰخِرُهٗ۔[4]

میری امت بارش کی مانند ہے جس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ اس کے آغاز میں زیادہ بھلائی ہے یا آخر میں!

۷۷۔ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَالنَّحْلَةِ لَا تَاْکُلُ اِلَّا طَیِّبًا وَلَا تُطْعِمُ اِلَّا طَیِّبًا۔[5]

مومن کی مثال شہد کی مکھی کی سی ہے، جو پاکیزہ کھاتی ہے اور شہد کی شکل میں پاکیزہ کھلاتی ہے۔

۷۸۔ اَلْمَرْاَةُ کَالضِّلْعِ الْعَوْجَاءِ اِنْ قَوَّمْتَهَا کَسَرْتَهَا وَاِنْ دَارَیْتَهَا اِسْتَمْتَعْتَ بِهَا۔[6]

عورت کی مثال ٹیڑھی پسلی کی سی ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر اس کی دل داری کرو گے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ گے

---

[1] العقد ۴/۳ — [2] النویری ۳/۳
[3] النویری ۳/۳ — [4] النویری ۳/۳
[5] النویری ۳/۳ — [6] النویری ۳/۳

۷۹۔ اَلنَّاسُ شُرَکَاءُ فِیْ ثَلَاثٍ: اَلْمَاءُ وَالْکَلَاُ وَالنَّارُ۔[1]

لوگ تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں، پانی، چارا اور آگ!

۸۰۔ اَلَا اُدُلُّکُمْ عَلٰی خَیْرِ مَا یَکْنِزُ الْمَرْءُ؟ اَلْمَرْاَةُ الصَّالِحَةُ اِذَا نَظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ وَاِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ فِیْ مَالِهٖ وَعِرْضِهٖ (حوالہ سابق)

کیا میں تمہیں ایک مرد کے بہترین خزانے کا پتہ نہ بتا دوں وہ ہے نیک عورت کہ اگر وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کے لیے خوشی کا سامان ہو اور اگر وہ اس کے پاس نہ ہو تو اس کے مال اور عزت کی نگہبان رہے۔

۸۱۔ مَنْ کَانَ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًی فِیْ بَدَنِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ کَانَ کَمَنْ حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِهَا۔[2]

اپنے گھر میں چین سے رہ رہا ہو، جسمانی صحت نصیب ہو، ایک دن کی خوراک بھی میسر ہو تو گویا اس کے لیے دنیا کا سب کچھ جمع کر دیا گیا ہے!

۸۲۔ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَکْرَمَ النَّاسِ فَلْیَتَّقِ اللّٰهَ، وَمَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَغْنَی النَّاسِ فَلْیَکُنْ بِمَا فِیْ یَدِ اللّٰهِ اَوْثَقَ مِنْهُ بِمَا فِیْ یَدِهٖ، وَمَنْ سَرَّهٗ اَنْ یَّکُوْنَ اَقْوَی النَّاسِ فَلْیَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰهِ۔[3]

جو اس بات پر خوش ہے کہ وہ سب سے زیادہ عزت والا ہو تو پھر اسے اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے، اور جو اس بات پر خوش ہے کہ وہ سب سے بڑا دولتمند ہو تو پھر اسے اس بات پر پختہ ایمان ہونا چاہیے کہ جو کچھ اللہ کے قبضے میں ہے اس کا ملنا زیادہ یقینی ہے بہ نسبت اس مال کے جو اس کے اپنے قبضے میں ہے! اور جو اس بات پر خوش ہے کہ وہ سب سے زیادہ طاقتور ہو تو اسے اللہ پر توکل کرنا چاہیے۔

---

[1] ادب الحدیث النبوی ص ۱۰۵ — [2] الکامل للمبرد ص ۹۱
[3] الکامل للمبرد ص ۱۱۹

۸۳۔ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشِرَارِكُمْ؟ قَالُوا بَلَى! قَالَ: مَنْ أَكَلَ وَحْدَهُ وَمَنَعَ رِفْدَهُ وَضَرَبَ عَبْدَهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذٰلِكُمْ؟ مَنْ لَا يُقِيلُ عَثْرَةً وَلَا يَقْبَلُ مَعْذِرَةً وَلَا يَغْفِرُ ذَنْبًا، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرٍّ مِنْ ذٰلِكُمْ: مَنْ يُبْغِضُ النَّاسَ وَيُبْغِضُونَهُ[1]۔

کیا میں تمہیں بتا نہ دوں کہ تم میں برے کون لوگ ہیں: لوگوں نے کہا! ہاں! فرمایا: جو اکیلے کھائیں، برتنے کی چیزیں دینے سے منع کریں اور اپنے غلام کو ماریں! اس سے بھی بدتر شخص بتاؤں! وہ جو لغزش سے درگزر نہ کرے معذرت قبول نہ کرے اور گناہ معاف نہ کرے! اس سے بھی بدتر شخص بتاؤں وہ جو لوگوں سے نفرت کرتا ہو اور لوگ اس سے نفرت کرتے ہوں!

۸۴۔ مَنْ تَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِأَرْبَعٍ دَخَلَ النَّارَ: لِيُبَاهِيَ بِهِ الْعُلَمَاءَ أَوْ يُمَارِيَ بِهِ السُّفَهَاءَ أَوْ يُمِيلَ بِهِ وُجُوهَ النَّاسِ أَوْ يَأْخُذَ بِهِ مِنَ الْأُمَرَاءِ[2]۔

جس نے چار باتوں کے لئے علم حاصل کیا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ علماء سے مباہات کر سکے، جاہل احمقوں سے مناظرہ کر سکے، لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے یا امراء اور حکام سے کچھ صلہ پا سکے!

۸۵۔ إِذَا تَحَقَّقَتِ الْمَصْلَحَةُ فَثَمَّ شَرْعُ اللّٰهِ؛

جب کہیں انسانی مصلحت (بہتری) ثابت ہو جائے تو وہی مصلحت اللہ کی شریعت بھی ہے۔

۸۶۔ خَيْرُ الْكَاسِبِ الْعَامِلُ إِذَا نَصَحَ؛

بہترین کمائی کرنے والا وہ مزدور ہے جو نیک نیتی سے محنت کرے۔

۸۷۔ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ فَلْيُتْقِنْ عَمَلَهُ؛

جب تم میں سے کوئی کام کرے تو اسے پختہ طریقے سے انجام دے!

۱؎ الکامل ص ۳۹ ۲؎ عیون الاخبار ۲/۱۱۹

۸۸۔ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ عِنْدَ اللّٰهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ[1]؛

اللہ کے نزدیک بہترین کام وہ ہے جس میں باقاعدگی ہو۔

۸۹۔ تَعَلَّمُوا لُغَةَ قَوْمٍ تَأْمَنُوا شَرَّهُمْ؛

کسی قوم کی زبان سیکھ لو اس کے شر سے محفوظ ہو جاؤ گے۔!

۹۰۔ الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ؛

طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے!

۹۱۔ إِنَّ الْمُؤْمِنَ مَنْ سَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ وَسَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ[2]۔

مومن وہ ہے جسے اپنی بدی سے افسوس ہو اور اپنی نیکی سے مسرت حاصل ہو۔

۹۲۔ هَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ فِي نَارِ جَهَنَّمَ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ؟

انسانوں کو ناک کے بل دوزخ میں گرانے والی ان کی زبانوں کی پیداوار ہی تو ہے!

۹۳۔ مَا مِنْ مُسْلِمٍ غَرَسَ غَرْسًا فَأَكَلَ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ دَابَّةٌ إِلَّا كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ۔

جب کوئی مسلمان ایک درخت لگائے پھر اس سے کوئی انسان یا چوپایہ جب بھی کچھ کھائے گا اسے ثواب ملتا رہے گا۔

۹۴۔ طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَطَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ۔

دو آدمیوں کا کھانا تین کے لئے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔

۹۵۔ جَنَّةُ الرَّجُلِ دَارُهُ۔

آدمی کی جنت اس کا گھر ہوتا ہے۔

۹۶۔ النَّدَمُ تَوْبَةٌ۔

ندامت بھی توبہ ہے۔

۹۷۔ اِنْتِظَارُ الْفَرَجِ عِبَادَةٌ۔

فراخی و خوشحالی کی امید رکھنا بھی عبادت ہے۔

۱؎ البیان ۱/۹۹ ۲؎ البیان ۱/۲۵۶

۹۸۔ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ ۔

انسان کے اسلام کا حسن یہ بھی ہے کہ وہ فضول باتوں کو چھوڑ دے ۔

۹۹۔ إِنَّكُمْ لَنْ تَسَعُوا النَّاسَ بِأَمْوَالِكُمْ فَسَعُوهُمْ بِأَخْلَاقِكُمْ ۔

لوگوں کو تم دولت سے اپنا گرویدہ نہیں کر سکو گے ، اس لئے انہیں اپنے اخلاق سے گرویدہ کرو ۔

۱۰۰۔ إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ صِدِّيقًا ، وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللَّهِ كَذَّابًا ۔

سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی ، آدمی سچ بولتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے ، جھوٹ بدی کی راہ دکھاتا ہے اور بدی دوزخ کی ، آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں کذاب لکھ دیا جاتا ہے ۔

۱۰۱۔ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ، وَعَلَى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُورَانِ وَأَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ وَعَلَى الْأَبْوَابِ سُتُورٌ مُرْخَاةٌ وَعَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُولُ : ادْخُلُوا الصِّرَاطَ وَلَا تَعْوَجُّوا ، فَالصِّرَاطُ الْإِسْلَامُ ، وَالسُّورَانِ حُدُودُ اللَّهِ وَالْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ مَحَارِمُ اللَّهِ وَالدَّاعِي الْقُرْآنُ ۔[1]

اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان کی ہے جس کے دونوں جانب دو دیواریں اور کھلے دروازے ہیں ، دروازوں پر پردے لٹک رہے ہیں راستے کے سرے پر ایک داعی بلا رہا ہے کہ صراط پر چلو ٹیڑھے مت چلو ، راستہ تو ہے اسلام ، دیواریں اللہ کی حدود ہیں ، کھلے دروازے اللہ کی حرام کردہ اشیاء ہیں اور داعی قرآن ہے ۔

---

[1] العقد ۳/۲

۱۰۲۔ تَرْكُ الشَّرِّ صَدَقَةٌ ۔[1]

شر کا دامن چھوڑ دینا بھی صدقہ ہے ۔

۱۰۳۔ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ جُهْدُ الْمُقِلِّ (حوالہ سابق)

بہترین صدقہ کم سے کم کوشش کرنے والے کی کوشش ہے ۔

۱۰۴۔ الْخَيْرُ كَثِيرٌ وَقَلِيلٌ فَاعِلُهُ (حوالہ سابق)

بھلائی تو بہت ہے مگر اسے کرنے والے بہت تھوڑے ہیں ۔

۱۰۵۔ حُبُّكَ لِلشَّيْءِ يُعْمِي وَيُصِمُّ ۔ (حوالہ سابق)

کسی شئے کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے ۔

۱۰۶۔ السَّعِيدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ ۔ (حوالہ سابق)

نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرے ۔

۱۰۷۔ ثَلَاثٌ مُنْجِيَاتٌ وَثَلَاثٌ مُهْلِكَاتٌ ، فَأَمَّا الْمُنْجِيَاتُ ، فَخَشْيَةُ اللَّهِ تَعَالَى فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ ، وَالِاقْتِصَادُ فِي الْغِنَى وَالْفَقْرِ ، وَالْحُكْمُ بِالْعَدْلِ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ ، وَأَمَّا الْمُهْلِكَاتُ : فَشُحٌّ مُطَاعٌ وَهَوًى مُتَّبَعٌ وَإِعْجَابُ الْمَرْءِ بِنَفْسِهِ ۔[2]

تین باتیں باعث نجات اور تین باعث ہلاکت ہیں ، نجات دینے والی یہ ہیں ، خفیہ اور ظاہر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ، غریبی امیری میں میانہ روی اختیار کرنا ، اور خوشنودی اور ناراضگی میں عدل و انصاف کرنا ، ہلاک کرنے والی تین باتیں یہ ہیں ۔ بخل و خست میں اپنے نفس کا غلام ہونا ، ہوس کی راہ پر چلنا اور انسان کی خود پسندی ۔

۱۰۸۔ نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس ، الصحة والفراغ ۔

دو نعمتیں ایسی ہیں جن سے بہت سے لوگ محروم ہوتے ہیں ، صحت و فراغت ۔

---

[1] اعلام النبوۃ ص ۱۵۱ [2] اعلام النبوۃ ص ۱۵۱

۱۰۹۔ خصلتان من کانتا فیہ کتبہ اللہ تعالیٰ شاکرا صابرا ومن ماتکونا فیہ لم تکتبہ اللہ شاکرا ولا صابرا: من نظر فی دینہ إلی من ھو فوقہ فاقتدی بہ، ونظر فی دنیاہ إلی من دونہ فحمد اللہ علی ما فضلہ بہ علیہ:۔

دو عادتیں ہیں اگر کسی میں پائی گئیں تو اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر لکھدیگے اور اگر یہ دو عادتیں اس میں نہ پائی گئیں تو اللہ تعالیٰ اسے صابر و شاکر نہیں لکھیں گے۔ جو دین کے معاملے میں اپنے سے بہتر و برتر کو دیکھے تو اسی کی اقتداء کرے، دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر کو دیکھے تو اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے اسے اس پر بعض باتوں میں فضیلت عطا کی ہے:

۱۱۰۔ فضل لسانك تعبر بہ عن أخیك الذی لا لسان لہ صدقۃ:

اگر تم اپنی فاضل قوت گویائی اپنے اس بھائی کی ترجمانی میں صرف کرو جو گفتگو پہ قادر نہیں تو یہ بھی صدقہ ہے!

۱۱۱۔ ان اللہ یبغض البلیغ الذی یتخلل بلسانہ تخلل الباقرۃ:

اللہ تعالیٰ اس خطیب بلیغ کو ناپسند کرتا ہے جو اپنی زبان کو یوں مروڑ کر آواز نکالتے ہیں جیسے گائے کی آواز ہوتی ہے۔

۱۱۲۔ وھل یکب الناس علی مناخرھم فی نار جھنم الا حصائد السنتھم۔

لوگوں کو نتھنوں کے بل جہنم میں زبان کے کارناموں کے سوا بھی کوئی اور چیز گراتی ہے۔

۱۱۳۔ شعبتان من شعب النفاق: البذاء والبیان وشعبتان من شعب الایمان الحیاء والعی:۔

منافقت کے شعبوں میں سے دو شعبے فحش گوئی اور لفاظی ہیں اور ایمان کے شعبوں میں سے دو شعبے حیاء اور کم گوئی ہیں۔

۱۱۴۔ قال فی معنی الاحسان: ان تعبد اللہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك:

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا تو اللہ کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم سے کم یہ تصور کر کہ اللہ تو ہر حال تجھے دیکھ رہا ہے۔

۱۱۵۔ آفۃ العلم النسیان واضاعتہ ان تحدث بہ غیر اھلہ:۔

علم کے لئے سب سے بڑی آفت بھول ہے اور علم کا ضیاع یہ ہے کہ نااہل کے سامنے اس کا اظہار کرو۔

۱۱۶۔ اَلْھَمُّ نِصْفُ الْھَرَمِ

غم آدھا بڑھاپا ہے۔

۱۱۷۔ عَلِّقْ سَوْطَكَ حیث یراہ اھلك:

اپنا کوڑا ایسی جگہ لٹکاؤ جہاں سے وہ تیرے گھر والوں کو نظر آتا ہے۔

۱۱۸۔ الناسُ بازمانھم أشبہ منھم بآبائھم:۔

لوگ اپنے آباء کی نسبت اپنے زمانے سے زیادہ مشابہ ہوتے ہیں۔

۱۱۹۔ شَرُّ الْعِمٰی عِمَی الْقَلْبِ:

دل کا اندھاپن سب سے برا اندھاپن ہے۔

۱۲۰۔ اکثروا من ذکر ھادم اللذات:

لذات کو منہدم کرنے والی (موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو۔

۱۲۱۔ الرغبۃ فی الدنیا تکثر الھم والحزن والبطالۃ تقسی القلب:۔

دنیا کی رغبت رنج و غم کو بڑھاتی ہے اور بیکاری انسان کو سنگدل بنا دیتی ہے۔

خطباتِ نبوی ؐ

خطباتِ نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے بے شمار شخصی پہلو ہیں۔ آپؐ ایک داعی حق تھے، امت کے مشفق ہادی و مربی تھے۔ معلمِ حکمت و مزکی نفوس تھے، واعظ اور مصلح تھے، شارع اور مقنن تھے، قائد لشکر اور داعی جہاد فی سبیل اللہ تھے۔ اولین اسلامی حکومت کے بانی و سربراہ تھے اور رحمت للعالمین تھے۔ آپ نے ان تمام حیثیتوں سے مختلف مواقع پر امت سے خطاب فرمایا اور رہنمائی کی۔ چونکہ وصف خطابت کو اللہ تعالیٰ نے خصائص نبوت میں شامل فرمایا ہے اس لئے ختم المرسلین میں یہ صفت بدرجہ اتم ودیعت کی گئی تھی اور افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے مثال خطیب تھے

مختلف مواقع کی مناسبت سے آپؐ نے متعدد موضوعات پر امت سے خطاب فرمایا، جمعہ اور عیدین کے موقع پر آپؐ وعظ و نصیحت، تزکیہ و اصلاح نفوس، تعلیم کتاب و حکمت اور شرح احکام شریعت فرماتے تھے، کبھی اصلاح بین المسلمین اور تبلیغ و ارشاد موضوع خطبات ہوتے تھے۔ میدانِ حرب میں ہوتے تو جذبہ جہاد اور شوق شہادت کو زندہ کرتے اور تحریض علی القتال فرماتے تھے، شادی بیاہ کے موقع پر مسلمانوں کا عقدۂ نکاح آپؐ کے ہاتھوں انجام پاتا اور اس موقع پر آپ خطبہ نکاح بھی ارشاد فرماتے تھے۔

بیشتر خطبات مسجد نبوی کے منبر پر ارشاد فرمائے گئے۔ شروع میں کھجور کا ایک تنا بطور منبر استعمال ہوتا تھا، بعد میں صحابہ کرامؓ نے آپ کے لئے ایک منبر

بنوایا تھا جس پر آپ خطبات ارشاد فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے اونٹنی پر سوار ہو کر بھی خطبہ ارشاد فرمایا۔ کبھی کبھی آپؐ فرش پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے خطبہ ارشاد فرماتے وقت آپؐ خطبائے عرب کی عادت کے مطابق عصا، مخصرہ (لاٹھی)، قضیب (لکڑی)، یا قوس (کمان) ہاتھ میں رکھتے اور ان کا سہارا لیتے تھے[۱]

خطبات کے سلسلے میں آپؐ متکلفانہ انداز کے بجائے ہر معاملے میں سادگی اختیار فرماتے تھے، فخر و مباہات کے بجائے شفقت اور تواضع آپ کا طرۂ امتیاز تھا، آپؐ کا لباس بالکل سادہ ہوتا تھا کبھی کبھی کندھوں پر چادر ڈال لیتے تھے۔ آپ کے خطبات عموماً مختصر مگر جامع ہوتے تھے تاہم بڑے اور اہم مواقع پر آپ نے طویل خطبات بھی ارشاد فرمائے[۲]

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف خطابت کے بارے میں ایک شاعر کہتا ہے۔

لَوْ لَمْ تَکُنْ فِیْهِ آیَاتٌ مُّبَیَّنَةٌ،
کَانَتْ بَدَاهَتُهٗ تُنْبِیْكَ بِالْخَبَرِ

یعنی اگر آپ کے پاس واضح معجزات۔ قرآن مجید وغیرہ۔ نہ بھی ہوتے تو آپ کی فصاحت و بلاغت اور بداہت گوئی ہی آپ کے لئے معجزہ نبوت کافی تھا۔

آپ کے خطبات میں تکلف و تصنع نام کی کوئی چیز نہ تھی، کبھی تیاری کی ضرورت نہ پیش آئی جو کچھ تھا فیض ربانی اور زبان نبوت کا اعجاز تھا۔

ایک مرتبہ ایک بدو آیا اور صحابہ کرامؓ کے حلقے میں پہنچا جہاں مہاجرین و انصار کی عظیم ہستیوں کے علاوہ حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم بھی تشریف فرما تھے۔ بدو نے کہا کہ مہاجرین کے

---

[۱] البیان والتبیین ۱۱/۳، ۹۹/۳، ۸۹/۳، ۹۵/۳۔

[۲] حوالہ سابق ۲۸/۴

علاوہ انصار کا ایمان لانا اور اتباع کرنا تو سمجھ میں آتا ہے مگر یہ غیر عرب لوگ یہاں کیا لینے میں؟! حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اسے گریبان سے پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے دربار نبوت میں لے آئے۔ واقعہ سناتے ہوئے بتایا کہ یارسول اللہ! اس پر عرب قوم پرستی کا بھوت سوار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ الصلوٰۃ جامعۃ لوگوں کو نماز کے لئے مسجد میں جمع کیا جائے! اس موقع پر آپ نے ارتجالاً اور فی البدیہہ خطبہ ارشاد فرمایا جس نے رنگ و نسل کے امتیاز اور قوم پرستی کے تمام دعوؤں کی ہمیشہ کے لئے جڑ کاٹ کر رکھدی، آپ نے ارشاد فرمایا تھا[1]

"ایھا الناس ان الرب رب واحد والاب اب واحد وان الدین دین واحد وان العربیۃ لیست لاحدکم باب ولا ام انما ھی لسان فمن تکلم العربیۃ فھو عربی وفی روایۃ: من تکلم بالعربیۃ فھو عربی ومن ادرک لہ ابوان فی الاسلام فھو عربی"

اے لوگو: رب بھی ایک ہی ہے، باپ بھی ایک ہی ہے دین بھی ایک ہی ہے عربی زبان تم میں سے کسی کا باپ یا ماں نہیں یہ تو ایک زبان ہے چنانچہ جس نے عربی میں گفتگو کی وہ عرب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے عربی میں کلام کیا تو وہ بھی عرب ہے اور جس کے دو آباء یعنی دادا اور باپ اسلام میں داخل ہوگئے وہ بھی عرب ہے"؛

آپ نے نہ کبھی تقریر کے لئے مسودہ جمع کرنے کا حکم دیا اور نہ کبھی کسی سے مدد لی، جاحظ کہتا ہے[2]

"ما بلغنا عن احد من جمیع الناس ان احدا ولد لہ خطبۃ"

تمام انسانوں میں سے کسی ایک نے بھی ہم تک یہ بات نہیں پہنچائی کہ کبھی کسی نے آپ کے لئے کوئی خطبہ تیار کرکے دیا تھا!

[1] اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ ص ۷۰ [2] البیان والتبیین ۴/۳۱

آپ اپنے خطبات کا آغاز ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے فرمایا کرتے تھے، چنانچہ العقد الفرید کا مصنف ابن عبد ربہ الاندلسی[1] لکھتا ہے۔

"تتبعت خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت اوائل اکثرھا الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ... الخ ووجدت فی بعضھا: اوصیکم عباد اللہ بتقوی اللہ واحثکم علی طاعتہ..... ووجدت کل خطبۃ مفتاحھا الحمد للہ الا خطبۃ العید فان مفتاحھا: واللہ اکبر!

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات کا تتبع کیا تو مجھے ان میں سے اکثر کا آغاز اس طرح نظر آیا کہ، الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ، تمام تعریف اللہ ہی کے لئے ہے ہم اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اسی سے مدد طلب کرتا ہوں..... بعض خطبات میں فرمایا کرتے: اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی اطاعت کے لئے جوش دلاتا ہوں،..... میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے ہر خطبے کا آغاز الحمد للہ سے ہوتا تھا، سوائے خطبہ عید کے کہ اس خطبے کا آغاز آپ اللہ اکبر سے فرمایا کرتے تھے!

آپ اپنے خطبات میں جب حاضرین سے مخاطب ہوتے تو ایھا المسلمون (اے مسلمانو!) کے بجائے ایھا الناس (اے لوگو!) سے مخاطب فرماتے چونکہ آپ کا خطاب نہ صرف یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور آئندہ آنے والی تمام مسلمان نسلوں سے تھا بلکہ قیامت تک آنے والی تمام نسل انسانی سے بھی تھا، یہ خطاب عام آپ کی نبوت عامہ اور رحمۃ للعالمین کی دلیل ہے حتیٰ کہ یہ صورت حال آپ کے اولین خطبہ میں بھی موجود ہے جو آپ نے اس وقت صرف گروہ قریش کے سامنے ارشاد فرمایا تھا! اپنے مخاطبین کی ذہنی کیفیت کے مطابق انہیں قائل کرنے اور

[1] العقد الفرید ۲/۲۳۱

بات کو ذہن نشین کرنے کے لئے بے حد خوبصورت اور نہایت پرکشش طریقہ استدلال اپناتے تھے، جس طرح آغاز اللہ کی حمد و ثنا سے فرماتے تھے اسی طرح اختتام والسلام علیکم ورحمۃ اللہ پر ہوتا تھا؟۔

جوامع الکلم کی طرح خطبات نبوی کا اسلوب بیان بھی ایک منفرد مقام رکھتا ہے جو اپنی نظیر آپ ہے، فرق صرف یہ ہے کہ جوامع الکلم میں حکمت و دانش کے گوہر ہائے گرانمایہ اور زبانِ نبوت کا اعجاز بیان اختصار و جامعیت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ جہاں اندازِ بیان میں جوش و تموج کے بجائے سکون و وقار اور معانی کی گہرائی کا غلبہ ہے، لیکن خطبات میں جوش و تموج بھی ہے اور ہیبت و جلالِ نبوت بھی، مگر افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلوبِ خطابت میں عرب کے کاہنوں کی سجع و قافیہ کی بھول بھلیاں بھی نہیں اور خطبائے عرب کی بھاری بھرکم لفاظی اور عبارت آرائی بھی نہیں بلکہ یہ تو ایک اسلوب بیان ہے جو سیل بے پناہ سے زیادہ زور دار، باد نسیم سے زیادہ سحر انگیز و پرلطف اور پھول کی پتی سے زیادہ نرمی و نزاکت کی کیفیت لئے ہوئے ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جو بات قلبِ نبوت سے نکل رہی ہے وہ اخلاص و ایمان کی حرارت لئے قلب مومن کی گہرائیوں میں اترتی جا رہی ہے۔

خطباتِ نبوی کا اسلوب سامعین کے تمام طبقات کے لئے نہ صرف قابلِ فہم ہے بلکہ بے اندازہ روحانی تاثیر اور جاذبیت کا حامل بھی ہے، اگر کوئی ادبیات عالیہ کا ذوقِ سلیم رکھنے والا انسان ہو تو اسے اس اسلوب میں بلاغتِ عرب کی چاشنی اور لفظ و معنی کا حسین امتزاج نظر آئے گا، اگر نظر کی بلندی اور فکر کی گہرائی رکھنے والا انسان ہو تو وہ اپنے آپ کو حکمت و معانی کے بحرِ زخار سے فکر و نظر کی تسکین پائے گا اور اگر عام سطح کا انسان ہو تو ہر بات اس کے فہم و ادراک کے دریچے کھولتے ہوئے اس کے دل کی گہرائیوں میں اترتی ہوئی دکھائی دے گی، یہ ایک اسلوب ہے جو سہلِ ممتنع کی منفرد مثال ہے جس میں لسانِ قریش کی سلاست و روانی، قلب

نبوت کی اثر انگیزی اور قرآن کریم کے اعجاز بیان کے اثرات کی جھلک نظر آئے گی، اس اسلوب میں آیات قرآنی کے اقتباسات بھی ہیں مگر کلامِ ربانی اور کلامِ نبوی کے اسلوب میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے! یہی بات قرآن اور نبوتِ محمدی کی صداقت کے لئے ایک ناقابلِ تردید شہادت ہے!



نمونۂ خطب

(١)

أَوَّلُ خُطْبَةٍ بَدَأَ بِهَا دَعْوَتَهُ بِمَكَّةَ

خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ خُطْبَةٍ بِمَكَّةَ حِينَ دَعَا قَوْمَهُ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ:

"إِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلَهُ، وَاللهِ لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيعًا، مَا كَذَبْتُكُمْ، وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَا غَرَرْتُكُمْ، وَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِنِّي لَرَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَإِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَاللهِ لَتَمُوتُنَّ كَمَا تَنَامُونَ وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُونَ، وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُونَ، وَلَتُجْزَوُنَّ بِالْإِحْسَانِ إِحْسَانًا، وَبِالسُّوءِ سُوءًا، وَإِنَّهَا الْجَنَّةُ أَبَدًا أَوِ النَّارُ أَبَدًا"[1]

ترجمہ: اولین خطبہ جس سے آپ نے مکہ میں دعوت اسلام کا آغاز کیا تھا:

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی اور مکہ مکرمہ میں سب سے پہلا خطبہ ارشاد فرمایا تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا تھا):

"کوئی خبر لانے والا اپنے خاندان سے جھوٹ نہیں بولا کرتا۔ اللہ کی قسم! اگر میں دنیا کے تمام انسانوں سے جھوٹ بولتا بھی تو تم سے تو پھر بھی جھوٹ نہ بولتا، اگر میں تمام دنیا والوں سے دھوکہ کر بھی لیتا تو تم سے تو کبھی دھوکہ نہ کرتا، میں اس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو تمہارے لئے خصوصاً اور دنیا کے تمام انسانوں کے لئے عموماً مبعوث کیا گیا ہوں، اللہ کی قسم! تمہیں موت

[1] السيرة الحلبية ١/٢٧٢، الكامل لابن الأثير ٢/٢٧، جمهرة خطب العرب ١: ٥١.

بھی اسی طرح ہی آنی ہے جس طرح تم سو جایا کرتے ہو، تم اٹھائے بھی اسی طرح ہی جاؤ گے جس طرح تم بیدار ہو جایا کرتے ہو، تمہارے اعمال کا حساب وکتاب بھی لازمی ہوگا اور تمہیں بھلائی کا بدلہ بھلائی اور برائی کا بدلہ برائی لازماً دیکھنا ہوگا پھر اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لئے جنت ہوگی اور یا جہنم!"

(٢)

أَوَّلُ خُطْبَةٍ خَطَبَهَا بِالْمَدِينَةِ

وَخَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَةً بِالْمَدِينَةِ حِينَ هَاجَرَ إِلَيْهَا، فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ:[1]

"أَمَّا بَعْدُ أَيُّهَا النَّاسُ! فَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ، تَعْلَمُنَّ وَاللهِ لَيُصْعَقَنَّ أَحَدُكُمْ، ثُمَّ لَيَدَعَنَّ غَنَمَهُ، لَيْسَ لَهَا رَاعٍ، ثُمَّ لَيَقُولَنَّ لَهُ رَبُّهُ، وَلَيْسَ لَهُ تَرْجُمَانٌ وَلَا حَاجِبٌ يَحْجُبُهُ دُونَهُ: أَلَمْ يَأْتِكَ رَسُولِي فَبَلَّغَكَ، وَآتَيْتُكَ مَالًا وَأَفْضَلْتُ عَلَيْكَ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ؟ فَلَيَنْظُرَنَّ يَمِينًا وَشِمَالًا فَلَا يَرَى شَيْئًا، ثُمَّ لَيَنْظُرَنَّ قُدَّامَهُ فَلَا يَرَى غَيْرَ جَهَنَّمَ، فَمَنِ اسْتَطَاعَ أَنْ يَقِيَ وَجْهَهُ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقٍّ مِنْ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ، وَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ فَإِنَّ بِهَا تُجْزَى الْحَسَنَةُ عَشْرَ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَعَلَى رَسُولِ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ"

(٣)

(وَقَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: ثُمَّ خَطَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّاسَ مَرَّةً أُخْرَى فَقَالَ)

"إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ، نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا

[1] الروض الأنف ١/١٠، جمهرة خطب العرب ١/٥٥

[2] الروض الأنف ١: ١٥، إعجاز القرآن ص ١١٠، جمهرة خطب العرب ١/٥٣

وَسَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ
وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ
كِتَابُ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَيَّنَهُ اللهُ فِي قَلْبِهِ وَأَدْخَلَهُ فِي
الْإِسْلَامِ بَعْدَ الْكُفْرِ، وَاخْتَارَهُ عَلَى مَا سِوَاهُ مِنْ أَحَادِيثِ النَّاسِ، إِنَّهُ
أَحْسَنُ الْحَدِيثِ وَأَبْلَغُهُ، أَحِبُّوا مَا أَحَبَّ اللهُ، أَحِبُّوا اللهَ بِكُلِّ قُلُوبِكُمْ
وَلَا تَمَلُّوا كَلَامَ اللهِ وَذِكْرَهُ، وَلَا تَقْسُ عَنْهُ قُلُوبُكُمْ، فَإِنَّهُ مِنْ
كُلِّ مَا يَخْلُقُ اللهُ يَخْتَارُ وَيَصْطَفِي قَدْ سَمَّاهُ اللهُ خِيَرَتَهُ مِنَ الْأَعْمَالِ وَ
مُصْطَفَاهُ مِنَ الْعِبَادِ الصَّالِحَ الْحَدِيثِ، وَمِنْ كُلِّ مَا أُوتِيَ النَّاسُ مِنَ الْحَلَالِ
وَالْحَرَامِ، فَاعْبُدُوا اللهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَاتَّقُوهُ حَقَّ تُقَاتِهِ، وَ
اصْدُقُوا اللهَ صَالِحَ مَا تَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ، وَتَحَابُّوا بِرُوحِ اللهِ بَيْنَكُمْ
إِنَّ اللهَ يَغْضَبُ أَنْ يُنْكَثَ عَهْدُهُ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ»

ترجمہ: مدینہ منورہ میں آپ کا پہلا خطبہ

(ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا خطبہ ارشاد
فرمایا جس میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا تھا)

"اے لوگو! اپنے لئے کچھ توشۂ آخرت فراہم کر لو، تمہیں اچھی طرح معلوم ہونا
چاہیئے۔ اللہ کی قسم تم میں سے کسی کو بھی بجلی کی طرح اچانک موت آسکتی ہے پھر اسے
اپنا ریوڑ چرواہے کے بغیر چھوڑ کر جانا ہوگا، اور اسے اپنے رب کے حضور پیش
ہونا ہوگا پھر اس کا رب اس سے سوال کرے گا، جبکہ وہاں نہ تو کوئی ترجمان
ہوگا، نہ درمیان میں کوئی پردہ حائل ہوگا۔ کیا تیرے پاس میرا رسول نہیں آیا تھا؟ کیا
اس نے تجھے میرا پیغام نہیں پہنچایا تھا؟ کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر
اپنا فضل نہیں کیا تھا؟ تو اب بتا تو نے اپنے لئے کیا توشۂ آخرت تیار کر رکھا ہے!
تب وہ دائیں بائیں دیکھے گا مگر کچھ نہ پائے گا، پھر سامنے دیکھے گا تو اسے جہنم کے
سوا اور کچھ بھی دکھائی نہ دے گا، سو اگر کوئی خود کو آتش دوزخ سے بچانا چاہتا ہے

تو اسے ضرور کارِ خیر میں حصہ لینا ہوگا خواہ کھجور کا آدھا ٹکڑا دے کر ہی ہو، اگر کسی کو یہ
بھی میسر نہ ہو تو پھر ایک پاکیزہ بات کر کے بھی کارِ خیر کر سکتا ہے، کیونکہ اس پاکیزہ
بات کی نیکی کا بدلہ بھی دس گنا ہے جو سات سو گنا تک بڑھ سکتا ہے، تم پر اور اللہ
کے رسول پر اللہ کی رحمت، برکتیں اور سلام ہو!"

(ابن اسحاق کا قول ہے کہ آپؐ نے ایک بار پھر خطبہ دیا تو اس میں ارشاد فرمایا تھا)

"بلاشبہ تمام تعریفوں کا سزاوار تو اللہ ہی ہے، میں اسی کی حمد بیان کرتا ہوں
اور اسی سے مدد مانگتا ہوں، ہم اپنے نفسوں کے شر سے اور اپنے برے اعمال سے
اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، جسے اللہ راہِ ہدایت پر ڈال دے اسے گمراہ کرنے والا کوئی
نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، بلاشبہ
بہترین بات تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب ہی ہے۔ وہ شخص فلاح پا گیا جس کے
سینے کو اللہ نے اپنی اس کتاب سے مزین کر دیا اور کفر کے بعد اسے اسلام کا حلقہ
بگوش بنا دیا اور لوگوں کی باتوں کے بجائے کتاب اللہ کی بات کو چن لیا، بلاشبہ
کتاب اللہ بہترین اور بلیغ ترین بات ہے۔ وہی چیز پسند کرو جسے اللہ نے پسند
کیا، اللہ جل جلالہ سے اپنے دلوں کی گہرائی سے محبت کرو، اللہ کے کلام اور
اس کے ذکر سے کبھی رنجیدہ نہ ہونا، اس کے بارے میں سنگدل نہ بن جانا، بلاشبہ
اللہ جو کچھ تخلیق فرماتا ہے اس میں سے چنتا اور انتخاب فرماتا ہے، اسی کو اللہ تعالیٰ
نے چیدہ اعمال میں سے قرار دیا ہے، بندوں میں سے اللہ کا چنا ہوا وہ ہے جو
عمدہ و صالح بات کرنے والا ہوتا ہے، جو کچھ اس نے لوگوں کو حلال و حرام میں
سے عطا فرمایا ہے اس میں سے پاکیزہ اسے پسند ہے، سو اسی کی عبادت کرو،
اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس سے ڈرو جیسا کہ ڈرنے کا حق ہے۔
اپنے منہ سے جو نیک بات کہو وہ اللہ کے حضور صدقہ کرو، اللہ کی پسندیدہ فراخ دلی
کی بنیاد پر باہم الفت و محبت پیدا کرو، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے
کہ اگر اس کے ساتھ کیا ہوا عہد و پیمان توڑ دیا جائے!"

(۴)

(وقال في إحدى خطباته صلى الله عليه وسلم)

«أيها الناس! كأن الموت فيها على غيرنا قد كتب، وكأن الحق فيها على غيرنا قد وجب، وكأن الذي نشيع من الأموات سفر عما قليل إلينا راجعون، نبوئهم أجداثهم ونأكل من تراثهم، كأنا مخلدون بعدهم، ونسينا كل واعظة، وأمنا كل جائحة، طوبى لمن شغله عيبه عن عيوب الناس، طوبى لمن أنفق مالا اكتسبه من غير معصية، وجالس أهل الفقه والحكمة، وخالط أهل الذل والمسكنة، طوبى لمن زكت وحسنت خليقته وطابت سريرته، وعزل عن الناس شره، طوبى لمن أنفق الفضل من ماله، وأمسك الفضل من قوله، ووسعته السنة، ولم تستهوه البدعة!»[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں فرمایا۔

"اے لوگو! ہم یوں تصور کرتے ہیں کہ جیسے اس دُنیا میں موت تو ہمارے علاوہ دوسروں کا مقدر ہے، اس دنیا میں حقوق بھی دوسروں کے ذمہ ہی واجب ہیں، گویا ہم جن مرنے والوں کو الوداع کرتے ہیں وہ کوئی مسافر ہیں جو عنقریب ہمارے پاس لوٹ آنے والے ہیں، ہم انہیں قبروں میں سپرد خاک کرتے اور ان کی میراث کھاتے ہیں، یوں لگتا ہے جیسے ہم نے ان کے بعد ہمیشہ یہیں رہنا ہے، ہم ہر عبرت کو بھول گئے اور ہر تباہی سے خود کو محفوظ سمجھ بیٹھے! اچھائی ہے اس شخص کے لئے جسے اپنے عیبوں نے لوگوں کے عیوب سے غافل کر دیا بھلائی ہے اس کے لئے جس نے اللہ کی راہ میں ایسا مال خرچ کیا جو اس نے کسی گناہ سے نہیں کمایا تھا! جو اہل فقہ وحکمت کی صحبت میں بیٹھا اور بےکسوں اور ناداروں سے میل جول رکھا! خوشخبری ہے اس کے لئے جس کی فطرت وجبلت پاکیزہ اور اچھی ہے جس کا

[1] صبح الاعشیٰ ۱/۲۱۳، جمہرۃ خطب العرب ۱/۵۲

باطن پاک ہو اور اس کے شر سے لوگ محفوظ رہیں، مبارک اس شخص کو جس نے اپنا فالتو مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور اپنی فالتو باتیں اپنے منہ میں ہی روک لی! جسے سنت پر پورا پورا عمل میسر آیا اور بدعت اس کے لئے باعث ہوس نہ بنی!

(۵)

ومما قال صلى الله عليه وسلم في خطبة من خطباته عن الجمعة والإمامة

«ألا أيها الناس! توبوا إلى ربكم قبل أن تموتوا، وبادروا الأعمال الصالحة قبل أن تشغلوا، وصلوا الذي بينكم وبين ربكم بكثرة ذكركم له، وكثرة الصدقة في السر والعلانية، ترزقوا وتؤجروا وتنصروا، واعلموا أن الله عز وجل قد افترض عليكم الجمعة، في مقامي هذا، في عامي هذا، في شهري هذا، إلى يوم القيامة، حياتي ومن بعد مماتي، فمن تركها وله إمام فلا جمع الله له شمله، ولا بارك له في أمره، ألا ولا حج له، ألا ولا صوم له، ألا ولا صدقة له، ألا ولا بر له، ألا ولا يؤم أعرابي مهاجرا، ألا ولا يؤم فاجر مؤمنا، إلا أن يقهره سلطان يخاف سيفه أو سوطه»[1]

ترجمہ: جمعہ اور امامت کے بارے میں ایک خطبہ میں فرمایا:

"خبردار اے لوگو! اس سے پہلے کہ تمہیں موت آئے اپنے رب سے توبہ کر لو مصروفیات میں الجھنے سے قبل ہی اعمال صالحہ کے لئے سبقت کرو، کثرتِ ذکر اللہ اور پوشیدہ وظاہر صدقے سے اپنے رب سے اپنا رشتہ مضبوط کر لو، تمہیں رزق، اجر اور نصرت سے نوازا جائے گا! اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے

[1] اعجاز القرآن للباقلانی ص ۱۱۰، جمہرۃ خطب العرب ۱/۵۳

تم پر جمعہ فرض کیا ہے ، میری اس جگہ پر ، اس سال کے دوران ، اس مہینے کے اندر ، یہ قیامت تک فرض رہے گا ، میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد بھی ، اگر کسی نے جمعہ ترک کر دیا حالانکہ اسے امام بھی میسّر تھا ، تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی دل جمعی عطا نہ کرے ، نہ اس کے معاملے میں برکت دے ! ہاں تو تارک جمعہ کا نہ حج ہے نہ روزہ ہے ، نہ اس کی زکوٰۃ ۔ آگاہ رہو کہ اس کی نیکی بھی کوئی نہیں ! خبردار کوئی گنوار کسی مہذب و عالم کی امامت نہ کرائے ، نہ کوئی فاجر و بدکار مومن کی امامت کرے ۔ ہاں اگر اسے کوئی قوت زیر کرے جس کی تلوار اور کوڑے کا اسے ڈر ہو تو الگ بات ہے ؛

(۵)

خُطْبَتُهُ فِي أَوَّلِ جُمُعَةٍ جَمَعَهَا بِالْمَدِينَةِ

(صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُؤْمِنِينَ أَوَّلَ جُمُعَةٍ بِالْمَدِينَةِ الْمُنَوَّرَةِ وَخَطَبَهُمْ فَقَالَ[1])

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ، أَحْمَدُهُ وَأَسْتَعِينُهُ وَأَسْتَغْفِرُهُ وَأَسْتَهْدِيهِ وَأُومِنُ بِهِ وَلَا أَكْفُرُهُ وَأُعَادِي مَنْ يَكْفُرُهُ ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ، أَرْسَلَهُ بِالْهُدَى وَالنُّورِ وَالْمَوْعِظَةِ عَلَى فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ ، وَقِلَّةٍ مِنَ الْعِلْمِ وَضَلَالَةٍ مِنَ النَّاسِ ، وَانْقِطَاعٍ مِنَ الزَّمَانِ ، وَدُنُوٍّ مِنَ السَّاعَةِ وَقُرْبٍ مِنَ الْأَجَلِ ، مَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ ، وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَى وَفَرَّطَ وَضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ۔

وَأُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَإِنَّهُ خَيْرُ مَا أَوْصَى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ أَنْ يَحُضَّهُ عَلَى الْآخِرَةِ ، وَأَنْ يَأْمُرَهُ بِتَقْوَى اللّٰهِ ، فَاحْذَرُوا

---

[1] الطبری ۲/۲۵۵ جمہرۃ خطب العرب ۱/۵۶ [2] ق (۵۰/۲۹)

مَا حَذَّرَكُمُ اللّٰهُ مِنْ نَفْسِهِ ، وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ نَصِيحَةً ، وَلَا أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ ذِكْرًا ، وَإِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ لِمَنْ عَمِلَ بِهِ عَلَى وَجَلٍ وَمَخَافَةٍ مِنْ رَبِّهِ ، عَوْنُ صِدْقٍ عَلَى مَا تَبْغُونَ مِنْ أَمْرِ الْآخِرَةِ ؛ وَمَنْ يُصْلِحِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ مِنْ أَمْرِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لَا يَنْوِي بِذٰلِكَ إِلَّا وَجْهَ اللّٰهِ ، يَكُنْ لَهُ ذِكْرًا فِي عَاجِلِ أَمْرِهِ ، وَذُخْرًا فِيمَا بَعْدَ الْمَوْتِ حِينَ يَفْتَقِرُ الْمَرْءُ إِلَى مَا قَدَّمَ ، وَمَا كَانَ مِنْ سِوَى ذٰلِكَ يَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا ، وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ ، وَاللّٰهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ۔

وَالَّذِي صَدَقَ قَوْلَهُ وَأَنْجَزَ وَعْدَهُ لَا خُلْفَ لِذٰلِكَ فَإِنَّهُ يَقُولُ عَزَّ وَجَلَّ : مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ[2] فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي عَاجِلِ أَمْرِكُمْ وَآجِلِهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ ، فَإِنَّهُ مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ ، وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ، وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ، وَإِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُوَقِّي مَقْتَهُ وَيُوَقِّي عُقُوبَتَهُ وَيُوَقِّي سَخَطَهُ ، وَإِنَّ تَقْوَى اللّٰهِ يُبَيِّضُ الْوُجُوهَ وَيُرْضِي الرَّبَّ وَيَرْفَعُ الدَّرَجَةَ ، خُذُوا بِحَظِّكُمْ وَلَا تُفَرِّطُوا فِي جَنْبِ اللّٰهِ ، قَدْ عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ كِتَابَهُ وَنَهَجَ لَكُمْ سَبِيلَهُ ، لِيَعْلَمَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَيَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ فَأَحْسِنُوا كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ، وَعَادُوا أَعْدَاءَهُ وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَسَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ ، لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَا مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ، وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَأَكْثِرُوا ذِكْرَ اللّٰهِ ۔ وَاعْمَلُوا لِمَا بَعْدَ الْيَوْمِ ، فَإِنَّهُ مَنْ يُصْلِحْ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللّٰهِ يَكْفِهِ اللّٰهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ ، ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يَقْضِي عَلَى النَّاسِ وَلَا يَقْضُونَ عَلَيْهِ ، وَيَمْلِكُ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ ، اللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ؛»

ترجمہ: مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جمعہ میں آپ کا خطبہ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے
ساتھ پہلا جمعہ ادا کیا تو اس موقع پر ان کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا)

وہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، میں اسی کی حمد بیان کرتا ہوں، اسی سے
مدد مانگتا ہوں۔ اسی سے بخشش کا طالب ہوں۔ اسی سے ہدایت چاہتا ہوں۔ اسی
پر ایمان رکھتا ہوں، اس کے ساتھ کفر نہیں کرتا اور اس کے منکر سے عداوت
رکھتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لا شریک کے سوا اور کوئی معبود
نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں اس نے
رسولوں کے ایک وقفے کے بعد ہدایت، نور اور موعظت کے ساتھ مبعوث
فرمایا، جبکہ علم کی بڑی کمی ہو چکی تھی، لوگ گمراہ ہو گئے تھے، زمانے کا سلسلہ
منقطع ہو گیا تھا، قیامت قریب تھی اور اجل قریب آن پہنچی تھی؛ جس نے
اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ ہدایت پا گیا اور جس نے ان کی نافرمانی
کی تو وہ بھٹک گیا، حد سے تجاوز کر گیا اور دور رس گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں، اس لئے کہ مسلمان مسلمان
کو بہترین وصیت یہی کر سکتا ہے کہ وہ اسے آخرت کے لئے جوش دلائے
اور اسے اللہ کے تقویٰ کا حکم دے، سو اللہ نے جس بات سے تمہیں ڈرایا ہے
اس سے بچو، اس سے بہتر نہ تو کوئی نصیحت ہے اور نہ اس سے افضل کوئی
ذکر ہے؛ اور اللہ کا تقویٰ اسی کے لئے ہے جس نے اپنے رب کے خوف اور ڈر سے
اس پر عمل کیا، تم آخرت کی جس بات کے طالب ہو اس کے لئے یہ بہترین اور
سچا معاون ہے۔ جس نے ظاہر و باطن میں اپنے رب کے اور اپنے درمیان
رشتوں کو درست کر لیا اور اس میں اس کی نیت صرف اللہ کی ذات ہوئی تو
یہ بات اس کے بنیادی معاملات کے لئے نصیحت اور مرنے کے بعد والی زندگی
میں ذخیرہ ثابت ہوگی جبکہ بندہ اپنے توشۂ آخرت کا محتاج ہوگا، اور اگر اس کے

علاوہ کوئی بات ہوئی تو وہ پسند کرے گا کہ اس کے اور اس بات کے درمیان
طویل فاصلہ ہو جائے۔ اللہ تمہیں اپنی ذات کے بارے میں احتیاط کا حکم دیتا
ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے۔

قسم ہے اس کی جس کا قول سچا ہوا، اور جس نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس میں کوئی خلاف
ورزی نہیں ہو گی اللہ عزوجل فرماتے ہیں: میرے ہاں قول میں تبدیلی نہیں ہے،
اور نہ میں اپنے بندوں پر زیادتی کرنے والا ہوں؛ اس لئے اپنے دنیاوی
اور اخروی معاملات میں خفیہ و ظاہر اللہ سے ڈرتے رہو، کیونکہ جو اللہ سے ڈرتا
ہے تو وہ اس کے گناہوں کو دور کر دیتا ہے اور اسے بہت بڑا اجر دیتا
ہے۔ جو اللہ سے ڈرا تو اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ اللہ کا خوف
اس کی نفرت سے بچاتا، اس کے عذاب سے نجات دلاتا اور اس کی ناراضگی
سے محفوظ رکھتا ہے، اللہ کا تقویٰ و خوف چہروں کو عزت بخشتا ہے اللہ
کو خوش کرتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے۔ اپنا مقدر پاؤ اور اللہ کے
معاملے میں تفریط سے کام نہ لو، اس نے تمہیں اپنی کتاب کا علم دیا ہے اور
اپنا راستہ واضح کر دیا ہے تاکہ وہ تم میں سے سچے اور جھوٹے لوگوں کی پہچان
کر سکے، اس لئے اللہ کے لئے بھلائی کرو جس طرح اس نے تم پر احسان
کیا ہے، اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن جانو، اللہ کی خاطر جہاد کا حق ادا کرو،
اس نے تمہیں چنا ہے اور تمہیں مسلمان کا لقب دیا ہے تاکہ دلائل سے محروم
ہونے والا ہلاک ہو اور دلائل کا سہارا پانے والا زندہ رہے؛ قوت تو صرف
اللہ ہی کے طفیل ہے۔ اس لئے اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو، آج کے بعد کی زندگی
کے لئے عمل کرو۔ کیونکہ جو شخص اللہ کی ذات سے اپنے رشتوں کی اصلاح
کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیانی رشتوں کا کفیل بن
جاتا ہے، اس لئے کہ اللہ تو لوگوں کے فیصلے کرتا ہے مگر لوگ اللہ کے فیصلے
نہیں کر سکتے، وہ انسانوں کا مالک ہے انسان اس کے مالک نہیں ہیں

اللہ ہی سب سے بڑا ہے، اللہ عظیم کے سوا کوئی قوت کا ذریعہ اور سرچشمہ نہیں ہے!"

(۶)

خُطْبَةٌ عَنِ الدُّنْيَا وَمَصِيرِهَا

(وَخَطَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْعَصْرِ يَوْمًا فَكَانَ مِمَّا قَالَ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ)[1]

أَلَا إِنَّ الدُّنْيَا خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، أَلَا وَإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُونَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، أَلَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا مَخَافَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُولَ الْحَقَّ إِذَا عَلِمَهُ (وَلَمْ يَزَلْ يَخْطُبُ حَتَّى لَمْ تَبْقَ مِنَ الشَّمْسِ إِلَّا حُمْرَةٌ عَلَى أَطْرَافِ السَّعَفِ فَقَالَ): إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا فِيمَا مَضَى إِلَّا كَمَا بَقِيَ مِنْ يَوْمِكُمْ هَذَا فِيمَا مَضَى!"

ترجمہ: دنیا اور اس کے انجام کے بارے میں آپ کا خطبہ

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن عصر کے بعد خطبہ دیا جس میں آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ)

"ہاں تو دنیا ہے تو سرسبز و شیریں! مگر خبردار رہو کہ اللہ نے تمہیں اس دنیا میں چھوڑا اس لئے ہے کہ وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، اسو دنیا کے معاملے میں تقویٰ اختیار کرو، اور عورتوں کے بارے میں بھی تقویٰ اختیار کرو، خبردار! لوگوں کا خوف کسی آدمی کو حق بات کہنے سے نہ روکے اگر اسے حق معلوم ہو جائے! (آپ خطبہ ارشاد فرماتے رہے حتی کہ آفتاب غروب ہونے لگا مگر سورج کی کچھ سرخی کھجوروں کے پتوں کے اس پاس باقی رہ گئی، تب آپ نے فرمایا) کہ دنیا کی عمر کا اتنا حصّہ

[1] اعجاز القرآن ص ۱۱۳، جمہرۃ خطب العرب ۱/ ۵۴

بھی باقی نہیں رہا جتنا کہ تمہارے آج کے دن کا حصّہ باقی رہ گیا ہے!"

(۷)

اِغْتَنِمِ الْفُرْصَةَ!

(وَمِمَّا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ خُطَبِهِ)[1]

"أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ لَكُمْ مَعَالِمَ فَانْتَهُوا إِلَى مَعَالِمِكُمْ، وَإِنَّ لَكُمْ نِهَايَةً فَانْتَهُوا إِلَى نِهَايَتِكُمْ، فَإِنَّ الْعَبْدَ بَيْنَ مَخَافَتَيْنِ، أَجَلٍ قَدْ مَضَى لَا يَدْرِي مَا اللّٰهُ فَاعِلٌ فِيهِ، وَأَجَلٍ بَاقٍ لَا يَدْرِي مَا اللّٰهُ قَاضٍ فِيهِ! فَلْيَأْخُذِ الْعَبْدُ مِنْ نَفْسِهِ لِنَفْسِهِ وَمِنْ دُنْيَاهُ لِآخِرَتِهِ وَمِنَ الشَّبِيبَةِ قَبْلَ الْكِبَرِ وَمِنَ الْحَيَاةِ قَبْلَ الْمَمَاتِ، فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ مِنْ مُسْتَعْتَبٍ وَلَا بَعْدَ الدُّنْيَا مِنْ دَارٍ إِلَّا الْجَنَّةُ أَوِ النَّارُ!"

ترجمہ: فرصت کو غنیمت جانو!

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا)

"لوگو! تمہارے لئے کچھ حدیں ہیں اس لئے اپنی حدوں پر رک جایا کرو، تمہارے لئے ایک انتہا ہے اپنی اس انتہا پر رک جایا کرو، کیونکہ بندہ دو خوفوں کے درمیان ہوتا ہے، ایک مدت عمر ہے جو گزر چکی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کیا کرنے والے ہیں، عمر کا ایک عرصہ ہے جو باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بارے میں بھی بندے کو علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں کیا فیصلہ کرنے والا ہے! اس لئے بندے کو اپنے لئے کچھ خود ہی کرنا ہوگا، دنیا سے آخرت کے لئے، جوانی سے بڑھاپے کے لئے اور زندگی سے موت کی آمد سے قبل کچھ حاصل کر لینا چاہیے

[1] البیان والتبیین ۱/ ۳۰۲، الکامل للمبرد ص، عیون الاخبار ۲/ ۲۳۱، اعجاز القرآن ص ۱۱۰، جمہرۃ خطب العرب ۱/ ۵۵۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے!
موت کے بعد اللہ کو راضی کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور نہ دنیا کے
بعد کوئی اور گھر ہوگا سوائے اس کے کہ یا جنت ہوگی یا دوزخ!"

(۸)

رَدُّهُ عَلَىٰ بَنِي نَهْدٍ

(رَدَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَىٰ خَطِيبِ نَهْدٍ فَقَالَ)

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مَحْضِهَا وَمَخْضِهَا وَمَذْقِهَا، وَابْعَثْ رَاعِيَهَا
فِي الدَّثْرِ بِيَانِعِ الثَّمَرِ، وَافْجُرْ لَهُ الثَّمَدَ، وَبَارِكْ لَهُ فِي الْمَالِ وَالْوَلَدِ،
مَنْ أَقَامَ الصَّلَاةَ كَانَ مُسْلِمًا، وَمَنْ آتَى الزَّكَاةَ كَانَ مُحْسِنًا، وَمَنْ شَهِدَ
أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ كَانَ مُخْلِصًا، يَا بَنِي نَهْدٍ! لَكُمْ وَدَائِعُ الشِّرْكِ
وَوَضَائِعُ الْمُلْكِ، لَا تُلْطِطْ فِي الزَّكَاةِ وَلَا تُلْحِدْ فِي الْحَيَاةِ وَلَا تَتَثَاقَلْ
عَنِ الصَّلَاةِ!"

ترجمہ: بنی نہد کے خطاب کے جواب میں

قبیلہ بنی نہد کے خطیب کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]
کے خطبہ سے اقتباس۔

"اے اللہ! اس قبیلہ نہد کے خالص دودھ، دہی کی لسی اور دودھ
والی لسی میں برکت عطا کر، ان کے چرواہے کو بہت سے مویشیوں کا نگہبان بنا،
اس کے لئے پانی کے چشمے نکال، اور ان کے مال و اولاد میں برکت دے، جس نے
نماز قائم کی وہ مسلمان ہوگیا، جس نے زکوٰۃ دی وہ بھلائی کرنے والا ہوا،
اور جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ مخلص اور پاکیزہ بن گیا!
اے بنی نہد! تمہیں شریک کار کی امانت اور مملکت کے وظائف کا حق حاصل
ہوگا۔ زکوٰۃ کے معاملے میں رکاوٹ نہ ڈالنا۔ زندگی میں کج روی نہ اختیار

[1] الشفا ۱/ ۶۹، العقد الفريد ۱/ ۱۱۳، جمهرة خطب العرب ۱/ ۱۰۸

کرنا اور نماز میں سستی نہ کرنا!"

(۹)

خُطْبَتُهُ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ

(وَقَالَ ابْنُ إِسْحٰقَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَامَ عَلَىٰ بَابِ الْكَعْبَةِ الْمُشَرَّفَةِ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَقَالَ[1])

"لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ
عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، أَلَا كُلُّ مَأْثُرَةٍ أَوْ دَمٍ أَوْ مَالٍ
يُدَّعَىٰ فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيَّ هَاتَيْنِ، إِلَّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجِّ،
أَلَا وَقَتْلُ الْخَطَإِ مِثْلُ الْعَمْدِ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا، فِيهِمَا الدِّيَةُ مُغَلَّظَةً
مِنْهَا أَرْبَعُونَ خَلِفَةً فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا۔ يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! إِنَّ اللّٰهَ
قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْآبَاءِ، اَلنَّاسُ مِنْ
آدَمَ، وَآدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ، (ثُمَّ تَلَا): يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ
مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ
عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ، (الآية)، يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! مَا تَرَوْنَ أَنِّي فَاعِلٌ
بِكُمْ؟ قَالُوا: خَيْرًا، أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ، قَالَ: اذْهَبُوا
فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ!"

ترجمہ: فتح مکہ کے دن آپؐ کا خطبہ

(ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فتح مکہ کے دن آپؐ کعبہ
مشرفہ کے دروازے پر کھڑے ہوگئے اور فرمایا)

"اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ

[1] الروض الأنف ۲/ ۲۷۴، الطبري ۳/ ۱۲۰، ابن الاثير ۲/ ۱۲۱، سيرة ابن هشام ۴/ ۲۷۴،
اعجاز القرآن ص ۱۱۲، جمهرة خطب العرب ۱/ ۵۲

کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی، اور گروہوں کو خود ہی شکست سے دوچار
کر دیا؛ ہاں تو جاہلیت کی ہر فضیلت، خون بہا یا مال جس کا دعویٰ کیا جاتا ہے
وہ میرے ان دو قدموں کے نیچے ہے، سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں
کو پانی پلانے کے! خبردار! کوڑے یا لاٹھی سے قتل خطا بھی قتل عمد کی طرح
ہے، دونوں قتلوں میں بھاری دیت ہوگی جس میں کہ ایک مثال چالیس
حاملہ اونٹنیاں ہیں مع ان بچوں کے جو ان کے پیٹوں میں ہوں گے! اے
گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تمہاری زمانہ جاہلیت کی نخوت اور اپنے اجداد
کے سبب بڑائی کے دعووں کو ملیامیٹ کر دیا ہے، سب لوگ آدم کی اولاد
ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے! پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: "اے
انسانو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور اقوام و قبائل بنایا
تاکہ تم باہم پہچانے جا سکو، تم میں سے اللہ کے نزدیک افضل ترین وہ ہے
جو سب سے زیادہ متقی ہو!" اے قبیلہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے میں
تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں! وہ کہنے لگے: بھلائی کا سلوک! آپ مہربان
بھائی ہیں اور مہربان بھائی کے فرزند ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: تو جاؤ تم
آزاد ہو!"

(۱۰)

خُطْبَتُہٗ بِالْخَیْفِ

(وَخَطَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّم بِالْخَیْفِ مِنْ مِنًی
، فَکَانَ مِمَّا قَالَ فِیْ خُطْبَتِہٖ تِلْکَ)[1]

"نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا ثُمَّ أَدَّاھَا إِلٰی مَنْ لَمْ
یَسْمَعْھَا، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ لَا فِقْہَ لَہٗ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ إِلٰی مَنْ
ھُوَ أَفْقَہُ مِنْہُ: ثَلَاثٌ لَا یَغِلُّ عَلَیْھِنَّ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ: إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰہِ،

[1] اعجاز القرآن ص ۱۱۲، جمہرۃ خطب العرب ۵۴/۱

وَالنَّصِیْحَۃُ لِأُوْلِی الْأَمْرِ، وَلُزُوْمُ الْجَمَاعَۃِ؛ إِنَّ دَعْوَتَھُمْ تَکُوْنُ
مِنْ وَّرَائِہٖ، وَمَنْ کَانَ ھَمُّہُ الْآخِرَۃَ جَمَعَ اللّٰہُ شَمْلَہٗ، وَجَعَلَ
غِنَاہُ فِیْ قَلْبِہٖ، وَأَتَتْہُ الدُّنْیَا وَھِیَ رَاغِمَۃٌ، وَمَنْ کَانَ ھَمُّہُ الدُّنْیَا
فَرَّقَ اللّٰہُ أَمْرَہٗ وَجَعَلَ فَقْرَہٗ بَیْنَ عَیْنَیْہِ وَلَمْ یَأْتِہٖ مِنَ الدُّنْیَا
إِلَّا مَا کُتِبَ لَہٗ۔"

ترجمہ: خیف میں آپؐ کا خطبہ

(منیٰ میں خیف کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ
ارشاد فرمایا تھا جس میں آپؐ نے یہ بھی کہا تھا)

"اللہ اس بندے کو تازگی بخشے جس نے میری بات سنی، اسے یاد کر لیا
پھر اسے اس تک پہنچا دیا جس نے یہ بات نہ سنی تھی، کیونکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے
کہ فقہ کا حامل سمجھ سے عاری ہوتا ہے، اور کوئی حامل فقہ اپنے سے زیادہ
سمجھ رکھنے والے سے رجوع کرتا ہے، تین باتیں ایسی ہیں جن پر قلب مومن کینے
کا شکار نہیں ہو سکتا: اللہ کے لئے مخلصانہ عمل، اہل حکومت کی خیر خواہی اور
جماعت کی پابندی ان کی دعا اس کے لیے ہوگی، جس کا
مقصد آخرت ہوگی اللہ تعالیٰ اسے دل جمی عطا کرے گا
اور اس کی تونگری کو اس کے دل سے وابستہ کر دے گا اور دنیا اس کے
پاس مجبور ہو کر خود آئے گی۔ جس کا مقصد دنیا ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے
معاملے کو انتشار سے دوچار کر دے گا۔ اس کا افلاس اس کی آنکھوں
میں ظاہر کر دے گا۔ اور دنیا میں سے تو اسے وہی کچھ ملے گا جو اس
کے لئے لکھا جا چکا ہے!"

(۱۱)

خُطْبَتُہٗ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ

(وَقَدْ رَوٰی ابْنُ إِسْحٰقَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

خرج إلى الحج لخمس ليال بقين من ذي القعدة فأرى الناس مناسكهم وأعلمهم سنن حجهم وخطب الناس خطبته التي بيّن فيها ما بيّن ثم قام بينهم خطيباً فقال[١]

"الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب إليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله. أوصيكم عباد الله بتقوى الله، وأحثكم على طاعته وأستفتح بالذي هو خير، أما بعد:-

أيها الناس! اسمعوا مني أبيّن لكم فإني لا أدري لعلي لا ألقاكم بعد عامي هذا في موقفي هذا، أيها الناس! إن دماءكم وأموالكم حرام عليكم إلى أن تلقوا ربكم كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا في بلدكم هذا۔

ألا هل بلغت؟ اللّٰهم اشهد!

فمن كانت عنده أمانة فليؤدها إلى الذي ائتمنه عليها، وإن ربا الجاهلية موضوع، وإن أول ربا أبدأ به ربا عمي العباس بن عبد المطلب، وإن دماء الجاهلية موضوعة، وإن أول دم نبدأ به دم عامر بن ربيعة بن الحارث بن عبد المطلب، وإن مآثر الجاهلية موضوعة غير السدانة والسقاية، والعمد قود، وشبه العمد ما قتل بالعصا والحجر، وفيه مائة

---

١ الروض الأنف (حاشية) ٣٥١/٢، البيان والتبيين ٣١/٢، الطبري ١٩٧/٣ ابن الأثير ١٢٦/٢، إعجاز القرآن للباقلاني ص ١١١، شرح نهج البلاغة ٤١/١، العقد الفريد ١٣٠/٢

بعير، فمن زاد فهو من الجاهلية۔

أيها الناس! إن الشيطان قد يئس أن يعبد في أرضكم هذه ولكنه قد رضي أن يطاع فيما سوى ذلك مما تحقرون من أعمالكم.

أيها الناس! إنما النسيء زيادة في الكفر يضل به الذين كفروا يحلونه عاماً ويحرمونه عاماً ليواطئوا عدة ما حرم الله فيحلوا ما حرم الله[١] وإن الزمان قد استدار كهيئته يوم خلق الله السماوات والأرض، إن عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهراً في كتاب الله يوم خلق السماوات والأرض منها أربعة حرم[٢] ثلاثة متواليات وواحد فرد، ذو القعدة وذو الحجة والمحرم، ورجب الذي بين جمادى وشعبان۔

ألا هل بلغت؟ اللّٰهم اشهد!

أيها الناس! إن لنسائكم عليكم حقاً، ولكم عليهن حق، لكم عليهن أن لا يوطئن فرشكم غيركم، ولا يدخلن أحداً تكرهونه بيوتكم إلا بإذنكم ولا يأتين بفاحشة مبينة، فإن فعلن فإن الله قد أذن لكم أن تعضلوهن وتهجروهن في المضاجع، وتضربوهن ضرباً غير مبرح، فإن انتهين وأطعنكم فعليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف، وإنما النساء عندكم عوان لا يملكن لأنفسهن شيئاً، أخذتموهن بأمانة الله، استحللتم فروجهن بكلمة الله، فاتقوا الله في النساء واستوصوا بهن خيراً۔

ألا هل بلغت؟ اللّٰهم اشهد

أيها الناس! إنما المؤمنون إخوة، ولا يحل لامرئ مسلم مال أخيه إلا عن طيب نفس منه، ألا هل بلغت؟ اللّٰهم اشهد!

---

١ توبة ٣٧/٩ ٢ توبة ٣٦/٩

لَا تَرْجِعُنَّ بَعْدِي كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، فَإِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ، كِتَابَ اللّٰهِ!

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، كُلُّكُمْ لِآدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ، أَكْرَمُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ، وَلَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوَى!

أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ!

قَالُوا: نَعَمْ، قَالَ: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ!

أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ لِكُلِّ وَارِثٍ نَصِيبَهُ مِنَ الْمِيرَاثِ، فَلَا تَجُوزُ لِوَارِثٍ وَصِيَّةٌ، وَلَا تَجُوزُ وَصِيَّةٌ فِي أَكْثَرَ مِنَ الثُّلُثِ، وَالْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ، مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ أَوْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ. وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ؛

ترجمہ: آپؐ کا خطبہ حجۃ الوداع

(ابن اسحاقؒ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ ذی القعدہ کو حج کے لئے روانہ ہوئے لوگوں کو مناسک بتائے اور حج کے مسائل سکھلائے، اور لوگوں کے سامنے اپنا وہ خطبہ دیا جس میں آپؐ نے وہ باتیں بیان کیں جنھیں واضح کرنا آپ نے ضروری خیال فرمایا، پھر آپؐ نے اس خطبے میں فرمایا۔)

"تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں، اسی سے مغفرت چاہتے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں، اپنے نفسوں کی برائیوں سے اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے

ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور جسے وہ گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں، اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی اطاعت کے لئے جوش دلاتا ہوں، میں اسی سے آغاز کرتا ہوں جو سراپا خیر ہے۔ اما بعد! اے لوگو! میری باتیں سن لو میں تمہارے سامنے بیان کرتا ہوں، کیونکہ مجھے معلوم نہیں شاید اس سال کے بعد اس جگہ پر میں تم کو نہ مل سکوں اے لوگو! تمہاری جان و مال تم پر حرام ہیں حتیٰ کہ تم اپنے رب سے مرنے کے بعد ملو، بالکل اسی طرح جس طرح تمہارا یہ دن تمہارے اس مہینے میں تمہارے اس شہر میں!

ہاں تو کیا میں نے اچھی طرح پہنچا دیا؟ اے اللہ! گواہ رہنا!

تو جس کے پاس امانت ہو وہ اس شخص کو واپس کر دی جائے جس نے وہ اس کے سپرد کی تھی۔ جاہلیت کا سود ختم کر دیا گیا ہے، اور سب سے پہلا سود جسے ختم کرنے سے میں آغاز کرتا ہوں میرے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود ہے۔ جاہلیت کے خون بھی ختم کئے جاتے ہیں، اور ہم جس خون سے آغاز کر رہے ہیں وہ عامر بن حارث بن عبدالمطلب کا خون ہے۔ زمانہ جاہلیت کی تمام فضیلتیں بھی ختم کر دی گئی ہیں سوائے خدمت بیت اللہ اور حجاج کو پانی پلانے کی فضیلت کے، قتل عمد میں قصاص ہے قتل عمد کے مشابہ وہ قتل ہے جو لاٹھی یا پتھر سے ہو، اس میں سو اونٹ ہیں، اس لئے اگر کسی نے اس پر اضافہ کیا تو وہ اہل جاہلیت میں سے ہے!

اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا کہ تمہاری اس سر زمین میں اس کی پرستش کی جائے، مگر وہ اس پر مطمئن ہو گیا ہے کہ اس کے علاوہ تمہارے اعمال کی حقیر سی باتوں میں اس کی بات مانی جاتی رہے گی! اے لوگو

مہینوں کا پیچھے کر دینا کفر میں بڑھ جانا ہے، اس سے کافر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ ایک سال تو اسے حلال قرار دیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام قرار دیتے ہیں، تاکہ ان مہینوں کی گنتی کے مطابق کر لیں جو اللہ نے حرام کیے ہیں، اور یوں جسے اللہ نے حرام کیا ہے اِسے حلال کر دیں۔ زمانے کا چکر تو اسی ہیئت کے مطابق ہو گیا جو اس دن تھی جب اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، اور اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جو اللہ کے نوشتے میں اس وقت سے ہیں جب اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ تین تو متواتر ہیں اور ایک الگ ہے: ذو القعدۃ، ذوالحجہ اور محرم کے علاوہ رجب جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔

ہاں تو کیا میں نے اچھی طرح پہنچا دیا ہے؟ اے میرے اللہ گواہ رہنا!

اے لوگو! تمہاری عورتوں کا تم پر حق ہے اور ان پر تمہارا بھی حق ہے۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر تمہارے سوا کسی کو نہ چڑھنے دیں، اور کسی ایسے شخص کو تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے گھروں میں نہ داخل کریں جسے تم ناپسند کرتے ہو صریح فحاشی کا ارتکاب نہ کریں، اگر وہ ایسا کریں تو پھر تمہیں اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ تم ان پر سختی کرو۔ بستروں میں ان سے الگ رہو، انہیں مارو مگر شدید تکلیف والی چوٹ نہ مارو؛ اگر وہ باز آ جائیں اور تمہاری فرماں بردار بن جائیں تو پھر تم پر ان کے لباس اور خوراک کی معروف طریقے پر ذمہ داری ہوگی، عورتیں تو تمہارے اختیار میں ہیں وہ اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں رکھتیں۔ انہیں تم نے اللہ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور انہیں اللہ کے حکم سے اپنے لئے حلال کیا ہے، تو اس لئے عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کی بھلائی کے لئے کوشاں رہنا!

کیا میں نے بات اچھی طرح پہنچا دی؟ اے میرے اللہ گواہ رہنا!

اے لوگو! مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی مسلمان آدمی کے لئے

اپنے بھائی کا مال حلال نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ وہ خوشی سے کچھ دے دے،

کیا میں نے بات اچھی طرح پہنچا دی؟ اے میرے اللہ! گواہ رہنا!

اور دیکھو میرے بعد دوبارہ کافر بن کر ایک دوسرے کی گردنیں مارنے میں نہ لگ جانا، کیونکہ میں نے تمہارے پاس ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے اسے تھام لیا تو اس کے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے، اور وہ ہے کتاب اللہ!

تو کیا میں نے اچھی طرح بات پہنچا دی؟ اے میرے اللہ! گواہ رہنا!

اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا متقی ہو، بلاشبہ اللہ علیم و خبیر ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔

کیا میں نے اچھی طرح بات پہنچا دی؟ اے میرے اللہ! گواہ رہنا!

لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے کہا تو حاضر اسکی اطلاع غائب کو پہنچا دے!

اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے میراث میں ہر وارث کا حصہ مقرر کر دیا ہے، اس لئے اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں، ایک تہائی سے زیادہ میں وصیت جائز نہیں، بچہ شوہر کی اولاد منصور ہوگا اور زانی کے لئے پتھر ہیں۔ جس نے خود کو اپنے باپ کے علاوہ کسی اور سے منسوب کیا یا اپنے آزاد کرنے والے آقاؤں کے سوا کسی اور کا مولیٰ ہونے کا دعویٰ کیا تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اس سے کوئی بدلہ یا معاوضہ قبول نہیں کیا جائے گا، اور تم پر سلامتی، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں!"

(۱۴)

خُطبَتہ فی مرض موتہ

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ الْعَبَّاسِ قَالَ: جَاءَنِي رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَجْتُ إِلَيْهِ فَوَجَدْتُهُ مَوْعُوكًا قَدْ عَصَبَ رَأْسَهُ

فَقَالَ: خُذْ بِيَدِي فَضْل، فَأَخَذْتُ بِيَدِهِ حَتَّى جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ
ثُمَّ قَالَ: نَادِ فِي النَّاسِ، فَاجْتَمَعُوا إِلَيْهِ فَقَالَ[1]
أَمَّا بَعْدُ: أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكُمُ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ،
وَإِنَّهُ قَدْ دَنَا مِنِّي خُفُوقٌ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِكُمْ، فَمَنْ كُنْتُ جَلَدْتُ لَهُ ظَهْرًا
فَهٰذَا ظَهْرِي فَلْيَسْتَقِدْ مِنْهُ، وَمَنْ كُنْتُ شَتَمْتُ لَهُ عِرْضًا فَهٰذَا عِرْضِي
فَلْيَسْتَقِدْ مِنْهُ. وَمَنْ أَخَذْتُ لَهُ مَالًا فَهٰذَا مَالِي فَلْيَأْخُذْ مِنْهُ، وَلَا يَخْشَ
الشَّحْنَاءَ مِنْ قِبَلِي فَإِنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ شَأْنِي، أَلَا وَإِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ مَنْ أَخَذَ
مِنِّي حَقًّا إِنْ كَانَ لَهُ، أَوْ حَلَّلَنِي فَلَقِيتُ رَبِّي وَأَنَا طَيِّبُ النَّفْسِ، وَقَدْ أَرَى
أَنَّ هٰذَا غَيْرُ مُغْنٍ عَنِّي حَتَّى أَقُومَ فِيكُمْ مِرَارًا!"

ترجمہ: **مرض الموت کے دوران آپؐ کا خطبہ**

فضل بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں باہر نکل کر آپ کے پاس گیا، میں نے دیکھا کہ کو بخار تھا سر پر پٹی باندھ رکھی تھی، مجھ سے فرمایا: فضل میرا ہاتھ پکڑو، میں نے آپ کا ہاتھ تھام لیا یہاں تک کہ آپ منبر پر بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ لوگوں کو بلاؤ، جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا۔

"اس کے بعد اے لوگو! میں تمہارے سامنے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تمہارے درمیان سے میرے کوچ کرنے کا وقت آگیا ہے سو اگر میں نے تم میں سے کسی کی کمر پہ مارا ہو تو میری کمر حاضر ہے وہ اپنا بدلہ لے سکتا ہے، اگر میں نے کسی کی بے عزتی کی ہو تو میری عزت حاضر ہے وہ اپنا بدلہ لے سکتا ہے، اگر میں نے کسی کا مال لیا ہے تو یہ میرا مال حاضر ہے اس میں سے اپنا حق لے لے، میری جانب سے کسی قسم کے بغض یا کینے کا اسے ڈر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ میری عادت ہی نہیں ہے! دیکھو تم میں سے مجھے سب سے زیادہ

[1] الطبری ۱۹۱/۲، ابن الاثیر ۱۵۴/۲، جمہرۃ خطب العرب ۶۰/۱

پسند وہ شخص ہے جو مجھ سے اپنا حق لے لے، بشرطیکہ یہ اس کا حق ہو، یا مجھے معاف کر دے تاکہ میں اپنے پروردگار کے حضور اطمینان سے پیش ہو سکوں! مجھے یوں لگتا ہے کہ شاید دو ایک بار بات کرنا کافی نہ ہو اور مجھے تمہارے درمیان کئی مرتبہ اس طرح کھڑا ہونا پڑے۔"

اس کے بعد آپ منبر سے اُترے، عصر کی نماز ادا کی پھر دوبارہ منبر پر آئے اور پہلی بات کو دہرایا، ایک شخص نے تین درہم کا دعوی کیا تو آپ نے اسے ادا کیا پھر فرمایا۔

"أَيُّهَا النَّاسُ! مَنْ كَانَ عِنْدَهُ شَيْءٌ فَلْيُؤَدِّهِ، وَلَا يَقُلْ فُضُوحَ الدُّنْيَا، أَلَا وَإِنَّ فُضُوحَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ فُضُوحِ الْآخِرَةِ"

ترجمہ: اے لوگو! جس کے پاس کسی کی کوئی شئی ہو تو اسے ادا کر دے اور یہ نہ کہے کہ دنیا کے سامنے رسوائی ہو گی کیونکہ آخرت کی رسوائی کے مقابلے میں دنیا کی رسوائی آسان تر ہے!"

اس کے بعد آپؐ نے شہداءِ احد کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے مغفرت طلب کی، پھر فرمایا:

"إِنَّ عَبْدًا خَيَّرَهُ اللهُ بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهُ"

اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیا اور اللہ کے حضور میں باریابی میں سے کسی کو چن لے چنانچہ بندے نے اللہ کے حضور کو چن لیا ہے۔"

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے: "ہماری جانیں اور ہمارے آباء آپ پر فدا ہوں!"

---

(۱۳)

خُطْبَتُهُ فِی زِوَاجِ فَاطِمَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا

(وَخَطَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی زِوَاجِ ابْنَتِهِ
فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَالَ[1]):

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْمَحْمُوْدِ بِنِعْمَتِهِ الْمَعْبُوْدِ بِقُدْرَتِهِ، الْمَرْهُوْبِ مِنْ
عَذَابِهِ، الْمَرْغُوْبِ فِیْمَا عِنْدَهُ، اَلنَّافِذِ أَمْرُهُ فِی سَمَائِهِ وَأَرْضِهِ،
الَّذِی خَلَقَ الْخَلْقَ بِقُدْرَتِهِ، وَمَیَّزَهُمْ بِأَحْکَامِهِ وَأَعَزَّهُمْ بِدِیْنِهِ
وَأَکْرَمَهُمْ بِنَبِیِّهِ مُحَمَّدٍ صلی اللّٰه علیه؛ ثُمَّ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی جَعَلَ الْمُصَاهَرَةَ
نَسَبًا لَاحِقًا وَأَمْرًا مُفْتَرَضًا، وَوَشَّجَ بِهِ الْأَرْحَامَ وَأَلْزَمَهُ الْأَنَامَ؛
قَالَ تَبَارَكَ اسْمُهُ وَتَعَالٰی ذِکْرُهُ[2]، وَهُوَ الَّذِی خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا
فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَکَانَ رَبُّکَ قَدِیْرًا.
فَأَمْرُ اللّٰهِ یَجْرِی إِلٰی قَضَائِهِ وَلِکُلِّ قَضَاءٍ قَدَرٌ وَلِکُلِّ
قَدَرٍ أَجَلٌ، یَمْحُو اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْکِتٰبِ[3]
ثُمَّ أَنَّ رَبِّی أَمَرَنِی أَنْ أُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِیِّ بْنِ أَبِی طَالِبٍ، وَقَدْ
زَوَّجْتُهَا إِیَّاهُ عَلٰی أَرْبَعِمِائَةِ مِثْقَالِ فِضَّةٍ، إِنْ رَضِیَ بِذٰلِکَ عَلِیٌّ!»

ترجمہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی پر آپؐ کا خطبہ

«تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو اپنی نعمتوں کے سبب قابلِ ستائش اور اپنی قدرت کے طفیل قابلِ پرستش ہے، جس کے عذاب سے ڈرا جاتا ہے اور جس کے حضور میں باریابی کی خواہش کی جاتی ہے، جس کا حکم اس کے آسمان اور زمین پر نافذ ہے، وہ جس نے اپنی قدرت سے مخلوق پیدا کی، اسے اپنے احکام سے ممتاز کیا۔ اپنے دین سے عزت بخشی اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل بزرگی عطا کی! پھر اللہ تعالیٰ نے رشتۂ مصاہرت (خسر داماد

---

[1] جمہرۃ خطب العرب ۳/۲۹۰ [2] الفرقان ۲۵/۵۴
[3] الرعد ۱۳/۳۹

بنانے) کو بھی نسب کا درجہ دیا اور اسے ایک امرِ فرض قرار دیا، اس کے طفیل رحموں کو جوڑا اور اسے مخلوق کے لئے لازم ٹھہرایا اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے: "اللہ وہ ذات ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، پھر اسے نسب اور مصاہرت سے شرف عطا کیا، اور تیرا رب تو قدرت والا ہے!"
چنانچہ اللہ کا حکم اس کی قضاء کے مطابق جاری و ساری ہے، ہر قضاء کی ایک قدر اور ہر قدر کے لئے ایک اجل (وقت) مقرر ہے: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے، ام الکتاب (لوحِ محفوظ) اسی کے پاس ہے! پھر یہ کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؓ کو علیؓ کے عقد میں دے دوں، میں نے فاطمہؓ کو چار سو مثقال چاندی حق مہر کے عوض علیؓ کی زوجیت میں دے دیا ہے، اگر علیؓ اس پر راضی ہوں!"

مکتوباتِ نبویؐ

مکتوباتِ نبویؐ

جس طرح معمول کی گفتار، روزمرہ زندگی کے مسائل پر گفتگو اور خطبات و تقاریر کسی شخصیت کے علم و فضل، فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی کا پتہ دیتی ہیں اسی طرح مکاتیب و رسائل کا اسلوب بیان بھی انسانی شخصیت کے آئینے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح روزمرہ کی گفتار اور خطابت میں اپنے مخاطبین کی ذہنی صلاحیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف مواقع پر مختلف و متنوع اسلوب اختیار کرنا ہوتا ہے اسی طرح مکتوبات میں بھی تخاطب کا انداز متفاوت و مختلف ہوتا رہتا ہے، بات کی توضیح و تفہیم کے لئے موزوں الفاظ و کلمات کے ساتھ ساتھ مناسب اسلوب اظہار و تعبیر بھی درکار ہوتا ہے۔ الفاظ کی یہی نشست اور اسلوب تعبیر کی یہی موزونیت دراصل شخصیت کا ایک آئینہ ہوتا ہے جس میں اس کے دل کی گہرائیاں، زبان کی شیرینی اور خفتہ و پنہاں خصائص و صلاحیتیں جھلکتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

سید الکونین افصح العرب والعجم نبی امی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جوامع الکلم و خطبات کی طرح آپ کے مکتوبات و رسائل بھی ایک منفرد اسلوب بیان رکھتے ہیں، جسے سہل ممتنع کہا جا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے عہد میمون میں جو مکتوبات مختلف مواقع کی مناسبت سے املاء کرائے تھے وہ بھی جوامع الکلم اور خطبات بلاغت کی صف میں آتے ہیں اور فصاحت و بلاغت کی ایک اعلیٰ و اجمل مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ و سلیس ہے مگر حسن معنی

کے ساتھ ساتھ جمال لفظی بھی رکھتا ہے۔

تاریخ انسانی میں چشم فلک نے پہلی بار صحراء کے ایک کملی پوش کو بیک وقت تمام روئے زمین کے بادشاہوں، حکمرانوں اور اقوام کو مخاطب کرتے ہوئے دیکھا، یہ واقعہ بلاشبہ ایک محیر العقول واقعہ ہے اور اپنے اندر عبرت و موعظت بھی لئے ہوئے ہے۔ سنہ ۶ ہجری میں ایک داعی حق جس کی دعوت اپنے گہوارۂ اصلی میں گوناگوں خطرات میں گھری ہوئی ہے، اور وہاں کی ساری آبادی کو بھی ابھی اپنا حلقہ بگوش نہیں بنا سکی، اس کا شام و عراق اور حبشہ و مصر کے بادشاہوں کے علاوہ اپنے وقت میں مشرق و مغرب کے دو جابر و پرہیبت شہنشاہوں کو اپنے دین یا نظریہ حیات کا حلقہ بگوش ہونے کی دعوت دینا اور أَسْلِمْ تَسْلَمْ (تیری سلامتی اسی میں ہے کہ اسلام قبول کرلے) کے الفاظ سے خطاب کرنا تاریخ کا ایک معجزہ نہیں تو اور کیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ قلیل سے عرصہ میں ان سب کا اس داعی حق کے پیروکاروں کے قدموں میں آرہنا اور اس کی دعاؤں اور پیشین گوئیوں کا حرف بحرف پورا ہوجانا عبرت و موعظت نہیں تو اور کیا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ یہ مکتوبات نبوی فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ و ارفع اور حسین و جمیل نمونے ہونے سے کہیں زیادہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی اور صداقت کی دلیل ہیں!! یہ خطوط جہاں ان لوگوں کے خلاف برہان قاطع اور دلیل مسکت ہیں جو عمومیت نبوت محمدی کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ تو صرف عربوں کے لئے ہادی بن کر آئے تھے وہاں اپنے مشن پر غیر متزلزل ایمان اور اپنے منصب سے غیر معمولی لگاؤ کا بھی پتہ دیتے ہیں، داعی حق حوصلہ شکن اور ناسازگار حالات کی پروا نہیں کرتا بلکہ اسے تو صرف انسانیت کو قبول حق کی عمومی دعوت دینا ہے کہ مبادا داعی اجل پیغام وصال لیکر پہنچ جائے اور دعوت عامہ کا مشن خدانخواستہ نامکمل رہ جائے!

ان مکتوباتِ نبوی میں تنوع بھی موجود ہے، ان میں سے کچھ تو اس
عہد کے عظیم و پرہیبت شہنشاہوں کے نام ہیں جن میں اہلِ کتاب کے علاوہ
مشرک بھی تھے، بعض خطوط عرب کے بادشاہوں، راجاؤں اور سردارانِ قبائل
کے نام ہیں بعض جھوٹے مدعیانِ نبوت کو بھی تحریر کئے گئے۔ اسی طرح بعض قبائل
عرب کے مسلم و غیر مسلم قبائل کے نام ہیں۔ اور کچھ مکتوبات آپ نے اپنے
صحابہ کرامؓ اور مسلم عمائدین و سپہ سالاروں کو لکھے تھے مگر ان سب مکتوبات کا
اسلوب اور اندازِ تخاطب جدا جدا ہے، آپؐ کا فرمان تھا۔ "کَلِّمُوا النَّاسَ
عَلیٰ قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ (لوگوں سے ان کی ذہنی سطح کے مطابق بات کرو)
آپؐ نے اس پر حرف بحرف عمل بھی فرمایا، جوامع الکلم اور خطبات کی طرح
مکتوبات و رسائل میں بھی آپؐ نے اپنے مخاطبین کے مرتبے اور مقام کے علاوہ
ان کی ذہنی سطح کو بھی ہر جگہ پیشِ نظر رکھا۔

عربی زبان میں مکتوبات و رسائل کی بنیاد اوّل رکھنے کا شرف بھی پیغمبر اسلامؐ
کو حاصل ہے مگر اسلوب مکتوب نگاری کو اوج پر پہنچانے والے اور فنی طریقہ
ایجاد کرنے والے بھی آپ ہی ہیں، کہا جاتا ہے کہ کوئی بانی کسی فن کو کمال تک
نہیں پہنچا پاتا کہ وہ تو صرف بانی اور موجد ہوتا ہے مگر یہاں تو بات ہی صاحب
قاب قوسین اور وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى کی ہے زبانِ نبوت نے جو رسائل و
مکتوبات املا کرائے وہ آج بھی عربی انشاء پردازی کا اعلیٰ و اجمل نمونہ ہیں،
آپ نے جو طریقہ مکتوب نگاری اور طرزِ تخاطب اختیار فرمایا اس پر عرب کے
فصحاء و بلغاء کوئی اضافہ نہ کر سکے!

"بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے خط کا آغاز کرنے کی طرح بھی آپ ہی نے
ڈالی، پھر "مِنْ فُلَانٍ اِلٰی فُلَانٍ" (فلاں کی طرف سے فلاں کے نام) اور
"اَمَّا بَعْدُ" لکھنے کا آغاز بھی آپ ہی نے فرمایا تھا، القاب، پروٹوکول
کے آداب اور مخاطب کے اصول تو بعد میں وضع ہوئے مگر آپؐ کے مکتوبات

میں یہ چیز پہلے سے ہی موجود ہے۔ آپؐ شاہ مصر کو خطاب کرتے ہیں تو اسے
"عظیم القبط" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، شہنشاہ روما سے مخاطب ہوتے
ہوتے ہیں تو اسے "عظیم الروم" سے خطاب فرماتے ہیں۔ کسریٰ ایران کو خط
لکھتے ہیں تو اسے "عظیم الفرس" کہہ کر مخاطب فرماتے ہیں مگر اَسْلِمْ تَسْلَمْ
کا خطاب سب سے ہے،

اہلِ کتاب کے بادشاہوں کو کلمہ توحید پر اکٹھا ہونے کی دعوت دیتے ہیں،
اگر وہ دعوت قبول کریں تو دوگنا اجر کا وعدہ ہوتا ہے اور اگر انکار کریں تو رعایا
کے کفر و انکار کے ذمہ دار ٹھہرائے جاتے ہیں، اہلِ کتاب بادشاہوں کے
نام مکتوبات میں سخت اور زوردار انداز میں کفر و شرک کی وہ تحقیر نہیں جو مشرک
اور آتش پرست بادشاہوں کے نام خطوط میں ملتی ہے، سب سے نرم اور
پُرلطف لہجہ اس مکتوب کا ہے جو نجاشی شاہ حبشہ کے نام ہے، اس میں حضرت
مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے مرتبہ کے علاوہ توحید کی دعوت دی گئی ہے جسے
بادشاہ قبول کرتے ہوئے اسلام کا حلقہ بگوش بن جاتا ہے۔

آپؐ کے مکتوبات کے اسلوب میں قرآن کریم کا اثر نمایاں نظر آتا ہے، اکثر
خطوط میں آیاتِ قرآنی کی تلمیح اور اقتباسات موجود ہیں۔ مسیلمہ کذاب کو جو خط
لکھا گیا وہ تو صرف ایک قرآنی آیت ہے اور نہایت برمحل و موزوں نظر آتی
ہے، شاید اس کا کوئی اور جواب ممکن ہی نہ تھا! آپؐ اپنے نام کے ساتھ ہمیشہ
"رسول اللہ" یا "عبد اللہ و رسولہ"، لازمی لکھواتے تھے، غیر مسلموں کو "سَلَامٌ
عَلیٰ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدیٰ" سے اور مسلمانوں کو "سَلَامٌ عَلَيْكَ" سے خطاب
کرتے، اگر خط مسلمانوں کے نام ہوتا تو اختتام پر "والسلام علیکم ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ" لکھتے، مکتوبات میں متعلقہ قبیلے کے لہجے اور مقامی بولی کے الفاظ بھی
استعمال کرتے۔ (دیکھئے خط بنام وائل بن حجر)

خط بھیجنے کے لئے سفراء، قاصدین اور نامہ بروں کے انتخاب میں بھی

آپ مرتبع اور مناسبت کو ملحوظ رکھتے تھے، آپ کے پاس جو قاصد اور نامہ برآتے ان کی بھلائی کا بھی خیال کرتے تھے، آپ نے حضرت معاذ بن جبل کو ان کے بیٹے کی وفات پر تعزیت کا جو خط لکھا تھا وہ اس موضوع پر لکھے جانے والے خطوط کیلئے سنگ میل ہے!

نمونہ خطوط

(۱)

إلى المقوقس عظيم القبط

وَكَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَدْ بَعَثَ حَاطِبَ بْنَ أَبِي بَلْتَعَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلَى الْمُقَوْقِسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ سَنَةَ سِتٍّ مِنْ هِجْرَتِهِ وَبَعَثَ مَعَهُ كِتَابًا يَدْعُوهُ إِلَى الْإِسْلَامِ وَيَقُولُ فِيهِ[1]

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى الْمُقَوْقِسِ عَظِيمِ الْقِبْطِ، سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ إِثْمُ الْقِبْطِ وَ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ، أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ[2]!"

(وقال صاحب صبح الأعشى[3]: إِنَّ كِتَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إلى المقوقس قَدْ كَانَ بِخَطِّ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رضي الله عنه وَأَنَّ فِيهِ)

---

[1] الروض الأنف ۲/۳۵۲، الزرقانی ۳/۳۹۷، السیرۃ الحلبیۃ ۲/۳۴۷، المقریزی ۱/۲۹، حسن المحاضرۃ ۱/۴۲، صبح الاعشی ۶/۳۷۸، جمہرہ رسائل العرب ۱/۳۹

[2] آل عمران (۳/۶۴) [3] صبح الاعشی ۶/۳۶۶

"مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى صَاحِبِ مِصْرَ، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ اللّٰهَ أَرْسَلَنِي رَسُولًا وَأَنْزَلَ عَلَيَّ قُرْآنًا وَأَمَرَنِي بِالْإِعْذَارِ وَالْإِنْذَارِ وَمُقَاتَلَةِ الْكُفَّارِ حَتَّى يَدِينُوا بِدِينِي وَيَدْخُلَ النَّاسُ فِي مِلَّتِي، وَقَدْ دَعَوْتُكَ إِلَى الْإِقْرَارِ بِوَحْدَانِيَّتِهِ فَإِنْ فَعَلْتَ سَعِدْتَ وَإِنْ أَبَيْتَ شَقِيتَ، وَالسَّلَامُ!"

ترجمہ: **مقوقس عظیم قبط جریج بن مینا کے نام**

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو مقوقس عظیم قبط کے پاس ۶ ہجری میں ایک خط دیکر بھیجا تھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی تھی)

"اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مقوقس عظیم قبط کے نام، اس پر سلام ہو جو راہ حق کی پیروی کرے[1]، اس کے بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کرے سلامت رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر دے گا، اگر تو نے انکار کیا تو قبطیوں کا گناہ بھی تجھی پر ہوگا! اور اہل کتاب! آؤ ایک بات پر اکٹھے ہو جاتے ہیں جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں، اور ہم ایک دوسرے کو اللہ کے علاوہ اپنا معبود نہ بنالیں، سو اگر وہ پھر جائیں تو تم کہدو کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان و اطاعت گزار بن گئے ہیں!"

(صبح الاعشیٰ کے مصنف کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقوقس کے نام یہ خط حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قلم سے لکھا گیا تھا اور اس میں آپ نے لکھا تھا کہ)

---

[1] ہو سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مکتوب گرامی میں سورہ طٰہٰ (۲۰/۴۷) کی اس آیت کی طرف تلمیح ہو جو زبان موسیٰ سے فرعون کے دربار میں ادا ہوئی تھی کہ "والسلام علی من اتبع الھدی"!

"محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے صاحب مصر کے نام،

تمہیں معلوم ہو کہ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے اور مجھ پر قرآن مجید نازل کیا ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں حجت پوری کر دوں اور لوگوں کو خبردار کر دوں، اور کافروں سے جہاد کرتا رہوں حتیٰ کہ وہ میرا دین قبول کر لیں اور لوگ میرے دین میں شامل ہو جائیں، میں نے تمہیں اللہ کی وحدانیت کے اقرار کی دعوت دی ہے، تو اگر تم نے یہ بات مان لی تو سعادتمند بن جاؤ گے، والسلام!"

کتب سیرت وتاریخ میں مذکور ہے کہ مقوقس نے حضرت حاطبؓ کا اکرام کیا، انعامات سے نوازا، سو دینار اور پانچ جوڑے کپڑے پیش کئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو لڑکیاں — ماریہ والدہ ابراہیم اور سیرین جو دونوں بہنیں تھیں — بیس جوڑے کپڑے، مصر کے شہر بنہا کا مشہور زمانہ شہد اور ایک طبیب بھی ارسال کیا تھا مگر وہ اسلام کی دولت سے محروم ہی رہا۔

(۲)

إلى هِرَقْلَ مَلِكِ الرُّوْمِ

(وكان النبي صلى الله عليه وسلم قد بعث دِحْيَةَ بن خَلِيفَةَ الكلبي إلى هِرَقْلَ قيصرِ الروم سنةَ ستٍّ بكتابٍ يدعوه فيه إلى الإسلام وهذا نصُّ رسالتِه صلى الله عليه وسلم)

"بسم الله الرحمن الرحيم، من محمدٍ عبدِ الله ورسولِه إلى هِرَقْلَ عظيمِ الروم، سلامٌ على من اتَّبَعَ الهُدى۔ أما بعدُ، فإني أدعوك بدِعايةِ الإسلام، أسْلِمْ تَسْلَمْ، أسْلِمْ يُؤْتِكَ اللهُ أجرَك مرتين فإن تولَّيتَ فإنما عليك إثمُ الأَرِيسِيِّين، ويا أهلَ

[۱] البخاری ۱: ۵، مسلم ۵: ۱۶۵، السیرۃ الحلبیۃ ۲: ۳۶۶، الطبری ۳: ۸۷، ابن الاثیر ۲: ۸۱، الزرقانی ۳: ۳۸۴، الاغانی ۶: ۹۳، صبح الاعشیٰ ۶: ۳۷۶

الكتابِ تعالَوا إلى كلمةٍ سواءٍ بيننا وبينكم ألّا نعبدَ إلا اللهَ ولا نُشرِكَ به شيئاً ولا يتَّخِذَ بعضُنا بعضاً أرباباً من دونِ الله فإن تولَّوا فقولوا اشهدوا بأنّا مسلمون۔[۱]

وذكر أبو عبيد القاسم بن سلام الهروي أن كتابَ النبي صلى الله عليه وسلم إلى هِرَقْلَ قيصرِ الروم كان فيه ما نصُّه:[۲]

"من محمدٍ رسولِ الله إلى صاحبِ الروم، إني أدعوك إلى الإسلام، فإن أسلمتَ فلك ما للمسلمين وعليك ما عليهم، وإن لم تدخلْ في الإسلام فأعطِ الجزيةَ، فإن الله تعالى يقول:[۳] قاتِلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يُحرِّمون ما حرَّم اللهُ ورسولُه ولا يَدِينون دينَ الحقِّ من الذين أُوتوا الكتابَ حتى يُعطوا الجزيةَ عن يدٍ وهم صاغرون" وإلا فلا تَحُلْ بين الفلّاحين وبين الإسلام أن يدخلوا فيه أو يُعطوا الجزيةَ"۔

ترجمہ: **ہرقل شاہ روم کے نام**

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ کو سنہ ۶ھ میں ہرقل شاہ روم کے پاس ایک خط دے کر بھیجا تھا جس میں آپ نے اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی۔ آپ کے خط کا متن یہ ہے:

اللہ کے نام سے جو رحمن ورحیم ہے، محمد اللہ کے بندے اور رسول کی طرف سے ہرقل عظیم روم کے نام، اس پر سلام جو راہ ہدایت کی پیروی کرے اما بعد میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لے سلامت رہے گا اسلام لے آ اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر دے گا، اگر تو نے منہ موڑا تو پھر تیری

[۱] آل عمران (۳: ۶۴) [۲] الاموال [۳] التوبۃ (۹: ۲۹)

رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہی ہوگا اور اے اہل کتاب! آؤ ایک بات پر جمع ہو جائیں
جو ہم میں تم میں مشترک ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ
کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، ہم اللہ کے علاوہ ایک دوسرے کو معبود نہ بنائیں، تو
اگر یہ اہل کتاب برگشتہ ہو جائیں تو تم کہہ دو کہ گواہ رہنا، ہم تو مسلمان ہیں!"

(ابو عبید قاسم بن سلام ہروی نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہرقل قیصر روم کو جو خط لکھا تھا اس میں یہ لکھا تھا کہ)

"محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے صاحب روم کے
نام، میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، سو اگر تو نے اسلام قبول کر لیا تو تیرے
حقوق و فرائض وہی ہوں گے جو اہل اسلام کے ہیں اور اگر تو حلقہ اسلام میں
داخل نہیں ہوتا تو جزیہ ادا کر کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ان لوگوں سے
جہاد کرو جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان چیزوں کو حرام نہیں
جانتے جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں، وہ دین حق کی اطاعت نہیں
کرتے اور ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ
پست ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں بصورت دیگر کسانوں اور اسلام
کے درمیان رکاوٹ نہ بن کہ وہ مسلمان ہوں یا جزیہ دیں!"

(۳)

إلى كسرى ملك الفرس

(وأما كتابه صلى الله عليه وسلم إلى كسرى برويز ملك الفرس فحمله إليه عبد الله بن حذافة السهمي سنة ست وهذا نصه)

(۱) اعجاز القرآن للباقلانی ص ۱۱۳، الزرقانی ۳: ۳۸۹، السیرۃ الحلبیۃ ۲: ۲۹۸، الطبری ۳: ۹۰، ابن الاثیر ۲: ۸۱، صبح الاعشی ۶: ۳۷۷، جمہرۃ رسائل العرب ۱: ۳۵۔

"بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى كسرى عظيم فارس، سلام على من اتبع الهدى، وآمن بالله ورسوله وشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له، وأن محمدا عبده ورسوله، أدعوك بدعاية الله عز وجل، فإني أنا رسول الله إلى الناس كافة لأنذر من كان حيا ويحق القول على الكافرين، أسلم تسلم، فإن أبيت فعليك إثم المجوس"

ويصرح الرواة والمؤرخون بأن كسرى لما قرأ الكتاب غضب ومزقه قائلا: أيكتب إلي هذا وهو عبدي!! فقال الرسول صلى الله عليه وسلم حين بلغه ذلك: "مزق ملكه" وقد فعل!!۔

ترجمہ: کسریٰ شاہ فارس کے نام

(جو خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ پرویز شاہ فارس کے نام
بھیجا تھا وہ سنہ ۶ ہجری میں حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ لے کر گئے تھے جس کا
متن یوں ہے:)

"اللہ رحمن و رحیم کے نام سے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب
سے کسریٰ عظیم فارس کے نام، سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت کی پیروی کرے
اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی
معبود نہیں ہے، وہ وحدہٗ لاشریک ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے
بندے اور رسول ہیں، میں تجھے اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں، کیونکہ میں
اللہ کا رسول ہوں، جو تمام انسانوں کی طرف مبعوث ہوا ہے، تاکہ میں ان
لوگوں کو ڈراؤں جن میں جان ہے، اور کافروں پر حجت پوری ہو جائے۔
اسلام قبول کر لے، سلامت رہے گا، اور اگر تو نے روگردانی کی تو پھر سارے

(۱) یٰس (۳۶: ۷۰)

مجوسیوں کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا"!

تاریخ میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ کسریٰ نے جب آپ کا خط پڑھا تو غصے میں یہ کہتے ہوئے اسے پھاڑ ڈالا کہ "میرا غلام ہو کر مجھے یہ لکھتا ہے!؟"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: اس نے اپنی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور ایسا ہی کیا!!

(۴)

إِلَى النَّجَاشِيِّ مَلِكِ الْحَبَشَةِ

وَبَعَثَ الرَّسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمْرَو بْنَ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيَّ إِلَى النَّجَاشِيِّ مَلِكِ الْحَبَشَةِ سَنَةَ سِتٍّ وَبَعَثَ مَعَهُ كِتَابًا قَالَ فِيهِ:[1]

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ مَلِكِ الْحَبَشَةِ، سَلْمٌ أَنْتَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيسَى بْنَ مَرْيَمَ رُوحُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ الْبَتُولِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ، فَحَمَلَتْ بِعِيسَى، حَمَلَتْهُ مِنْ رُوحِهِ وَنَفْخِهِ، كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهِ وَنَفْخِهِ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالْمُوَالَاةِ عَلَى طَاعَتِهِ وَأَنْ تَتَّبِعَنِي وَتُؤْمِنَ بِالَّذِي جَاءَنِي فَإِنِّي رَسُولُ اللهِ، وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكَ ابْنَ عَمِّي جَعْفَرًا وَنَفَرًا مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِذَا جَاءَكَ فَأَقْرِهِمْ وَدَعِ التَّجَبُّرَ وَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجُنُودَكَ إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ فَاقْبَلُوا نُصْحِي، وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى"

[1] اعجاز القرآن ص ۱۱۳، أسد الغابة ۱: ۶۲، الزرقانی ۳: ۲۹۳، الطبری ۳: ۸۹، السیرة الحلبیة ۲: ۳۶۹، صبح الأعشی ۶: ۳۷۹، جمهرة رسائل العرب ۱: ۳۶۔

ترجمہ: نجاشی شاہ حبشہ کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ سنہ ہجری میں حضرت عمرو بن امیہ ضمری کو ایک خط دے کر نجاشی شاہ حبشہ کے پاس بھیجا جس میں آپ نے فرمایا:-

"اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے نجاشی اصحم شاہ حبشہ کے نام، تو تو امن و سلامتی والا ہے اس لئے میں تیرے پاس اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی صاحب اقتدار، پاک ذات، سرچشمۂ سلامتی، امان دینے والا، پناہ میں لینے والا ہے؛ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم بتول کو عطا کیا تھا، وہ مریم جو پاکیزہ و پاک دامن تھیں چنانچہ وہ عیسیٰؑ کو پیٹ میں لئے پھریں، یہ حمل انہیں اللہ کی روح اور نفخ سے ہوا جس طرح کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق فرمایا تھا اور ان کے جسد میں نفخ روح فرمایا تھا۔ میں تجھے اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلاتا ہوں اور اس کی اطاعت پر دوستی و مودت کی دعوت دیتا ہوں، تاکہ تو میری پیروی کرے اور جو کچھ مجھ پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لے آ، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں، میں اپنے چچا زاد بھائی جعفر کو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ہمراہ بھیج رہا ہوں، جب وہ تیرے پاس آئیں ان کی مہمان نوازی کرنا، تکبر نہ کرنا، میں تجھے اور تیرے لاؤ لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے اور خیر خواہی کا کام کر دیا ہے اس لئے میری نصیحت قبول کر لو، اور سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت کی پیروی کرے!

نجاشی نے دعوت اسلام قبول کرتے ہوئے اپنے بیٹے کے ہمراہ ایک وفد دربار نبوت میں روانہ کیا اور مؤدبانہ انداز میں خط کا جواب دیتے ہوئے اپنے ایمان و اسلام کا بھی اعلان کیا، جب وہ فوت ہوئے تو آپ نے ان کی غائبانہ

نمازِ جنازہ پڑھائی تھی۔

(۵)

إلى الحارث بن أبي شمر الغساني صاحب دمشق

وكان النبيّ صلى الله عليه وسلم قد بعث شجاع بن وهب الأسدي إلى الحارث بن أبي شمر الغساني صاحب دمشق من قبل قيصر الروم، وذلك سنة ستٍ من هجرته وبعث معه كتابا قال فيه:[1]

"بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى الحارث بن أبي شمر، سلام على من اتبع الهدى، وآمن بالله وصدق، وإني أدعوك أن تؤمن بالله وحده لا شريك له، يبقى لك ملكك."

ويروى أن الحارث لما قرأ الكتاب رمى به وقال: "من ينزع مني ملكي؟! أنا سائر إليه" فقال النبي صلى الله عليه وسلم لما بلغه قوله: "باد ملكه!" ومنعه قيصر عن عزمه.

ترجمہ: حارث بن ابی شمر غسانی صاحب دمشق کے نام

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شجاع بن وہب اسدی کو ۶ھ ہجری میں ایک خط دیکر حارث بن ابی شمر غسانی دمشق کے رومی حکمران کے پاس بھیجا جس میں آپ نے فرمایا۔

"اللہ کے نام سے جو مہربان بے حد رحمت والا ہے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام: اس پر سلام ہو جو راہِ ہدایت کا اتباع کرے۔ اللہ پر ایمان لائے اور تصدیق کرے میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ تو اللہ وحدہٗ لاشریک پر ایمان لا تیری حکمرانی باقی رہے گی!

مروی ہے کہ حارث نے جب خط پڑھا تو اسے پھینک دیا اور بولا!

[1] السیرۃ الحلبیۃ ۲: ۳۷۶، شرح الزرقانی ۳: ۴۰۸، الطبری ۳: ۸۸

کون ہے جو مجھ سے حکمرانی چھینے!؟" میں ان (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جا رہا ہوں!" جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا تھا: "اس کی حکمرانی نابود ہو گئی!" قیصر روم نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔)

(۶)

إلى المنذر بن ساوى ملك البحرين

وبعث الرسول صلى الله عليه وسلم العلاء بن الحضرمي إلى المنذر بن ساوى العبدي صاحب البحرين من قبل الفرس سنة ست من الهجرة وبعث معه كتابا قال فيه:[1]

"بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى المنذر بن ساوى العبدي صاحب البحرين، سلم أنت، فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد: فإن من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا، فذلك المسلم، له ذمة الله وذمة رسوله فمن أحب ذلك من المجوس فإنه آمن ومن أبى فعليه الجزية."

فأسلم المنذر وكتب إلى النبي صلى الله عليه وسلم يقول:

"أما بعد يا رسول الله، فإني قرأت كتابك على أهل البحرين فمنهم من أحب الإسلام وأعجبه ودخل فيه، ومنهم من كرهه، وبأرضي مجوس ويهود فأحدث لي في ذلك أمرك."

فكتب إليه الرسول صلى الله عليه وسلم:

"بسم الله الرحمن الرحيم" من محمد رسول الله إلى المنذر بن ساوى، سلام عليك فإني أحمد إليك الله الذي

[1] شرح الزرقانی ۳: ۳۰۲، الاصابۃ ۶: ۱۵۹، اسد الغابۃ ۴: ۴۱۷۔
فتوح البلدان ص ۸۸، کتاب الخراج لأبی یوسف ص ۱۵۶، جمھرۃ رسائل العرب ۱: ۴۱، صبح الاعشی ۶: ۳۷۶، السیرۃ الحلبیۃ ۲: ۲۷۴

لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّيْ أُذَكِّرُكَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَّنْصَحْ فَإِنَّمَا يَنْصَحُ لِنَفْسِهٖ، وَإِنَّهُ مَنْ يُّطِعْ رُسُلِيْ وَيَتَّبِعْ أَمْرَهُمْ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ، وَمَنْ نَّصَحَ لَهُمْ فَقَدْ نَصَحَ لِيْ، وَإِنَّ رُسُلِيْ قَدْ أَثْنَوْا عَلَيْكَ خَيْرًا، وَإِنِّيْ قَدْ شَفَّعْتُكَ فِيْ قَوْمِكَ فَاتْرُكْ لِلْمُسْلِمِيْنَ مَا أَسْلَمُوْا عَلَيْهِ وَعَفَوْتُ عَنْ أَهْلِ الذُّنُوْبِ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ، وَإِنَّكَ مَهْمَا تُصْلِحْ فَلَنْ نَّعْزِلَكَ عَنْ عَمَلِكَ وَمَنْ أَقَامَ عَلٰى يَهُوْدِيَّتِهٖ أَوْ مَجُوْسِيَّتِهٖ فَعَلَيْهِ الْجِزْيَةُ"

<u>ترجمہ: منذر بن ساوی کے نام</u>

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت العلاء بن الحضرمیؓ کو ۸ھ ہجری میں ایک خط دیکر منذر بن ساوی کے پاس بھیجا جو اہلِ فارس کی طرف سے بحرین کا والی مقرر تھا، اس خط میں آپ نے فرمایا تھا:)

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام، تو اسلام قبول کر، میں تیرے سامنے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے بعد بات یہ ہے کہ جس نے ہماری طرح نماز ادا کی، ہمارے قبلے کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول کا تحفظ حاصل ہوگیا، سو مجوسیوں میں سے جو اس بات کو پسند کرے تو اسے امان حاصل ہے اور جو اسے ناپسند کرے تو اسے جزیہ دینا ہوگا۔

چنانچہ منذر نے اسلام قبول کر لیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب میں لکھا:

"اس کے بعد اے اللہ کے رسولؐ! میں نے آپ کا خط بحرین کے لوگوں کو پڑھ کر سنا دیا ہے چنانچہ بعض نے تو اسلام کو پسند کیا اور اس کے

حلقہ بگوش ہو گئے ہیں، بعض نے اسے پسند نہیں کیا۔ میرے علاقے میں مجوسی اور یہودی ہیں اس لئے آپ اپنا نیا حکم جاری فرمادیجئے۔

اس کے جواب میں آپؐ نے تحریر فرمایا:

"اللہ رحمان ورحیم کے نام سے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام، تجھ پر سلام ہو، سو میں تیرے سامنے اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اس کے بعد میں تجھے اللہ عزوجل کی یاد دلاتا ہوں، سو جو خیر خواہی کرے گا تو اپنے لئے خیر خواہی کرے گا، جس نے میرے قاصدوں کی اطاعت کی، اور ان کے حکم کی پیروی کی تو اس نے گویا میری اطاعت کی۔ جس نے ان کی خیر خواہی کی تو اس نے میری بھلائی چاہی، میرے قاصدوں نے تیرا اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ میں نے تجھے اپنی قوم کا شفیع بنا دیا ہے، جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں ان کی املاک ان کے پاس رہنے دے، میں نے خطا کاروں کو بخش دیا ہے اس لئے ان کی معذرت قبول کر لے۔ جب تک تو اصلاح پر عمل پیرا ہے گا ہم تجھے معزول نہیں کریں گے، جو یہودیت اور مجوسیت پر قائم رہنا چاہے تو اس پر جزیہ ہے!"

(۷)

إِلٰى هَوْذَةَ بْنِ عَلِيٍّ صَاحِبِ الْيَمَامَةِ

(وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَعَثَ سَلِيْطَ بْنَ عَمْرٍو الْعَامِرِيَّ إِلٰى هَوْذَةَ بْنِ عَلِيٍّ صَاحِبِ الْيَمَامَةِ سَنَةَ سِتٍّ وَبَعَثَ مَعَهُ كِتَابًا قَالَ فِيْهِ[1])

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى هَوْذَةَ بْنِ

---

[1] الزرقانی ۳ : ۴۰۷، السیرۃ الحلبیۃ ۲ : ۳۲۷، صبح الأعشی ۶ : ۳۷۹

عَلَيَّ۔ سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى. وَاعْلَمْ أَنَّ دِينِي سَيَظْهَرُ إِلَى مُنْتَهَى الْخُفِّ وَالْحَافِرِ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ، وَأَجْعَلْ لَكَ مَا تَحْتَ يَدَيْكَ"

فَرَدَّ هَوْذَةُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ:

"مَا أَحْسَنَ مَا تَدْعُو إِلَيْهِ وَأَجْمَلَهُ! وَأَنَا شَاعِرُ قَوْمِي وَخَطِيبُهُمْ، وَالْعَرَبُ تَهَابُ مَكَانِي، فَاجْعَلْ إِلَيَّ بَعْضَ الْأَمْرِ أَتَّبِعْكَ۔"

فَلَمَّا قَرَأَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم كِتَابَهُ قَالَ: لَوْ سَأَلَنِي سَيَابَةً مَا فَعَلْتُ، بَادَ وَبَادَ مَا فِي يَدَيْهِ!

ترجمہ: ہَوذہ بن علی کے نام

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلیط بن عمرو العامری کو ؁۶ھ میں ایک خط دیکر ہوذہ بن علی صاحب یمامہ کے پاس بھیجا جس میں آپ نے فرمایا تھا۔)

"اللہ رحمان ورحیم کے نام سے، محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے ہوذہ بن علی کے نام، سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت کا اتباع کرے، جان لے کہ میرا دین دنیا کے کونے کونے (جہاں تک گھوڑوں اور اونٹوں کے قدم پڑیں گے) میں غالب آئے گا اس لئے اسلام قبول کرلے سلامت رہے گا، جو کچھ تیرے قبضے میں ہے وہ میں تیرے پاس ہی رہنے دوں گا!"

چنانچہ ہوذہ بن علی نے آپ کے جواب میں لکھا۔

"آپ کتنے اچھے دین کی دعوت دیتے ہیں! میں اپنی قوم کا شاعر وخطیب ہوں اور عرب میرے مرتبے سے مرعوب بھی ہیں، آپ مجھے اپنا شریک حکومت بنا لیجئے میں آپ کا پیروکار بن جاؤں گا!"

مگر جب اس کی اطلاع آپ کو ملی تو اس کا خط سنکر فرمایا: اگر وہ مجھ سے ایک کچی کھجور بھی مانگتا تو نہ دیتا، برباد ہوا اور اس کا اقتدار بھی نابود ہوا!

إِلَى جَيْفَرٍ وَعَبْدٍ ابْنَيِ الْجُلُنْدِيِّ مَلِكَيْ عُمَانَ

وَبَعَثَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ إِلَى جَيْفَرٍ وَعَبْدٍ ابْنَيِ الْجُلُنْدِيِّ الْأَزْدِيَّيْنِ مَلِكَيْ عُمَانَ سَنَةَ ثَمَانٍ وَبَعَثَ مَعَهُ كِتَابًا قَالَ فِيهِ[1]:

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللهِ وَرَسُولِهِ إِلَى جَيْفَرٍ وَعَبْدٍ ابْنَيِ الْجُلُنْدِيِّ، سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكُمَا بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمَا تَسْلَمَا، فَإِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا، وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، وَإِنَّكُمَا إِنْ أَقْرَرْتُمَا بِالْإِسْلَامِ وَلَّيْتُكُمَا، وَإِنْ أَبَيْتُمَا أَنْ تُقِرَّا بِالْإِسْلَامِ فَإِنَّ مُلْكَكُمَا زَائِلٌ عَنْكُمَا، وَخَيْلِي تَحُلُّ بِسَاحَتِكُمَا، وَتَظْهَرُ نُبُوَّتِي عَلَى مُلْكِكُمَا!"

وَكَتَبَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رضي الله عنه، وَقَدْ أَقَرَّا بِالْإِسْلَامِ۔

ترجمہ: جیفر اور عبد کے نام جو جُلُندی کے بیٹے اور عمان کے بادشاہ تھے۔

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو جیفر بن جلندی ازدی اور عبد بن جلندی ازدی کے پاس ؁۸ ہجری میں ایک خط دیکر بھیجا جس میں تحریر تھا)

اللہ رحمان ورحیم کے نام سے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور رسول ہیں، جیفر بن جلندی اور عبد بن جلندی کے نام، سلام ہو اس پر جو راہ ہدایت پہ چلے، اب میں تم دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ اسلام قبول کرلو، سلامت رہو گے، کیونکہ میں تمام انسانیت کے لئے رسول مبعوث ہوا ہوں، تاکہ سب زندوں کو خبردار کردوں، اور منکرین پر حجت

[1] شرح الزرقانی ۳: ۴۰۷، السیرۃ الحلبیۃ ۲: ۳۷۴، صبح الاعشیٰ ۶: ۳۸۰، جمہرۃ رسائل العرب ۱: ۴۶

پوری ہو جائے، اگر تم اسلام کا اقرار کر لو تو میں تمہیں والی مقرر کرتا ہوں، اور اگر تم نے اسلام سے انکار کیا تو پھر تمہارا اقتدار زائل ہونے والا ہے۔ میرے گھوڑے تمہارے صحن میں اُتریں گے، اور میری نبوت تمہارے اقتدار پہ غالب آئے گی!"

اس خط کے تحریر کنندہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ تھے، ان دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

(۹)

إلى أُكَيدِر دُومَة

وَكَتَبَ الرَّسُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لِأُكَيدِرِ بنِ عبد الملك الكندي - وَكَانَ مَلِكاً على دُومَةِ الجَنْدَلِ وَكَانَ نَصْرَانِياً - خَرَجَ إِلَيْهِ خالدُ بن الوليدِ فِي سَرِيَّةٍ فِي رَجَبٍ سنةَ تِسْعٍ فَأَخَذَهُ فِي لقاهٖ خالدٌ فَقَدِمَ بِهِ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَأَسْلَمَ ثُمَّ ارْتَدَّ بَعْدَ وَفَاةِ الرَّسُولِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَتَلَهُ خَالِدٌ لِنَقْضِهِ العَهْدَ[1]

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذَا الكِتَابُ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ لِأُكَيدِرِ دُومَةَ حِينَ أَجَابَ إِلَى الإِسْلَامِ وَخَلَعَ الأَنْدَادَ وَالأَصْنَامَ مَعَ خَالِدِ بْنِ الوَلِيدِ سَيْفِ اللهِ فِي دُومَةِ الجَنْدَلِ وَأَكْنَافِهَا، إِنَّ لَنَا الضَّاحِيَةَ مِنَ الضَّحْلِ وَالبُورَ وَالمَعَامِيَ وَأَغْفَالَ الأَرْضِ وَالحَلْقَةَ وَالسِّلَاحَ وَالحَافِرَ وَالحِصْنَ، وَلَكُمُ الضَّامِنَةُ مِنَ النَّخْلِ وَالمَعِينُ مِنَ المَعْمُورِ، لَا تُعْدَلُ سَارِحَتُكُمْ وَلَا تُعَدُّ

[1] شرح الزرقانی ۳: ۳۴۱، الروض الانف ۲: ۳۱۹، العقد الفرید ۱: ۱۱۲، السیرۃ الحلبیۃ ۲: ۲۲۹، معجم البلدان ۴: ۱۰۸، فتوح البلدان ص ۶۸، صبح الأعشیٰ ۶: ۳۷۰، جمہرۃ رسائل العرب ۱: ۵۰،

فَارِدَتُكُمْ وَلَا يُحْظَرُ عَلَيْكُمُ النَّبَاتُ، تُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا وَتُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ بِحَقِّهَا، عَلَيْكُمْ بِذٰلِكَ عَهْدُ اللهِ وَالمِيثَاقُ، وَلَكُمْ بِذٰلِكَ الصِّدْقُ وَالوَفَاءُ، شَهِدَ اللهُ وَمَنْ حَضَرَ مِنَ المُسْلِمِينَ"

ترجمہ: اُکیدر دُومہ کے نام

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُکیدر بن عبدالملک کندی کے لئے ایک خط لکھا تھا جو دومۃ الجندل (شام و مدینہ کے درمیان ہے) کا بادشاہ تھا اور نصرانی مذہب رکھتا تھا، حضرت خالد بن ولید سیف اللہؓ رجب سنہ ۹ ہجری میں ایک سریہ لیکر اس کے مقابلے کیلئے گئے تھے اور اسے پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ کے پاس لے آئے تھے وہ مسلمان ہو گیا تھا مگر وفات نبوی کے بعد مرتد ہو گیا چنانچہ بد عہدی پہ خالد بن ولیدؓ نے اسے قتل کر دیا تھا۔

"اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے، یہ خط محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اکیدر دومہ کے لئے لکھا گیا ہے، جبکہ وہ دعوت اسلام کو لبیک کہہ چکا ہے اور خالد بن ولید سیف اللہؓ کے ساتھ دومۃ الجندل اور اس کے اطراف میں شرک اور اصنام کو خیرباد کہہ چکا ہے۔ چشمے کا نواحی علاقہ، غیر مزروعہ زمین، غیر مملوکہ زمین، غیر آباد اراضی، جنگ میں کام آنے والا ساز و سامان گھوڑے مویشی اور قلعہ ہمارے لئے مختص ہو گا۔ جبکہ شہری علاقے والی کھجوریں، آباد زمین والا چشمہ تمہارے لئے مخصوص ہو گا؛ تمہارے مال مویشی کو چرنے سے نہیں روکا جائے گا، جو جانور فالتو ہو گا اس کا حساب نہیں لیا جائے گا، چراگاہوں سے تمہیں نہیں روکا جائے گا۔ تم اوقاتِ مقررہ میں نماز پڑھو گے اور فرض شدہ زکوٰۃ ادا کرتے رہو گے، اس سلسلے میں تمہارے لئے اللہ کا عہد و میثاق ہے اور اس پہ تمہیں صدق و وفا کے ساتھ قائم رہنا ہے۔ اس پہ اللہ اور حاضر مسلمان گواہ ہیں!"

إلى وائل بن حجر الحضرمي وقومه

وكتب الرسول صلى الله عليه وسلم إلى وائل بن حجر الحضرمي وقومه من أهل حضرموت فقال:[1]

"من محمد رسول الله إلى الأقيال العباهلة من أهل حضرموت بإقامة الصلاة وإيتاء الزكاة، على التيعة شاة والتيمة لصاحبها وفي السيوب الخمس، لا خلاط ولا وراط ولا شناق ولا شغار ومن أجبى فقد أربى، وكل مسكر حرام"

ترجمہ: وائل بن حجر حضرمی اور اُن کی قوم کے نام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وائل بن حجر حضرمی اور ان کی قوم اہلِ حضرموت کی طرف تحریر فرمایا تھا۔

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اہلِ حضرموت کے بجال رہنے والے شہزادوں کے نام، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جانوروں کے ابتدائی نصاب (جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے) میں ایک بکری دینا واجب ہوگا، چالیس بکریوں سے اگر ایک زائد ہو تو وہ مالک کا حق ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ تلواروں پر خمس ہوگا۔ خلط ملط کرنا یا جانوروں کو نشیبی جگہ ٹھہرا کر کے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو کم کر کے دکھانا ممنوع ہے، نہ تو دو قسم کے آدھے آدھے نصاب زکوٰۃ کو ملا کر ایک نصاب بنایا جائے گا اور نہ نکاح شغار (بلا مہر وٹے سٹے کی شادی) کی اجازت ہے!"

وقد روى القاضي عياض في الشفا (ص ٤٩) أن كتابه لهم قد كان بهذا النص:

"إلى الأقيال العباهلة والأرواع المشابيب، في التيعة شاة

[1] البیان والتبیین ۲: ۲۷، العقد الفرید ۱: ۱۱۲، صبح الاعشیٰ ۶: ۳۷۱، جمہرۃ رسائل العرب ۱: ۵۸، الشفا ص ۴۹۔

ومقورة الألياط ولا ضناك، وأنطوا الثبجة وفي السيوب الخمس، ومن زنى مم بكر فاصقعوه مائة واستوفضوه عاما، ومن زنى مم ثيب فضرجوه بالأضاميم، ولا توصيم في الدين ولا غمة في فرائض الله تعالى وكل مسكر حرام ووائل بن حجر يترفل على الأقيال."

قاضی عیاض نے کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ میں بیان کیا ہے کہ اہلِ حضرموت کے نام آپ کے خط کا متن یوں تھا۔

"بجال رہنے والے شہزادوں اور رعب دار سرداروں کے نام، ابتدائی نصاب پورا ہونے پر ایک بکری ہے، نصاب سے فالتو بکری مالک کا حق ہے یہ بکری نہ تو دبلی ہو نہ موٹی تازی، درمیانہ قسم کی ادا کیا کرو، اور تلواروں میں خمس واجب ہے، غیر شادی شدہ زانی کی سزا یہ ہے کہ اسے سو کوڑے لگاؤ اور ایک سال کے لئے جلاوطن کر دو شادی شدہ اگر زنا کرے تو اسے لہولہان کر دو، حدود دینی میں سستی نہیں ہوگی، نہ اللہ کے فرائض میں پردہ پوشی ہوگی، ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے اور وائل بن حجر شہزادوں کے سربراہ ہوں گے"

(۱۱)

إلى ملوك حمير

وقدم على رسول الله صلى الله عليه وسلم كتاب من ملوك حمير حين عودته من تبوك، جاء به رسولهم إليه يعلنون إسلامهم وهم: الحارث بن عبد كلال ونعيم بن عبد كلال والنعمان قيل ذي رعين وهمدان ومعافر، كما بعث إليه زرعة ذو يزن مالك بن مرة الرهاوي يعلن إسلامه وقومه ومفارقتهم الشرك والمشركين. فكتب إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم.[1]

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲: ۳۸، السیرۃ الحلبیۃ ۳: ۲۵۱، الطبری ۳: ۱۰۳، فتوح البلدان ص ۷۷، جمہرۃ رسائل العرب ۱: ۵۳۔

بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد النبي رسول الله إلى الحارث ابن عبد كلال ونعيم بن عبد كلال والنعمان قيل ذي رعين وهمدان ومعافر. أما بعد ذلكم، فإني أحمد إليكم الله الذي لا إله إلا هو، أما بعد فإنه قد وقع بنا رسولكم مقفلنا من أرض الروم فلقينا بالمدينة فبلغ ما أرسلتم به وخبر ما قبلكم وأنبأنا بإسلامكم وقتلكم المشركين وأن الله قد هداكم بهداه، إن أصلحتم وأطعتم الله ورسوله وأقمتم الصلاة وآتيتم الزكاة وأعطيتم من المغانم خمس الله وسهم نبيه وصفيه وما كتب على المؤمنين من الصدقة، من العقار عشر ما سقت العين وما سقت السماء، وكل ما سقي بالغرب نصف العشر، وفي الإبل في الأربعين ابنة لبون، وفي ثلاثين من الإبل ابن لبون ذكر، وفي كل خمس من الإبل شاة وفي كل عشر من الإبل شاتان۔

وفي كل أربعين من البقر بقرة وفي كل ثلاثين من البقر تبيع: جذع أو جذعة، وفي كل أربعين من الغنم سائمة وحدها شاة، وإنها فريضة الله التي فرض على المؤمنين في الصدقة، فمن زاد خيرا فهو خير له، ومن أدى ذلك وأشهد على إسلامه وظاهر المؤمنين على المشركين فإنه من المؤمنين، له ما لهم وعليه ما عليهم، وله ذمة الله وذمة رسوله۔

وإنه من أسلم من يهودي أو نصراني فإن له مثل ما لهم وعليه مثل ما عليهم۔ ومن كان على يهوديته أو نصرانيته فإنه لا يفتن عنها وعليه الجزية، على كل حالم ذكرا أو أنثى حرا أو عبد، دينار واف أو قيمته من المعافر أو عوضه ثيابا، فمن أدى

ذلك إلى رسول الله فإن له ذمة الله وذمة رسوله ومن منعه فإنه عدو لله ولرسوله۔

أما بعد، فإن رسول الله محمدا النبي أرسل إلى زرعة ذي يزن، أن إذا أتاكم رسلي فأوصيكم بهم خيرا، معاذ بن جبل وعبد الله بن زيد ومالك بن عبادة وعقبة بن نمر ومالك بن مرة وأصحابهم وأن اجمعوا ما عندكم من الصدقة والجزية من مخاليفكم وأبلغوها رسلي، وإن أميرهم معاذ بن جبل فلا ينقلبن إلا راضيا۔

أما بعد، فإن محمدا يشهد أن لا إله إلا الله وأنه عبده ورسوله، ثم إن مالك بن مرة الرهاوي قد حدثني أنك قد أسلمت من أول حمير وقتلت المشركين، فأبشر بخير، وآمرك بحمير خيرا، ولا تخونوا ولا تخاذلوا۔ فإن رسول الله مولى غنيكم وفقيركم۔

وإن الصدقة لا تحل لمحمد ولا لأهله، إنما هي زكاة يزكى بها على فقراء المؤمنين وابن السبيل، وإن مالكا قد بلغ الخبر وحفظ الغيب، وآمركم به خيرا۔ وإني قد بعثت إليكم من صالحي أهلي وأولي دينهم وأولي علمهم، فآمركم بهم خيرا فإنهم منظور إليهم، والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته!

ترجمہ: شاہانِ حمیرہ کے نام

تبوک سے واپسی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاہانِ حمیر کا خط ملا جس میں اُنھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا اور وہ تھے حارث بن عبد کلال، نُعیم بن عبد کلال اور نعمان والی ذی رعین، ہمدان اور معافر، اسی طرح زرعہ

ذو یزن نے مالک بن مرہ رہاوی کو بھیج کر اپنے اسلام کا اعلان کیا تھا، ان سب
نے شرک اور مشرکین سے علیحدگی کا بھی اعلان کیا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں لکھا:
"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے جو اللہ
کے نبی و رسول ہیں، حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور والی ذی رعین
نعمان کے نام۔ اس کے بعد اب میں تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان
کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہاں تو تمہارا قاصد ہمارے پاس پہنچا جبکہ
ہم سرزمین روم سے واپس آئے تھے۔ وہ ہم سے مدینہ میں ملا۔ اس نے تمہارا
پیغام اور حالات ہمیں پہنچا دیے ہیں، اس نے ہمیں بتایا ہے کہ آپ مسلمان
ہو گئے ہیں اور مشرکین کو قتل کیا ہے۔ اللہ نے آپ کو اپنی ہدایت سے راہ
راست پر ڈالا ہے۔ اگر آپ اصلاحی روش پر چلے۔ اللہ اور اس کے رسول کی
اطاعت کی، نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔ مالِ غنیمت میں سے اللہ اور
اس کے برگزیدہ نبی کا پانچواں حصہ ادا کیا، اور جو صدقات مسلمانوں پر فرض ہیں
ادا کئے، جو زمین چشموں سے سیراب ہو یا آسمانی بارش سے سیراب ہو اس
کی پیداوار پر عشر ہے۔ جو زمین کنوئیں سے پانی نکال کر سیراب ہو اس کی پیداوار
پر نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔ اونٹوں کی زکوٰۃ یہ ہے کہ چالیس اونٹوں پہ
دو سالہ اونٹنی ہوگی تیس اونٹ ہوں تو دو سالہ اونٹ دینا ہوگا۔ پانچ اونٹ
ہوں تو ان پر ایک بکری ہوگی۔ ہر دس اونٹ پہ دو بکریاں ہوں گی؛ اگر
چالیس گائیں ہوں تو ان کی زکوٰۃ ایک گائے ہے۔ تیس گائیں ہوں تو ایک
سال کا بچھڑا (نر) یا مونث، چراگاہ میں چرنے والی اگر چالیس بھیڑ بکریاں
ہوں تو ایک بکری واجب ہوگی۔ اور یہ ہے اللہ کا فریضہ جو اس نے صدقات
کے سلسلے میں مومنوں پہ عائد کیا ہے۔ اگر کوئی زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس
کے لئے بہتر ہے؛ جس نے یہ فریضہ ادا کیا، اپنے اسلام پہ شہادت قائم کی
اور مشرکین کے خلاف مومنین کی مدد کی تو وہ اہل ایمان میں شامل ہوگیا، اس کے

حقوق وفرائض وہی ہوں گے جو مومنین کے ہیں۔ اس کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ
وتحفظ حاصل ہوگا، اگر کوئی یہودی یا نصرانی مسلمان ہو جائے تو اس کے حقوق وفرائض
بھی وہی ہوں گے جو مومنین کے ہیں جو شخص یہودیت یا نصرانیت پہ قائم رہنا چاہے
تو اسے فریفتہ کر کے اپنے مذہب سے ہٹایا نہیں جائے گا۔ اسے جزیہ ادا کرنا
ہوگا۔ ہر بالغ مرد، عورت، آزاد اور غلام پہ ایک پورا دینار یا اس کی قیمت کے
برابر معافر کے بنے ہوئے کپڑے یا اس کے علاوہ کپڑے جو معاوضہ بن سکتے ہوں،
تو جس نے یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول کو ادا کر دیں اسے اللہ اور اس کے رسول کا
ذمہ اور تحفظ حاصل ہوگیا اور جس نے اس سے انکار کیا تو وہ اللہ اور اس کے رسول کا دشمن ہے۔

اس کے بعد اللہ کے رسول و نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زرعہ ذی یزن
کے نام پیغام بھیجا ہے کہ اگر تمہارے پاس میرے قاصد آئیں تو ان کے بارے میں
میں تمہیں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں اور وہ ہیں معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید،
مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر، مالک بن مرہ اور ان کے ساتھی؛ تمہارے پاس جو
مال زکوٰۃ ہے وہ جمع کر لو اور اپنے علاقوں سے جزیہ وصول کر کے میرے قاصدوں
کے پاس پہنچا دو، ان کے امیر معاذ بن جبل ہیں، انہیں تمہارے ہاں سے مطمئن
ہو کر لوٹنا چاہیے۔

اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود
نہیں اور یہ کہ وہ اس کے بندے اور رسول ہیں پھر یہ کہ مالک بن مرہ رہاوی نے
مجھے بتایا ہے کہ تو حمیر میں سے سب سے پہلے مسلمان ہوا ہے اور مشرکین کو
قتل کیا ہے۔ تجھے بھلائی کی بشارت ہو، میں تجھے قوم حمیر کی بھلائی کا حکم دیتا ہوں
خیانت نہ کرنا۔ ساتھ نہ چھوڑنا کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے
ہر امیر وغریب کے والی ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت کے لئے صدقات حلال نہیں
یہ تو زکوٰۃ ہے جو غریب مسلمانوں اور بے وطن لوگوں کے لئے ادا کی جاتی ہے۔ مالک

نے بات پہنچا دی ہے، امانت سے کام لیا ہے میں تمہیں اس کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہوں۔

میں نے تمہارے پاس اپنے صالح ساتھیوں کو بھیجا ہے، جو دیندار بھی ہیں اور صاحب علم بھی ہیں تمہیں ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہوں کیونکہ یہ قابل لحاظ و احترام ہیں، تم پر سلام ہو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں!"

(۱۲)

إلى خالد بن الوليد

وَكَانَ خَالِدُ بنُ الوَلِيدِ رضي الله عنه قَدْ كَتَبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُخْبِرُهُ بِإِسْلَامِ بَنِي الحَارِثِ بْنِ كَعْبٍ سنة عشر يَقُولُ:

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، لِمُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْ خَالِدِ بْنِ الوَلِيدِ السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، أَمَّا بَعْدُ يَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ، فَإِنَّكَ بَعَثْتَنِي إِلَى بَنِي الحَارِثِ بْنِ كَعْبٍ وَأَمَرْتَنِي إِذَا أَتَيْتُهُمْ أَنْ لَا أُقَاتِلَهُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَأَنْ أَدْعُوَهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ فَإِنْ أَسْلَمُوا أَقَمْتُ فِيهِمْ وَقَبِلْتُ مِنْهُمْ وَعَلَّمْتُهُمْ مَعَالِمَ الإِسْلَامِ وَكِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ، وَإِنْ لَمْ يُسْلِمُوا قَاتَلْتُهُمْ، وَإِنِّي قَدِمْتُ عَلَيْهِمْ فَدَعَوْتُهُمْ إِلَى الإِسْلَامِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ كَمَا أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعَثْتُ فِيهِمْ رُكْبَانًا قَالُوا يَا بَنِي الحَارِثِ! أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا، فَأَسْلَمُوا وَلَمْ يُقَاتِلُوا، وَأَنَا مُقِيمٌ بَيْنَ أَظْهُرِهِمْ، آمُرُهُمْ بِمَا أَمَرَهُمُ اللهُ بِهِ وَأَنْهَاهُمْ عَمَّا نَهَاهُمُ اللهُ عَنْهُ، وَأُعَلِّمُهُمْ مَعَالِمَ الإِسْلَامِ وَسُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى يَكْتُبَ إِلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ."

فَرَدَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خَالِدٍ رضي الله عنه يَقُولُ لَهُ:[1]

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولِ اللهِ إِلَى خَالِدِ بْنِ الوَلِيدِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ كِتَابَكَ جَاءَ لِي مَعَ رَسُولِكَ يُخْبِرُنِي أَنَّ بَنِي الحَارِثِ بْنِ كَعْبٍ قَدْ أَسْلَمُوا قَبْلَ أَنْ تُقَاتِلَهُمْ وَأَجَابُوا إِلَى مَا دَعَوْتَهُمْ إِلَيْهِ مِنَ الإِسْلَامِ، وَشَهِدُوا أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَنْ قَدْ هَدَاهُمُ اللهُ بِهُدَاهُ، فَبَشِّرْهُمْ وَأَنْذِرْهُمْ وَأَقْبِلْ وَلْيُقْبِلْ مَعَكَ وَفْدُهُمْ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ."

ترجمہ: حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سنہ ۱۰ ہجری میں ایک خط لکھ کر آپ کو بنو حارث بن کعب کے قبول اسلام کے متعلق اطلاع دی تھی اور کہا تھا کہ:

"اللہ رحمان و رحیم کے نام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور، جو اللہ کے نبی و رسول ہیں، خالد بن ولید کی جانب سے، السلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میں آپ کے حضور میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اب اس کے بعد یا رسول اللہ! آپ پر اللہ کا درود و سلام ہو، آپ نے جو مجھے بنو حارث بن کعب کی طرف بھیجا تھا اور مجھے حکم فرمایا تھا کہ وہاں پہنچ کر تین دن تک ان سے لڑائی نہ کرنا، اور انہیں اسلام کی دعوت دینا، اگر تو وہ مسلمان ہو گئے تو ان میں رک جانا۔ ان کے اسلام لانے کو تسلیم

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲/ ۳۸۳، الطبری ۳/ ۱۵۶، صبح الأعشی ۶: ۳۶۷، ۳۶۵، جمہرۃ رسائل العرب ۱/ ۹۲۔

کرلینا انہیں ارکانِ اسلام کی تعلیم دینا اور کتاب اللہ اور اللہ کے رسول کی سنت سکھانا ۔ اور اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جنگ کرنا ۔

میں ان کے پاس آیا تو انہیں میں نے تین دن تک اسلام کی دعوت دی جیسا کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا ، میں نے ان کے پاس سوار بھیجے تھے جنہوں نے ان سے کہا تھا ، اے بنی حارث ! اسلام قبول کرلو سلامت رہو گے ، چنانچہ اُنہوں نے اسلام قبول کرلیا ، اور جنگ نہ کی ۔ میں اب ان کے ہاں ٹھہرا ہوا ہوں ، انہیں اِن باتوں کا حکم دے رہا ہوں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے ، اور ان باتوں سے منع کر رہا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے ، میں انہیں ارکانِ اسلام اور سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم دے رہا ہوں ، یہاں تک کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مل جائے ۔ والسلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! “

چنانچہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا :

” اللہ رحمان ورحیم کے نام سے ، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جو اللہ کے نبی و رسول ہیں ۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے نام ، سلام علیک “ میں تیرے سامنے اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ، اما بعد ، تیرا قاصد تیرا خط لیکر میرے پاس پہنچ گیا ہے اس نے مجھے بتایا ہے کہ بنو حارث بن کعب نے جنگ کے بغیر ہی اسلام قبول کر لیا ہے اور انہوں نے تیری دعوتِ اسلام پر لبیک کہا ہے ۔ اُنہوں نے اس بات کی گواہی دے دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ۔ وہ وحدہ لاشریک ہے ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی راہِ ہدایت دکھا دی ہے ۔ تو اب انہیں بشارت کے ساتھ تنبیہ بھی کر دو اور واپس لوٹ آؤ ، تمہارے ساتھ ان کا وفد بھی آنا چاہیے ، والسلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ! “

(۱۳)

إلى معاذ بن جبل رضي الله عنه

وكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى معاذ بن جبل ، رضي الله عنه يعزيه بابن له كان قد مات فقال[1]

” بسم الله الرحمن الرحيم ۔ من محمد رسول الله إلى معاذ بن جبل ، سلام عليك ، فإني أحمد إليك الله الذي لا إله إلا هو ، أما بعد : فعظم الله لك الأجر وألهمك الصبر ، ورزقنا وإياك الشكر ، ثم إن أنفسنا وأهلينا وموالينا من مواهب الله السنية وعواريه المستودعة نمتع بها إلى أجل معدود ، وتقبض لوقت معلوم ، ثم افترض علينا الشكر إذا أعطى والصبر إذا ابتلى ، وكان ابنك من مواهب الله الهنيئة وعواريه المستودعة متعك به في غبطة وسرور ، وقبضه منك بأجر كثير ، الصلاة والرحمة والهدى ، إن صبرت واحتسبت فلا يجمعن عليك يا معاذ خصلتين ، أن يحبط جزعك صبرك فتندم على ما فاتك فلو قدمت على ثواب مصيبتك ، قد أطعت ربك وتنجزت موعوده ، عرفت أن المصيبة قد قصرت عنه ، واعلم أن الجزع لا يرد ميتا ولا يدفع حزنا فأحسن الجزاء وتنجز الموعود وليذهب أسفك ما هو نازل بك فكان قد ! “

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط ارسال فرمایا تھا جس میں انہیں ان کے ایک بیٹے کی وفات پر تعزیت

---

[1] صبح الأعشى ۹ : ۸۰ ، جمهرة رسائل العرب ۱ : ۶۵

[2] اصل میں نہیں ہے !

اور تسلی فرمائی تھی۔

اللہ رحمان ورحیم کے نام سے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے معاذ بن جبلؓ کے نام، سلام علیک، میں اللہ کی حمد وثنا بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اما بعد، اللہ تعالیٰ تمہارے اجر کو بڑا کرے۔ تمہیں صبر کی تلقین فرمائے، اور ہمیں اور تمہیں شکر کی توفیق بخشے،

ہماری جانیں، اہل وعیال اور دوست اللہ کی اعلیٰ بخششیں ہیں اور اس کے احسانات ہیں جو اس نے بطور امانت دے رکھے ہیں۔ ایک محدود مدت تک ہم ان سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور مقررہ وقت پر یہ لے لی جاتی ہیں، پھر اس نے ہم پر فرض کیا ہے کہ اس کی بخشش کا شکریہ ادا کریں اور آزمائش میں پڑیں تو صبر کریں۔

تمہارا بیٹا بھی اللہ کی خوشگوار بخششوں میں سے ہی تھا اور اس کی بطور امانت دی ہوئی بھلائیوں میں سے تھا، اللہ نے تمہیں اپنے اس بیٹے کے سبب خوشی ومسرت سے لطف اندوز کیا، اور ایک بہت بڑے اجر کے بدلے تم سے لیا ہے، یعنی درود ورحمت اور ہدایت کا اجر! اگر تو صبر سے اسے باعثِ اجر تصور کرے، تو اے معاذ! پھر تم میں دو باتیں جمع نہ ہونے پائیں گی۔ (رنج سے اور ساتھ ہی ثواب سے محرومی)؛ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری گھبراہٹ صبر کو ضائع کر دے اور تم اس محرومی پر نادم ہو۔ اس لئے اگر تم مصیبت پر ثواب پانے کی ہمت کرو تو اپنے رب کے فرمانبردار قرار پاؤ گے اور اس کا وعدہ پورا کر دکھاؤ گے اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس اجر سے مصیبت کہیں کم تھی۔

اور یہ جان لو کہ جزع وفزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آجاتا اور نہ اس سے غم کی مصیبت ٹل سکتی ہے۔ اس لئے حسنِ جزاء حاصل کرو اور وعدہ پورا کر دکھاؤ، تمہاری مصیبت کا غم اس تصور سے زائل ہو جانا چاہیئے کہ یہی

موت تم پر بھی نازل ہونے والی ہے بلکہ یوں سمجھو کہ جیسے تم بھی اللہ کو پیارے ہو چکے ہو۔"

(۴۴)

إلى مُسَيْلَمَةِ الكَذَّابِ الحَنَفِي

وَفِي نِهَايَةِ سَنَةِ عَشْرٍ مِنَ الهِجْرَةِ عِنْدَ مَا عَادَ وَفْدُ بَنِي حَنِيْفَةَ مِنَ المَدِيْنَةِ إِلَى اليَمَامَةِ ادَّعَى مُسَيْلَمَةُ النُّبُوَّةَ وَكَتَبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ:

«مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُولِ اللهِ إِلَى مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي قَدْ أُشْرِكْتُ فِي الأَمْرِ مَعَكَ، وَإِنَّ لَنَا نِصْفَ الأَرْضِ وَلٰكِنَّ قُرَيْشًا قَوْمٌ يَعْتَدُوْنَ!» وَكَانَتِ الرِّسَالَةُ قَدْ كُتِبَتْ بِخَطِّ عَمْرِو بْنِ الجَارُودِ الحَنَفِي۔

فَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مُسَيْلَمَةَ:[1]

«بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ إِلَى مُسَيْلَمَةَ الكَذَّابِ، سَلَامٌ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ،[2] فَإِنَّ الأَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ، وَالعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ!»

بنو حنیفہ کے مسیلمہ کذاب کے نام

دسویں ہجری کے آخر میں بنو حنیفہ کا وفد جب مدینہ منورہ سے یمامہ واپس آیا تو مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا جس میں وہ کہتا ہے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲: ۲۸۸، السیرۃ الحلبیۃ ۲: ۳۴۷، الزرقانی ۳: ۲۵، الطبری ۳: ۱۶۷، ابن الاثیر ۲: ۱۱۵، فتوح البلدان ص ۹۵، صبح الاعشیٰ ۶: ۳۸۱، جمہرۃ رسائل العرب ۱: ۶۷۔

[2] الاعراف (۷/ ۱۲۸)

"مسیلمہ رسول اللہ (لعنۃ اللہ علی الکاذبین) کی جانب سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام، سلام علیک، اما بعد! میں بھی آپ کا شریک حکمرانی بنایا گیا ہوں، اس لئے آدھی زمین ہماری اور آدھی زمین قریش کی، مگر قریش ایک ایسی قوم ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں!"

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیلمہ کو لکھا:۔

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسیلمہ کذاب کے نام، سلام اس پر جو ہدایت کی راہ پر چلا، اما بعد! جان لے کہ زمین تو اللہ ہی کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بناتا رہتا ہے، اور نیک انجام تو صرف اہل تقویٰ کا مقدر ہے!"

(۱۵)

إلى نصارى نجران

وَكَتَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى نَصَارَى نَجْرَانَ مِنْ شِمَالِي الْيَمَنِ مَا نَصُّهُ[1]

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، إِلٰهِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ، أَمَّا بَعْدُ، فَإِنِّي أَدْعُوكُمْ إِلَى عِبَادَةِ اللهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَأَدْعُوكُمْ إِلَى وِلَايَةِ اللهِ مِنْ وِلَايَةِ الْعِبَادِ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ، فَإِنْ أَبَيْتُمْ فَقَدْ آذَنْتُكُمْ بِحَرْبِ الْإِسْلَامِ"

نجران کے نصاریٰ کے نام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شمالی یمن میں نجران کے عیسائیوں کی طرف مندرجہ ذیل تحریر ارسال فرمائی تھی:

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے جو ابراہیم، اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کا معبود ہے، اما بعد! میں تمہیں بندوں کی بندگی کے بجائے اللہ کی عبادت

[1] صبح الاعشیٰ ۶/۳۸۰ إلى ۳۸۱، جمہرۃ رسائل العرب ۱/۷۶

کی دعوت دیتا ہوں اور بندوں کی ولایت اور سرپرستی کی بجائے اللہ کی ولایت وسرپرستی کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم انکار کرو گے تو پھر جزیہ اور اگر اس سے بھی انکار کرو گے تو پھر میں تمہیں اسلام سے جنگ کا الٹی میٹم دیتا ہوں!"

(۱۶)

إلى بني ثقيف

وَكَانَ قَدْ وَفَدَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَفْدٌ مِنْ أَشْرَافِ ثَقِيفٍ وَذٰلِكَ فِي رَمَضَانَ سَنَةَ تِسْعٍ عِنْدَ عَوْدَتِهِ مِنْ تَبُوكَ إِلَى الْمَدِينَةِ فَأَسْلَمُوا وَبَايَعُوهُ فَكَتَبَ لَهُمْ كِتَابًا قَالَ فِيهِ[1]

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُولِ اللهِ إِلَى الْمُؤْمِنِينَ: إِنَّ عِضَاهَ وَجٍّ وَصَيْدَهُ حَرَامٌ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهُ، وَمَنْ وُجِدَ يَفْعَلُ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَإِنَّهُ يُجْلَدُ وَتُنْزَعُ ثِيَابُهُ، فَإِنْ تَعَدَّى ذٰلِكَ فَإِنَّهُ يُؤْخَذُ فَيُبْلَغُ بِهِ النَّبِيَّ مُحَمَّدًا، وَإِنَّ هٰذَا أَمْرُ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللهِ، وَكَتَبَ خَالِدُ بْنُ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ بِأَمْرِ الرَّسُولِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ فَلَا يَتَعَدَّاهُ أَحَدٌ فَيَظْلِمُ نَفْسَهُ فِيمَا أَمَرَهُ بِهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم.

بنو ثقیف کے نام

۹ سنہ ہجری میں تبوک سے مدینہ پہنچنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثقیف کے اشراف کا ایک وفد آیا اور مسلمان ہو کر بیعت کی، آپ نے انہیں لکھا۔

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے جو اللہ کے نبی ورسول ہیں مومنین کے نام، وادیٔ وج کے درخت اور شکار حرام ہیں

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲/۳۵۱، السیرۃ الحلبیۃ ۲/۲۴۹، الزرقانی ۴/۱۰، جمہرۃ رسائل العرب ۱/۷۲۔

یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں گے۔ اگر کسی نے اس کی خلاف ورزی کی تو اسے پکڑ کر نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا دیا جائے گا یہ نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے !" یہ خط خالد بن سعید نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھا۔ جو اس کی خلاف ورزی کرے گا وہ خود پر ظلم کرے گا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔

عہود و مواثیق نبوی

عہود و مواثیق نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد ہمایونی میں جو معاہدے، احکام اور دستاویزات تحریر کرنے کا حکم دیا اور وہ آپؐ کے الفاظ میں ضبطِ تحریر میں لائی گئیں، ان کا مطالعہ بھی بے حد اہم اور دلچسپ ہے۔ فصاحت و بلاغت نبوی کا ایک منفرد نمونہ ہونے کے علاوہ ان سے سیرت نبوی کے بعض پہلوؤں پر روشنی بھی پڑتی ہے اور بہت مفید اور قیمتی حقائق سامنے آتے ہیں۔ ان دستاویزات میں سے تین خصوصیت کے ساتھ مفصل مطالعہ کا تقاضہ کرتی ہیں۔ میثاق مدینہ، معاہدہ حدیبیہ اور وثیقہ عمرو بن حزم انصاری رضی اللہ عنہ۔ ان معاہدوں کے سلسلے میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، ایک یہ کہ ان معاہدوں کی تحریر و تکمیل کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمزور پوزیشن میں کبھی نہیں تھے بلکہ آپؐ اس وقت ہمیشہ غالب اور برتر حیثیت میں تھے لیکن اس کے باوجود آپؐ نے اپنے کمزور، زیردست اور حالات سے مجبور معارضین و مخالفین سے نہ تو من مانی شرائط منوانے کی کوشش کی اور نہ ان پر دھونس جمانے کا اظہار فرمایا بلکہ اس کے برعکس آپؐ نے اپنے مقابل لوگوں کے مفادات کا خیال رکھتے ہوئے ایسی شرائط بھی قبول کرلیں اور ایسی سہولیات دینے پر بھی تیار ہوگئے جو عام حالات میں کمزور یا مجبور فریق ہی تسلیم کرسکتا ہے؛ اور دوسری خاص بات یہ ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی معاہدے کی کسی شق یا شرط کی خلاف ورزی نہیں کی، صدق و امانت اور اخلاص و وفاء کے ساتھ تمام معاہدوں پر ثابت قدم رہے!

میثاق مدینہ کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بجا ارشاد فرمایا ہے کہ یہ تاریخ انسانی کا سب سے پہلا تحریر شدہ دستور ہے، اسلامی تاریخ کی اس شاندار اور قابلِ فخر دستاویز میں تشکیل ریاست کی متعدد قابلِ تقلید مثالیں موجود ہیں، جہاں عرب کا ایک گلہ بان نبی امیؐ دنیا کو اصول جہانبانی کی اعلیٰ تعلیمات اور بلند تر روایات کا عظیم ورثہ عطا فرماتا ہے، مگر اس معاہدے میں نبوت محمدی کی صداقت و حقانیت کے متعلق جو نکتہ موجود ہے اس کی طرف توجہ مبذول کرنا زیادہ ضروری ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار مکہ نے آپؐ کو اللہ کا رسولؐ ماننے سے صاف انکار کردیا تھا اور معاہدے میں "محمد رسول اللہ" کے الفاظ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے لیکن اس کے برعکس مدینہ کی ریاست کا وہ آئین جو تمام گروہوں کی آزادانہ شرکت اور رضا و رغبت سے مرتب ہوا تھا اس میں ایک فریق یہودی بھی تھے جن کے پاس یثرب کی اقتصادی طاقت کے علاوہ مضبوط قلعوں کی شکل میں فوجی قوت بھی موجود تھی۔ مگر ان سب نے اس آئین میں آپؐ کو "رسول اللہ" تسلیم کیا، یہودیوں نے اس لفظ پر اعتراض نہ کیا حالانکہ وہ کفار مکہ کی نسبت بہتر پوزیشن میں تھے، میثاق مدینہ میں اس لفظ کی شمولیت پر اعتراض کرسکتے تھے مگر انہوں نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپؐ بلا شبہ اللہ کے رسول ہیں مگر بعد میں ان کے بغض و عناد نے انہیں راہ حق پر آنے سے روکا، اس لئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد برحق اپنی جگہ اس حقیقت کا ترجمان ہے کہ وہ آپؐ کو نبی برحق ہونے کی حیثیت سے پہچانتے تھے بلکہ قرآن مجید کے الفاظ میں بالکل اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنے بچوں کو بخوبی پہچانتے تھے، ارشاد ربانی ہے۔

"اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ
وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ،

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور ان میں سے ایک گروہ بلاشبہ جانتے ہوئے حق کو چھپاتا ہے۔ (البقرہ آیت ۱۴۶)

میثاق مدینہ کے یہ الفاظ کہ "وَإِنَّ اللّٰهَ مَعَ أَتْقَى مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَأَبَرِّهِ" آج بھی اس بات کی تصدیق کر رہے ہیں کہ اس آئین پر اتفاق کرنے والوں میں "اتقی و ابر" محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے کیونکہ اللہ کی معیت و نصرت آپ ہی کے حصے میں آئی اس آئین پر صدق و امانت کے ساتھ آپ ہی قائم رہے۔ اس کی خلاف ورزی اور غداری کا ارتکاب کرنے والے یہودی تھے جو نیست و نابود ہو گئے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا!

اسلام جس انسانی آزادی خصوصاً مذہب اور عقیدے کی آزادی کا علمبردار ہے، غلاموں، زیردستوں اور قیدیوں کے ساتھ جس حسنِ سلوک کی تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اس کے اعلیٰ نمونے بھی ان عہود و مواثیق میں موجود ہیں، ان تاریک زمانوں میں غلاموں اور زیردستوں کے حقوق کی بات صرف رحمۃ للعالمین افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان معجز بیان سے ہی ادا ہو سکتی تھی! اس طرح معاشرتی زندگی کے آداب اور شعائرِ دین کی تعلیم کا آپ کو جو احساس و اہتمام تھا اس کی جھلکیاں بھی ان دستاویزات کی زینت ہیں!

نمونہ عہود و مواثیق

(۱)

كِتَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ وَهُوَ مَا يُسَمَّى الْآنَ بِمِيثَاقِ الْمَدِينَةِ الْمُنَوَّرَةِ۔

قَالَ ابْنُ إِسْحَاقَ: وَكَتَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، وَادَعَ فِيهِ الْيَهُودَ وَعَاهَدَهُمْ وَأَقَرَّهُمْ عَلَى دِينِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ عَلَيْهِمْ وَشَرَطَ عَلَيْهِمْ وَاشْتَرَطَ لَهُمْ[1]:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ فَلَحِقَ بِهِمْ وَجَاهَدَ مَعَهُمْ، إِنَّهُمْ أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ مِنْ دُونِ النَّاسِ، الْمُهَاجِرُونَ مِنْ قُرَيْشٍ عَلَى رِبْعَتِهِمْ[2] يَتَعَاقَلُونَ بَيْنَهُمْ وَهُمْ يَفْدُونَ عَانِيَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ؛ وَبَنُو عَوْفٍ عَلَى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ وَبَنُو سَاعِدَةَ عَلَى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى وَكُلُّ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ۔ وَبَنُو الْحَارِثِ عَلَى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى وَكُلُّ طَائِفَةٍ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَبَنُو جُشَمٍ عَلَى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى وَكُلُّ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَبَنُو النَّجَّارِ عَلَى رِبْعَتِهِمْ يَتَعَاقَلُونَ مَعَاقِلَهُمُ الْأُولَى وَكُلُّ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ تَفْدِي عَانِيَهَا بِالْمَعْرُوفِ وَالْقِسْطِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ؛ وَبَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۱۶/۲، الروض الانف ۱۶/۲، جمہرۃ رسائل العرب ۲۵/۱

[2] ویروی: الرباعة وهو الأجود، والربعة بكسر الراء وفتحها والرباعة بكسر الراء وفتحها: الشأن والحال الحسنة، يقال: رباعة الرجل: شأنه وحاله التي هو رابع أي مقيم عليها ويعني هنا: إنهم على حالهم التي كانوا عليه۔

[3] التعاقل: تعاطى الدية من قولهم: عقل القتيل عقلا: أي أعطى ديته، والمعاقل جمع معقلة وهي الدية والمعنى: يكونون على ما كانوا عليه من الأمر في الجاهلية من أخذ الديات أو إعطائها على مراتب آبائهم وأجدادهم۔

على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى، وكل طائفة تفدي عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين، وبنو النبيت على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى وكل طائفة تفدي عانيها بالمعروف والقسط بين المومنين، وبنو الأوس على ربعتهم يتعاقلون معاقلهم الأولى وكل طائفة تفدي عانيها بالمعروف والقسط بين المؤمنين۔

وأن المؤمنين لا يتركون مفرحا بينهم أن يعطوه بالمعروف في فداء أو عقل، ولا يحالف مؤمن مولى مؤمن دونه، وأن المؤمنين المتقين على من بغى منهم أو ابتغى دسيعة ظلم أو إثم أو عدوان أو فساد بين المؤمنين وأن أيديهم عليه جميعا ولو كان ولد أحدهم، ولا يقتل مؤمن مؤمنا في كافر، ولا ينصر كافرا على مؤمن، وأن ذمة الله واحدة يجير عليهم أدناهم وأن المؤمنين بعضهم موالي بعض دون الناس۔

وأنه من تبعنا من يهود فإن له النصر والأسوة غير مظلومين ولا متناصرين عليهم، وأن سلم المؤمنين واحدة لا يسالم مؤمن دون مؤمن في قتال في سبيل الله إلا على سواء وعدل بينهم وأن كل غازية غزت معنا يعقب بعضها بعضا وأن المؤمنين يبئ بعضهم على بعض بما نال دماءهم في سبيل الله، وأن المؤمنين المتقين على أحسن هدي وأقومه، وأنه لا يجير مشرك مالا لقريش، ولا نفسا، ولا يحول دونه على مؤمن، وأنه من اعتبط مؤمنا قتلا عن بينة فإنه قود به إلى أن يرضى ولي المقتول، وأن المؤمنين عليه كافة ولا يحل لهم إلا قيام عليه وأنه لا يحل لمؤمن أقر بما في هذه الصحيفة، وآمن بالله واليوم الآخر أن ينصر محدثا ولا يؤويه. وأنه من نصره أو آواه، فإن عليه لعنة الله وغضبه يوم القيامة ولا يؤخذ منه صرف ولا عدل وأنكم مهما اختلفتم فيه من شيء فإن مرده إلى الله

عز وجل وإلى محمد صلى الله عليه وسلم۔

وأن اليهود ينفقون مع المؤمنين ما داموا محاربين، وأن يهود بني عوف أمة مع المؤمنين، لليهود دينهم، وللمسلمين دينهم، مواليهم وأنفسهم إلا من ظلم وأثم فإنه لا يوتغ إلا نفسه وأهل بيته، وأن ليهود بني النجار مثل ما ليهود بني عوف، وأن ليهود بني الحارث مثل ما ليهود بني عوف، وأن ليهود بني ساعدة مثل ما ليهود بني عوف، وأن ليهود بني جشم مثل ما ليهود بني عوف. وأن ليهود بني الأوس مثل ما ليهود بني عوف وأن ليهود بني ثعلبة مثل ما ليهود بني عوف، إلا من ظلم وأثم فإنه لا يوتغ إلا نفسه وأهل بيته وأن جفنة بطن من ثعلبة كأنفسهم، وأن لبني الشطيبة مثل ما ليهود بني عوف، وأن البر دون الإثم، وأن موالي ثعلبة كأنفسهم، وأن بطانة يهود كأنفسهم وأنه لا يخرج منهم أحد إلا بإذن محمد، وأنه لا ينحجز على ثأر جرح. وأنه من فتك فبنفسه فتك وأهل بيته إلا من ظلم، وأن الله على أبر هذا، وأن على اليهود نفقتهم وعلى المسلمين نفقتهم، وأن بينهم النصر على من حارب أهل هذه الصحيفة، وأن بينهم النصح والنصيحة، والبر دون الإثم، وأنه لم يأثم امرؤ بحليفه وأن النصر للمظلوم، وأن اليهود ينفقون مع المؤمنين ما داموا محاربين، وأن يثرب حرام جوفها لأهل هذه الصحيفة، وأن الجار كالنفس غير مضار ولا آثم وأنه لا تجار حرمة إلا بإذن أهلها۔

وأنه ما كان بين أهل هذه الصحيفة من حدث أو اشتجار يخاف فساده فإن مرده إلى الله عز وجل وإلى محمد رسول الله، وأن الله على أتقى ما في هذه الصحيفة وأبره، وأنه لا تجار قريش ولا من نصرها وأن بينهم النصر على من دهم يثرب، وإذا دعوا إلى صلح يصالحونه

وَيَلْبَسُونَهُ فَإِنَّهُمْ يُصَالِحُونَهُ وَيَلْبَسُونَهُ، وَأَنَّهُمْ إِذَا دُعُوا إِلَى مِثْلِ ذٰلِكَ فَإِنَّهُ لَهُمْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا مَنْ حَارَبَ فِي الدِّينِ، عَلَى كُلِّ أُنَاسٍ حِصَّتُهُمْ مِنْ جَانِبِهِمُ الَّذِي قِبَلَهُمْ، وَأَنَّ يَهُودَ الْأَوْسِ مَوَالِيَهُمْ وَأَنْفُسَهُمْ عَلَى مِثْلِ مَا لِأَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ مَعَ الْبِرِّ الْحَسَنِ مِنْ أَهْلِ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَأَنَّ الْبِرَّ دُونَ الْإِثْمِ، لَا يَكْسِبُ كَاسِبٌ إِلَّا عَلَى نَفْسِهِ وَأَنَّ اللّٰهَ عَلَى أَصْدَقِ مَا فِي هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ وَأَبَرِّهِ، وَأَنَّهُ لَا يَحُولُ هٰذَا الْكِتَابُ دُونَ ظَالِمٍ وَآثِمٍ، وَأَنَّهُ مَنْ خَرَجَ آمِنٌ وَمَنْ قَعَدَ آمِنٌ بِالْمَدِينَةِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ أَوْ أَثِمَ، وَأَنَّ اللّٰهَ جَارٌ لِمَنْ بَرَّ وَاتَّقَى. وَمُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ؛"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عہد نامہ جو آپؐ نے مہاجرین
وانصار اور یہود کے درمیان مدینہ میں تحریر کروایا تھا؛ اسے
ہی اب میثاق مدینہ منورہ کہتے ہیں۔

ابن اسحاقؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے مابین تحریر کروایا تھا، اس میں آپؐ نے یہود سے پر سکون رہنے کا معاہدہ کیا، انہیں ان کے دین پہ برقرار رکھا، ان پر شروط عائد کیں اور ان کے لئے شرائط اپنے ذمہ لیں۔

"اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے یہ تحریر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قریش و یثرب کے مومنین و مسلمین اور ان کی پیروی میں ان سے آملنے اور ان کے ساتھ جہاد کرنے والوں کے درمیان لکھی گئی ہے، وہ سب لوگوں سے الگ ایک امت ہیں؛ قریش سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے پہلے طریقے پر رہیں گے، آپس میں دیت یا خون بہا ادا کرتے رہیں گے، وہ اپنے اسیر کا فدیہ متعارف و منصفانہ طریقے سے اسلامی معاشرے میں ادا کرتے رہیں گے۔ بنو عوف بھی اپنے طریقہ پر رہیں گے، اور پہلے طریقے کے مطابق اپنی اپنی دیت ادا کرتے رہیں گے اور ہر گروہ اسلامی

معاشرے میں اپنے اسیر کا فدیہ متعارف و منصفانہ طریقے سے ادا کرتا رہے گا۔ بنو ساعدہ بھی اپنے پہلے طریقے پر رہیں گے اور اپنے رواج کے مطابق اپنا اپنا خون بہا ادا کرتے رہیں گے۔

ہر گروہ کو اسلامی معاشرے میں اپنے مجرم کا فدیہ متعارف و منصفانہ طریقے سے ادا کرنا ہوگا؛ بنو حارث اپنے پرانے طریقے پر رہیں گے، اپنے پرانے طریقے پر خون بہا ادا کرتے رہیں گے، ہر گروہ کو اسلامی معاشرے میں متعارف و منصفانہ طریقے سے اپنے اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔ بنو جشم اپنے پرانے طریقے پر ہوں گے اور پہلے طریقے کے مطابق خون بہا ادا کرتے رہیں گے، ان میں سے ہر گروہ کو متعارف اور منصفانہ طریقے سے اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرنا ہوگا۔ بنو نجار اپنے پرانے طریقے پر ہوں گے اور پہلے کی طرح اپنا اپنا خون بہا ادا کرتے رہیں گے؛ ان میں سے ہر گروہ کو اسلامی معاشرے میں متعارف و منصفانہ طریقے سے اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرنا ہوگا؛ بنو عمرو بن عوف اپنے طریقے پر رہیں گے اور پہلے کی طرح اپنا اپنا خون بہا ادا کرتے رہیں گے۔ ان میں سے ہر گروہ کو اسلامی معاشرے میں اپنے قیدی کا متعارف و منصفانہ طریقے سے فدیہ ادا کرنا ہوگا؛ بنو نبیت اپنے پرانے طریقے پر رہیں گے اور پہلے کی طرح باہم دیت ادا کرتے رہیں گے، ہر گروہ کو اسلامی معاشرے میں متعارف اور منصفانہ طریقے کے مطابق اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرنا ہوگا؛ بنو اوس بھی اپنے پرانے طریقے پر رہیں گے اور پہلے کی طرح باہم دیت ادا کرتے رہیں گے۔ ہر گروہ کو اسلامی معاشرے میں متعارف و منصفانہ طریقے سے اپنے قیدی کا فدیہ ادا کرنا ہوگا؛

اسلامی معاشرے میں قرضے میں دبے ہوئے کسی انسان کو یونہی نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ بیت المال سے معروف طریقے کے مطابق اس کا فدیہ یا خون بہا ادا کیا جائے گا؛ کوئی مومن اسلامی معاشرے میں کسی مومن کے آزاد کردہ غلام یا دوست سے اس کی اجازت کے بغیر معاہدہ نہیں کر سکے گا؛ اسلامی معاشرے میں اگر کسی نے بغاوت و سرکشی دکھائی، یا ظلم اور گناہ کے درپے ہوا، یا

دست درازی کی یا اسلامی معاشرے میں فساد پھیلایا تو سب مومنین متقین اس کے خلاف فردِ واحد کی طرح متحد ہو کر اسے مغلوب کریں گے۔ کوئی مومن کسی مومن کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کرے گا؛ کسی مومن کے خلاف کافر کی مدد نہیں کیجائے گی؛ اللہ کا ذمہ (تحفظ) ایک سا ہے۔ ایک ادنیٰ مسلمان باقی مسلمانوں کی بغیر کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور مومنین دوسروں کے مقابلے میں باہم ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں۔

یہود میں سے جو ہمارے اسلامی معاشرے کے حقوق شہریت حاصل کریگا تو اس کی مدد کیجائے گی اور وہ برابر کے شہری ہوں گے، ان پر ظلم نہ ہوگا اور وہ ایک دوسرے کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے، مومنین کی صلح متفقہ طور پر طے ہوگی، کوئی مومن دوسروں کے بغیر جہاد فی سبیل اللہ کے موقع پر کسی کے ساتھ پرامن رہنے کی بات نہیں کریگا۔ معاہدہ امن سب کی طرف سے عدل و مساوات کی بنیاد پر ہی طے ہوگا؛ ہمارے ساتھ شریک جہاد ہونے والا گروہ باری باری لڑے گا؛ اللہ کی راہ میں جانیں قربان کرنے والے اور خون بہانے والے سب مومن برابر ہیں؛ متقی اہل ایمان ہی بہترین اور مناسب ترین راہ ہدایت پر ہیں؛ کوئی مشرک قریش کے مال یا کسی فرد کو پناہ نہیں دے سکے گا؛ اگر کسی نے قتل کر کے مومن کی جان لے لی اور اس پر گواہ بھی موجود ہوئے تو اسے قصاص دینا ہوگا حتیٰ کہ مقتول کا وارث صلح پر راضی ہو جائے، سب مومن اس پر کاربند رہیں گے بلکہ ان کے لئے تو اس پر قائم رہنے کے علاوہ کوئی بات جائز ہی نہ ہوگی؛ جس مومن نے اس نوشت کے مندرجات کا اقرار کر لیا تو اس کے لئے جائز نہ ہوگا اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے کہ وہ کسی خلاف ورزی کرنے والے کی مدد کرے یا اسے پناہ دے؛ اگر کسی نے مدد کی یا پناہ دی تو اس پر اللہ کی لعنت ہے اور قیامت کے دن اس پر اللہ کا غضب ہوگا؛ اس سے کوئی توبہ یا فدیہ نہیں قبول کیا جائے گا، اس سلسلے میں جب کبھی بھی کوئی اختلاف ہوا تو

اسے اللہ عزوجل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹانا ہوگا۔

جنگ کے دوران مومنین کی طرح یہود بھی اخراجات جنگ برداشت کریں گے

بنو عوف کے یہودی مسلمانوں کی طرح ایک امت ہیں، یہودیوں کا اپنا دین اور مسلمانوں کا اپنا دین، خواہ ان کے آزاد کردہ غلام یا دوست ہوں یا وہ خود ہوں، ہاں مگر جس نے ظلم و گناہ کا ارتکاب کیا تو وہ خود کو اور اپنے اہل خانہ کو ہی تباہ کرے گا، بنو نجار کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو بنو عوف کے یہودیوں کے لئے ہے، بنو ساعدہ کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو بنو عوف کے یہودیوں کے لئے ہے۔ بنو جشم کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو یہود بنو عوف کے لئے ہے، بنو اوس کے یہودیوں کے لئے بھی وہی کچھ ہے جو یہود بنو عوف کے لئے ہے، ہاں مگر جو ظلم و گناہ کا ارتکاب کرے تو وہ خود کو اور اپنے اہل خانہ کو تباہ کرے گا، بنو جفنہ بھی بنو ثعلبہ کی طرح ایک خانوادہ ہیں، بنو شطنہ یہود بنو عوف کی طرح قبائلی حقوق رکھتے ہیں، نیکی گناہ سے روکتی ہے، بنو ثعلبہ کے موالی بھی انہی کی طرح ہیں، یہود کے گھریلو آدمی بھی ان کی طرح ہوں گے، ان میں سے کوئی بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر نہیں نکل سکے گا۔ زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی، اگر کسی نے کسی کو دھوکے سے قتل کیا تو اس نے خود کو اور اپنے اہل خانہ کو دھوکے سے قتل کیا۔ ہاں اگر کسی پر ظلم کیا جائے تو الگ بات ہے، اللہ تو نیک تر سے راضی ہے، یہودی اپنے اخراجات خود اٹھائیں گے، مسلمان بھی اپنے اخراجات خود اٹھائیں گے، اس معاہدہ پر متفق ہونے والوں سے جو بھی لڑے گا تو وہ سب آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ان میں خیر خواہی اور بھلائی قائم رہے گی، نیکی برائی سے روکتی ہے، اور کبھی کسی شخص نے اپنے حلیف کے ساتھ برا نہیں کیا اور مدد تو مظلوم کے لئے ہوتی ہے۔ یہود مومنین کی طرح خرچ کرتے رہیں گے جب تک وہ لڑتے رہیں گے۔ اس معاہدے پر متفق ہونے والوں کے لئے یثرب کا داخلی علاقہ حرم اور محفوظ جگہ کی حیثیت رکھتا ہے، پڑوسی بھی

دوسرے پڑوسی کی طرح ہے نہ نقصان دے گا نہ برائی کرے گا اور مالکوں کی
اجازت کے بغیر کسی محفوظ جگہ کے پاس رہنے کی ممانعت ہوگی۔

اس دستاویز والوں کے درمیان اگر کوئی واقعہ پیش آئے یا جھگڑا پیدا ہو
جس سے فساد کا ڈر ہو تو اسے اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
طرف لوٹانا ہوگا۔ اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کا محافظ ہوگا جو اس دستاویز
میں موجود شرائط کی پابندی کے سلسلے میں سب سے زیادہ متقی اور نیک ہوگا۔
قریش اور ان کے مددگاروں کی پناہ نہیں حاصل کی جائے گی۔ یثرب پر حملہ آور
کے خلاف سب ایک دوسرے کی مدد کریں گے، جب انہیں صلح کی دعوت دی
جائے گی تو وہ مصالحت کریں گے اور اسے عملی جامہ پہنائیں گے ایسی صورت میں انہیں
(یہود کو) بھی مصالحت کرنا اور اسے عملی جامہ پہنانا ہوگا، اور اگر انہیں (یہود
کو) ایسی ہی بات کی دعوت دی گئی تو مومنین پر بھی ان کی خاطر یہی کچھ لازم ہوگا۔
ہاں اگر کوئی دین کے معاملے میں لڑے تو الگ بات ہے سب لوگوں پر ان کا
حصہ واجب ہے جو ان کی جانب ہے، بنو اوس کے یہود۔ ان کے موالی اور
خود ان پر بھی وہی کچھ ہے جو اس دستاویز والوں پر ہے، ساتھ ہی اس
دستاویز والوں کی طرف سے حسن سلوک بھی۔ اور یہ کہ نیکی برائی کے لئے رکاوٹ
ہے، کام کرنے والا جو کچھ کرتا ہے اس کی ذمہ داری اسی پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ
اس کا حامی ہوگا جو اس دستاویز کی شرائط کے سلسلے میں سب سے زیادہ
سچا اور نیک ہوگا۔ یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم کے لئے رکاوٹ کا کام نہیں
دے گا۔ شہر سے جو باہر جائے وہ بھی محفوظ ہے اور جو مقیم رہے گا وہ بھی محفوظ
ہوگا سوائے ظلم اور جرم کرنے والے کے اور اللہ تعالیٰ کی معیت اسی کا حق
ہے جو سب سے زیادہ نیک اور متقی ہوگا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ
کے رسول ہیں!

كتاب الصلح الذي تم عام الحديبية

وقال ابن هشام وغيره من المؤرخين: إن قريشا صدت رسول الله
صلى الله عليه وسلم وأصحابه عن زيارة بيت الله الحرام عام الحديبية
في السنة السادسة من الهجرة وجرت المفاوضات بينه وبين قريش
ثم بعثوا سهيل بن عمرو أخا بني عامر بن لؤي يطلبون الصلح فوافق
صلى الله عليه وسلم بذلك ودعا علي بن أبي طالب رضي الله عنه
فقال له: اكتب: "بسم الله الرحمن الرحيم" فقال سهيل: لا نعرف
هذا ولكن اكتب: باسمك اللهم. فقال المسلمون: والله لا نكتب
إلا بسم الله الرحمن الرحيم! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
اكتب باسمك اللهم! فكتبها علي كرم الله وجهه ثم قال له
رسول الله صلى الله عليه وسلم: اكتب: هذا ما صالح عليه
محمد رسول الله سهيل بن عمرو. فقال سهيل: والله لو كنا
نعلم أنك رسول الله ما صددناك عن البيت ولا قاتلناك ولكن
اكتب: محمد بن عبد الله! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم:
والله إني رسول الله وإن كذبتموني! ثم قال لعلي رضي الله عنه
امح رسول الله! فقال: والله لا أمحوك أبدا! فقال: أرنيه فأراه
إياه فمحاه بيده الشريفة ثم قال: اكتب:

"هذا ما صالح عليه محمد بن عبد الله سهيل بن عمرو:
اصطلحا على وضع الحرب عن الناس عشر سنين، يأمن فيه
الناس، ويكف بعضهم عن بعض على أنه من أتى محمدا من قريش
بغير إذن وليه رده عليهم ومن جاء قريشا ممن مع محمد لم
يردوه عليه، وأن بيننا عيبة مكفوفة وأنه لا إسلال ولا
إغلال، وأنه من أحب أن يدخل في عقد محمد وعهده دخل

فِيْهِ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْخُلَ فِي عَقْدِ قُرَيْشٍ وَعَهْدِهِمْ دَخَلَ فِيْهِ ؟"

وَأَضَافَ سُهَيْلٌ قَائِلًا : "وَأَنَّكَ تَرْجِعُ عَنَّا عَامَكَ هٰذَا فَلَا تَدْخُلُ عَلَيْنَا مَكَّةَ، وَأَنَّهُ إِذَا كَانَ عَامُ قَابِلٍ خَرَجْنَا عَنْكَ فَدَخَلْتَهَا بِأَصْحَابِكَ فَأَقَمْتَ بِهَا ثَلَاثًا مَعَكَ سِلَاحُ الرَّاكِبِ، السُّيُوْفُ فِي الْقُرُبِ لَا تَدْخُلُهَا بِغَيْرِ هٰذَا !"

فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الْكِتَابِ، أَشْهَدَ عَلَى الصُّلْحِ رِجَالًا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرِجَالًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَمِنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ وَعَلِيٌّ وَسَعْدٌ وَ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم

صلح نامہ جو حدیبیہ والے سال انجام پایا

ابن ہشام اور دیگر مؤرخین کا قول ہے کہ حدیبیہ والے سال یعنی سنہ ۶ ہجری میں قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام کو بیت اللہ کی زیارت سے روک دیا تھا، آپؐ کے ساتھ قریش کے مذاکرات ہوئے پھر انہوں نے سہیل بن عمرو کو، جو بنو عامر بن لؤی سے تھا، صلح کے لئے بھیجا تو آپؐ بھی اس پر متفق ہو گئے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے کہا: "لکھو اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے،" تو سہیل نے کہا: "ہم تو اسے نہیں جانتے، بلکہ تم لکھو اللّٰھم تیرے نام سے!" تب مسلمانوں نے کہا: اللہ کی قسم! ہم تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہی لکھیں گے!" مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لکھو: باسمك اللّٰھم، چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہی لکھ دیا، پھر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لکھو: یہ ہے جس پر محمد رسول اللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی!" سہیل نے کہا: "بخدا اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو نہ تو آپ کو بیت اللہ سے روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے، بلکہ آپ لکھئے، محمد بن عبداللہ!" اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کی قسم! میں تو یقیناً اللہ کا رسول ہوں، اگرچہ تم لوگوں نے جھٹلایا ہے!" پھر آپ نے حضرت

علیؓ سے کہا: "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دو، مگر انھوں نے کہا: "واللہ! میں تو یہ کبھی نہیں مٹاؤں گا!" آپ نے ان سے کہا: "تو مجھے دکھاؤ یہ لفظ کہاں ہے،" حضرت علیؓ نے وہ لفظ آپ کو دکھایا جسے آپؐ نے اپنے دست مبارک سے محو کر دیا، پھر کہا: لکھو:

"یہ ہے جس پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی، ان دونوں نے طے کیا کہ دس سال تک لوگوں کے لئے جنگ موقوف کر دی جائے۔ اس دوران میں لوگ آرام سے رہیں، ایک دوسرے سے تعرض نہ کریں، اس کے علاوہ قریش کا کوئی آدمی اگر اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آجائے تو وہ اسے واپس کر دیں گے، اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی ساتھی قریش کے پاس آیا تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے، ہمارے درمیان زنبیل بند رہے گی (دشمنی کی باتیں بند رہیں گی) چوری یا غداری نہ ہوگی، جو محمدؐ کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا پسند کریں گے ہو سکیں گے اور جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا پسند کریں گے ہو سکیں گے۔"

سہیل نے اضافہ کیا کہ آپ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر لوٹ جائیں گے آئندہ سال ہم مکہ خالی کر کے چلے جائیں گے، آپ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ داخل ہوں گے، تین دن ٹھہریں گے، آپ کے پاس سوار کا اسلحہ ہو سکتا ہے۔ تلواریں میانوں میں رہیں گی۔ اس کے علاوہ اسلحہ لیکر آپ مکہ میں داخل نہیں ہوں گے!"

جب یہ صلح نامہ تحریر ہو گیا تو اس پر کچھ مسلمانوں اور بعض مشرکین نے بطور گواہ دستخط کئے[1] مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت سعد اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم نے بطور گواہ دستخط کئے۔

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲/۲۳۰، الروض الانف ۲/۲۲۹، اعجاز القرآن للباقلانی ص ۱۱۴، الطبری ۳/۷۹، الکامل لابن الاثیر ۲/۷۷، السیرۃ الحلبیۃ ۲/۲۴۴۔ جمہرۃ رسائل العرب ۱/۳۰، صبح الاعشیٰ ۴/۱۴،

(۳)

عَهْدُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ أَيْلَةَ وَغَيْرِهِمْ بِالْأَمَانِ۔

وَلَمَّا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَبُوْكَ فِي السَّنَةِ التَّاسِعَةِ مِنَ الْهِجْرَةِ، جَاءَهُ يُحَنَّةُ بْنُ رُؤْبَةَ صَاحِبُ أَيْلَةَ وَصَحِبَتْهُ أَهْلُ جَرْبَاءَ وَأَهْلُ أَذْرُحَ وَأَهْلُ مِيْنَاءَ فَصَالَحَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِعْطَاءِ الْجِزْيَةِ وَكَتَبَ لَهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابَ الْأَمَانِ[1] وَهٰذَا نَصُّهُ:

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. هٰذَا أَمَنَةٌ مِنَ اللهِ وَمُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ لِيُحَنَّةَ بْنِ رُؤْبَةَ وَأَهْلِ أَيْلَةَ سُفُنُهُمْ وَسَيَّارَتُهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ، لَهُمْ ذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ وَمَنْ كَانَ مَعَهُمْ مِنْ أَهْلِ الشَّامِ وَأَهْلِ الْيَمَنِ وَأَهْلِ الْبَحْرِ، فَمَنْ أَحْدَثَ مِنْهُمْ حَدَثًا فَإِنَّهُ لَا يَحُوْلُ مَالُهُ دُوْنَ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ طَيِّبٌ لِمَنْ أَخَذَهُ مِنَ النَّاسِ وَإِنَّهُ لَا يَحِلُّ أَنْ يُمْنَعُوْا مَاءً يَرِدُوْنَهُ وَلَا طَرِيْقًا يُرِيْدُوْنَهُ مِنْ بَرٍّ أَوْ بَحْرٍ"

اہل ایلہ وغیرہ کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نامہ

سنہ ۹ ہجری میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تھے تو آپ کے پاس یحنہ بن روبہ صاحب ایلہ حاضر ہوا۔ اس کے ہمراہ جرباء، اذرح اور میناء کے لوگ بھی تھے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جزیہ دینے پر صلح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جو دستاویز امان لکھ کر دی اس کا متن یہ تھا۔

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے یہ امان ہے اللہ اور نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یحنہ بن روبہ اور اہل ایلہ کے لئے، ان کے سمندری

[1] سیرۃ ابن ہشام ۲۲۳/۲، الروض انف ۳۱۹/۲، جمہرۃ رسائل العرب ۴۸/۱ الزرقانی ۱۲/۳، السیرۃ الحلبیۃ ۲۶۴/۲۔

اور بری قافلوں کے لئے، انہیں اللہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ وتحفظ حاصل ہے اس امان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو شام، یمن اور سمندری علاقے سے ان کے ساتھ ہیں۔ اب اگر ان میں سے کوئی عہد توڑے گا تو اس کا مال اس کی جان کو بچا نہیں سکے گا، اس کا مال جو بھی بطور غنیمت لے لے گا اس کے لئے حلال ہوگا، یہ جائز نہ ہوگا کہ انہیں کسی پانی پر وارد ہونے سے روکا جائے یا بری وسمندری راستے پر سفر سے منع کیا جائے۔"

(۴)

كِتَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ أَذْرُحَ وَجَرْبَاءَ بِالْأَمَانِ۔

وَكَتَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَانًا لِأَهْلِ أَذْرُحَ وَجَرْبَاءَ وَهٰذَا نَصُّهُ[1]:

"بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ لِأَهْلِ أَذْرُحَ وَجَرْبَاءَ، إِنَّهُمْ آمِنُوْنَ بِأَمَانِ اللهِ وَأَمَانِ مُحَمَّدٍ، وَإِنَّ عَلَيْهِمْ مِائَةَ دِيْنَارٍ فِي كُلِّ رَجَبٍ وَافِيَةً طَيِّبَةً، وَاللهُ كَفِيْلٌ عَلَيْهِمْ بِالنُّصْحِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى الْمُسْلِمِيْنَ، وَمَنْ لَجَأَ إِلَيْهِمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِي الْمَخَافَةِ وَالتَّعْزِيْرِ"

اہل اذرح وجرباء کے لئے امان نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اذرح وجرباء کے لئے جو امان نامہ تحریر کروایا تھا اس کا متن یہ ہے۔

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے، یہ ہے امان نامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اہل اذرح وجرباء کے لئے، انہیں اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امان کے ذریعے حفاظت حاصل ہے۔ ان پر ایک سو دینار جزیہ ہوگا جو ہر ماہ

[1] سیرۃ الحلبیۃ ۲۶۴/۲، الزرقانی ۴۱۳/۳، جمہرۃ رسائل العرب ۴۹/۱

رجب میں پورا پورا ادا کیا جائے گا، مسلمانوں کی خیرخواہی اور بھلائی کے لیے ان کا اللہ ضامن ہے، خوف اور امداد کے لئے ان کے پاس جو مسلمان پناہ لے گا اس پر بھی اللہ ضامن ہے!"

(۵)

عهده صلی اللہ علیہ وسلم لبني كلب

وكان قطن بن حارثة العليمي قد قدم على النبي صلى الله عليه وسلم في وفد بني كلب فكتب له رسول الله صلى الله عليه وسلم كتابا وهذا نصه[1]؛

"هذا كتاب من محمد رسول الله لعمائر كلب وأحلافها ومن ظاره الإسلام من غيرها مع قطن بن حارثة العليمي بإقامة الصلوة لوقتها وإيتاء الزكوة بحقها في شدة عقدها ووفاء عهدها بمحضر شهود من المسلمين: سعد بن عبادة وعبد الله بن أنيس ودحية بن خليفة الكلبي؛

عليهم في الهمولة الراعية البساط الظؤار، في كل خمسين ناقة غير ذات عوار. والحمولة المائرة لهم لاغية، وفي الشوي الوري مسنة حامل أو حائل، وفيما سقى الجدول من العين المعين العشر من ثمرها ومما أخرجت أرضها، وفي العذي شطره بقيمة الأمين، لا تزاد عليهم وظيفة، ولا تفرق، يشهد الله تعالى على ذلك ورسوله!"

بنی کلب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد نامہ

بنو کلب کا قطن بن حارثہ العلیمی بنو کلب کے وفد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اسے ایک دستاویز لکھ کر دی تھی جس کا متن یہ ہے۔

[1] العقد الفرید ۱۹/۱، جمہرۃ رسائل العرب ۵۲/۱ - ۵۱

"بنو کلب کے قبائل، ان کے حلیفوں اور ان کے علاوہ اسلام سے ہمدردی رکھنے والوں میں سے جو قطن بن حارثہ العلیمی کے ہمراہ تھے، کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ دستاویز ہے کہ وہ وقت پر نماز ادا کرتے رہیں گے، پابندی کے ساتھ کما حقہٗ زکوٰۃ ادا کرتے رہیں گے اور اپنے عہد کی پابندی کریں گے۔ یہ دستاویز حسب ذیل مسلمان گواہوں کی موجودگی میں تحریر ہوئی۔

سعدؓ بن عبادۃ، عبد اللہؓ بن انیس اور دحیہؓ بن خلیفہ الکلبی!۔

ان پر واجب ہوگا کہ کھلی اور آزاد چرنے والی اور اپنے بچوں پر شفقت کرنے والی پچاس اونٹنیوں میں سے ایک بے عیب اونٹنی ادا کرتے رہیں، جبکہ بوجھ اٹھانے والی کسب معاش میں کام آنے والی اونٹنیوں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور موٹی تازی دودھ دینے والی بکریوں میں سے ایک حاملہ یا دودھ دینے والی بکری زکوٰۃ کے طور پر ادا کرتے رہیں، ایسی زمین جسے چشمے کی نہر سے سیراب کیا جائے اس کی پیداوار اور پھلوں پر عشر ہے، کھجور یا بارش کے پانی سے سیراب ہونے والے پودوں کی پیداوار میں کسی امانتدار کی طرف سے طے کردہ قیمت کے مطابق نصف حصہ؛ ان پر اس سے زیادہ زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی اور اس میں فرق بھی نہیں لایا جائے گا؛ اس پر اللہ اور اس کا رسول گواہ ہے اور یہ دستاویز ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے تحریر کی تھی!"

(۶)

كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى بني نهد

وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد كتب كتابا مع طهفة بن أبي زهير النهدي حين وفد عليه في وفد

[1] العقد الفرید ۱۱۴/۱، الزرقانی ۱۹۲/۴، المثل السائر ص ۹۳، الشفا ۱۴۰/۱، صبح الاعشی ۲۲۴/۲، جمہرۃ رسائل العرب ۵۷/۱۔

بَنِي نَهْدٍ، وَهٰذَا النَّصُّ[1]:-

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ إِلٰى بَنِي نَهْدِ بْنِ زَيْدٍ، اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ، لَكُمْ يَا بَنِي نَهْدٍ فِي الْوَظِيْفَةِ الْفَرِيْضَةُ، وَلَكُمُ الْعَارِضُ وَالْفَرِيْشُ وَذُو الْعِنَانِ الرَّكُوْبُ وَالْفَلُوُّ الضَّبِيْسُ، لَا يُمْنَعُ سَرْحُكُمْ وَلَا يُعْضَدُ طَلْحُكُمْ وَلَا يُحْبَسُ دَرُّكُمْ وَلَا يُؤْكَلُ أُكُلُكُمْ مَا لَمْ تُضْمِرُوا الْإِمَاقَ وَتَأْكُلُوا الرِّبَاقَ مَنْ أَقَرَّ بِمَا فِي هٰذَا الْكِتَابِ فَلَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ الْوَفَاءُ بِالْعَهْدِ وَالذِّمَّةِ، وَمَنْ أَبٰى فَعَلَيْهِ الرَّبْوَةُ!"

بنو نہد کے لئے دستاویز نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طہفہ بن ابی زہیر نہدیؓ کے ہمراہ ایک مکتوب ارسال فرمایا تھا، جب وہ بنو نہد کے وفد کے ہمراہ دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے تھے، جس کا متن یہ ہے۔

"اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے! جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ان پر سلام! اے بنو نہد! تم پر نصاب زکوٰۃ میں سے ایک بڑی اونٹنی فرض ہوگی، بیمار، نئی نئی بچہ دینے والی، لگام والے گھوڑے اور سواری کے ناقابل گھوڑی کے بچے میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہوگی، تمہارے چرنے والے مویشی کو نہیں روکا جائے گا، تمہارے کانٹے والے درخت نہیں کاٹے جائیں گے، تمہارے دودھ دینے والے مویشی کو نہیں روکا جائے گا، تمہاری پیداوار نہیں کھائی جائے گی بشرطیکہ تمہارے دلوں میں عہد شکنی نہ ہو اور وعدہ خلافی نہ کرو! جس نے اس مکتوب کے مندرجات کا اقرار کیا تو اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایفائے عہد اور ذمہ محفوظ ہے اور جو انکار کرے گا اس پر بطور سزا زیادہ عائد کیا جائے گا!

كِتَابُهُ صلى الله عليه وسلم إِلٰى أَبِي ضُمَيْرَةَ وَأَهْلِ بَيْتِهِ

وَكَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم كِتَابًا إِلٰى أَبِي ضُمَيْرَةَ وَأَهْلِ بَيْتِهِ وَهُمْ أَهْلُ بَيْتٍ مِنَ الْعَرَبِ كَانُوْا مِمَّا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهِ، وَهٰذَا النَّصُّ[1]:-

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِأَبِي ضُمَيْرَةَ وَأَهْلِ بَيْتِهِ، إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ أَعْتَقَهُمْ، وَأَنَّهُمْ أَهْلُ بَيْتٍ مِنَ الْعَرَبِ، إِنْ أَحَبُّوْا أَقَامُوْا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ، وَإِنْ أَحَبُّوْا رَجَعُوْا إِلٰى قَوْمِهِمْ فَلَا يُعْرَضُ لَهُمْ إِلَّا بِحَقٍّ، وَمَنْ لَقِيَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَلْيَسْتَوْصِ بِهِمْ خَيْرًا،

وَكَتَبَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رضي الله عنه

فَاخْتَارَ أَبُوْ ضُمَيْرَةَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَدَخَلَ فِي الْإِسْلَامِ.

ابو ضمیرہؓ اور ان کے خاندان کے لئے دستاویز نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ضمیرہؓ اور ان کے خاندان کے لئے ایک دستاویز تحریر فرمائی تھی، یہ لوگ اہل عرب میں سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جنگ کے دوران قیدی ہو کر بطور مال غنیمت لائے گئے تھے، دستاویز کا متن یہ ہے۔

"اللہ رحمان ورحیم کے نام سے، یہ دستاویز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ابو ضمیرہؓ اور ان کے خاندان کے لئے تحریر ہوئی ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے انہیں آزاد فرما دیا ہے، وہ بھی ایک عرب خاندان ہیں اگر وہ چاہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو اپنے قبیلے کی طرف لوٹ سکتے ہیں، ان سے سوائے کسی حق بات کے تعرض نہیں

---

[1] الزرقانی ۳۲۳/۳، الاصابۃ ۲۷۵/۴، اسد الغابۃ ۴۷/۳
جمہرۃ رسائل العرب ۱/۷۰

کیا جائے گا، مسلمانوں میں سے جو بھی ان سے ملے اسے ان کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرنا چاہیئے!"

یہ دستاویز حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمائی تھی۔

ابوضمیرہؓ نے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کر لیا اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

(۸)

كِتَابُهُ صلى الله عليه وسلم لِبَنِي ضَمْرَةَ بِالْمُوَادَعَةِ وَالْأَمَانِ

وَكَتَبَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَهْدًا لِبَنِي ضَمْرَةَ بِالْمُوَادَعَةِ وَنَصُّهُ كَمَا يَلِي:[1]

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللَّهِ لِبَنِي ضَمْرَةَ بِأَنَّهُمْ آمِنُونَ عَلَى أَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ، وَأَنَّ لَهُمُ النَّصْرَ عَلَى مَنْ نَاوَأَهُمْ، وَأَنْ لَا يُحَارِبُوا فِي دِينِ اللَّهِ مَا بَلَّ بَحْرٌ صُوفَةً، وَأَنَّ النَّبِيَّ إِذَا دَعَاهُمْ لِنَصْرِهِ أَجَابُوهُ، عَلَيْهِمْ بِذٰلِكَ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ وَلَهُمُ النَّصْرُ عَلَى مَنْ بَرَّ مِنْهُمْ وَاتَّقَى!"

ابوضمرہ کے لئے امان نامہ نبویؐ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ضمرہ کے لئے جو صلح و امان کی دستاویز عطا فرمائی تھی اس کا متن حسب ذیل تھا۔

"اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ دستاویز ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بنو ضمرہ کے لئے تحریر ہوئی، ان کے جان و مال کے لئے امان ہے۔ ان سے جو دشمنی کرے گا اس کے خلاف ان کی مدد ہو گی۔ اللہ کے دین کے سلسلے میں ان سے کبھی بھی جنگ نہ کی جائے، اللہ کا نبی جب بھی انہیں اپنی مدد کے لئے بلائے گا تو وہ مدد کو آئیں گے۔ اس سلسلے میں انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تحفظ و ذمہ داری حاصل ہے۔ ان میں سے جو نیک اور متقی ہو گا اسے مدد حاصل ہو گی!"

---

[1] جمہرۃ رسائل العرب ۱/۰، مفتاح الافکار ص ۴۹

(۹)

كِتَابُهُ صلى الله عليه وسلم لِلدَّارِيِّينَ

وَلَمَّا هَاجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم إِلَى الْمَدِينَةِ قَدِمَ عَلَيْهِ الدَّارِيُّونَ فَسَأَلُوهُ أَنْ يُجَدِّدَ لَهُمُ الْكِتَابَ الَّذِي كَانَ فَكَتَبَ لَهُمْ وَهُوَ بِمَكَّةَ فَكَتَبَ لَهُمْ كِتَابًا وَهٰذَا نَصُّهُ:[1]

"بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذَا مَا أَنْطَى مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ لِتَمِيمٍ الدَّارِيِّ وَأَصْحَابِهِ: إِنِّي أَنْطَيْتُكُمْ بَيْتَ عَيْنُونَ وَحَبْرُونَ وَالْمَرْطُومَ وَبَيْتَ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ بِرُمَّتِهِمْ وَجَمِيعَ مَا فِيهِمْ نِطْيَةَ بَتٍّ، وَنَفَّذْتُ وَسَلَّمْتُ ذٰلِكَ لَهُمْ وَلِأَعْقَابِهِمْ مِنْ بَعْدِهِمْ أَبَدَ الْأَبَدِ، فَمَنْ آذَاهُمْ فِيهَا آذَاهُ اللَّهُ!"

شَهِدَ بِذٰلِكَ أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي قُحَافَةَ وَعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَعَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ وَمُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ، وَكَتَبَ:

داریین کے لئے دستاویز نبویؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو داری آپ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ عطیہ کے بارے میں جو دستاویز ان کے لئے آپ نے مکہ میں تحریر کی تھی اس کی تجدید کر دیں چنانچہ آپ نے ان کے لئے جو دستاویز لکھائی اس کا متن یہ ہے۔

"اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے، یہ وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داریؓ اور ان کے ساتھیوں کے لئے عطا کیا ہے۔ میں نے تمہیں بیت عینون، جبرون، مرطوم اور بیت ابراہیمؑ مکمل طور پر عطا کئے ان میں جو کچھ بھی ہے وہ تمہارے لئے قطعی عطیہ ہے، میں نے اسے نافذ کیا اور یہ بستیاں ان کے سپرد کر دی ہیں جو ان کے لئے اور ان کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی نسل کے پاس رہیں گی۔ تو اس سلسلے میں جو انہیں اذیت دے اللہ تعالیٰ اسے اذیت دے گا!"

اس پر گواہ ہوئے، ابوبکر بن ابی قحافہؓ، عمر بن الخطابؓ، عثمانؓ بن عفان، علی بن ابی طالبؓ اور معاویہؓ بن ابی سفیان، اور انہوں نے ہی لکھا بھی۔

---

[1] الزرقانی ۳/۴۱۱، تہذیب تاریخ ابن عساکر ۳/۳۵۲، معجم البلدان ۳/۲۰۸، صبح الاعشیٰ ۱۳/۱۲۰، السیرۃ الحلبیۃ ۲/۳۴۶، جمہرۃ رسائل العرب ۱/۴۳

عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم لأهل نجران (1)

وكانت نجران قد فتحت سنة عشر صلحا لقدوم على رسول الله صلى الله عليه وسلم وفد من نصارى نجران وفيهم السيد واسمه وهب والعاقب واسمه عبد المسيح والأسقف واسمه أبو حارثة، وأراد رسول الله صلى الله عليه وسلم مباهلتهم فامتنعوا وصالحوه، فكتب لهم كتاب الصلح ونصه كما يلي:

بسم الله الرحمن الرحيم: هذا ما كتب محمد النبي رسول الله لأهل نجران إذ كان له عليهم حكمه في كل ثمرة وفي كل صفراء وبيضاء وسوداء ورقيق، فأفضل ذلك عليهم، وترك ذلك كله لهم على ألفي حلة من حلل الأواقي، في كل رجب ألف حلة وفي كل صفر ألف حلة، كل حلة أوقية من الفضة، فما زادت على الخراج، أو نقصت عن الأواقي فبالحساب، وما قضوا من دروع أو خيل أو ركاب أو عروض أخذ منهم بالحساب،

وعلى نجران مثوى رسلي شهرا فدونه، ولا تحبس رسلي فوق شهر، وعليهم عارية ثلاثين درعا وثلاثين فرسا وثلاثين بعيرا إذا كان كيد باليمن ومعرة، وما هلك مما أعاروا رسلي من دروع أو خيل أو ركاب أو عروض، فهم ضمن حتى يردوه إليهم.

ولنجران وحاشيتها جوار الله وذمة محمد النبي رسول الله على أموالهم وأنفسهم وملتهم وغائبهم وشاهدهم وعشيرتهم وبيعهم وكل ما تحت أيديهم من قليل أو كثير، لا يغير أسقف من أسقفيته، ولا راهب عن رهبانيته، ولا كاهن عن كهانته وليس عليهم دية ولا دم جاهلية، ولا يحشرون ولا يعشرون، ولا يطأ أرضهم جيش ومن سأل منهم حقا فبينهم النصف غير ظالمين ولا مظلومين، ومن أكل منهم ربا من ذي قبل فذمتي منه بريئة، ولا يؤخذ رجل منهم بظلم آخر. ولهم على ما في هذا الكتاب جوار الله وذمة محمد النبي رسول الله أبدا حتى يأتي الله بأمره ما نصحوا أو أصلحوا فيما عليهم غير منقلبين بظلم!"

شهد أبو سفيان بن حرب وغيلان بن عمرو ومالك بن عوف من بني نصر والأقرع بن حابس الحنظلي والمغيرة بن شعبة، وكتب.

(1) جمهرة رسائل العرب ۱/۷۶، کتاب الخراج لأبي يوسف ص ۷۸، فتوح البلدان ص ۷۱

اہل نجران کے لئے عہد نامہ نبوی

نجران دس ہجری میں صلح سے فتح ہوا۔ نجران کے نصاریٰ کا ایک وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جس میں ان کا سردار وہب، نائب سردار عبدالمسیح اور پادری ابوحارثہ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مباہلہ کرنا چاہتے تھے مگر وہ اس کیلئے تیار نہ ہوئے اور آپ سے صلح کر لی۔ آپ نے انہیں صلح نامہ تحریر کر دیا جس کا متن یہ تھا۔

"اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے، یہ دستاویز ہے جو نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کیلئے تحریر فرمائی جب تک آپ کی حکومت قائم رہے گی پھل، سونا، چاندی، لونڈی غلام کے بارے میں آپ کا حکم مانا جائیگا یہ سب چیزیں آپ نے اس شرط پر ان کے لئے باقی رہنے دیں کہ دو ہزار چادریں جو اوقیہ کی قیمت والی چادروں میں سے ہوں گی یہ لوگ ادا کرتے رہیں گے۔ ہر رجب میں ایک ہزار چادریں پھر ہر ماہ صفر میں ہزار چادریں دیں گے ہر چادر کی قیمت چاندی کا ایک اوقیہ ہوگی پھر خراج میں جو چیز زیادہ ہوگی یا اوقیہ کی قیمت کے لحاظ سے کم ہوگی تو اس کا الگ حساب لگا لیا جایا کریگا۔ اسی طرح وہ جو زرہیں تیار کریں یا ان کے پاس گھوڑے، اونٹ یا سامان ہوگا اس کا بھی حساب لگا کر خراج وصول کیا جایا کرے گا۔

یہ اہل نجران کے ذمہ ہوگا کہ وہ ایک ماہ یا اس سے کم عرصہ کے لئے میرے فرستادہ آدمیوں کی رہائش کا بھی بندوبست کریں۔ میرے فرستادہ لوگ ایک ماہ سے زیادہ وہاں نہیں رکیں گے، اگر یمن میں دھوکہ یا غداری ہو تو اس صورت میں اہل نجران تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریۃً مہیا کریں گے۔ یہ لوگ میرے آدمیوں کو جو کچھ بھی (زرہوں، گھوڑوں، اونٹوں یا سامان) میں سے ادھار دیں گے اس کے وہ (میرے آدمی) ضامن ہونگے حتی کہ وہ انہیں اسی طرح لوٹا دیں۔

نجران اور آس پاس کے علاقوں کیلئے اللہ کی ہمسائیگی اور نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمانت اور ذمہ داری حاصل ہے۔ ان کے مال، جان، اراضی، ان کے ہم مذہب، غائب، حاضر، ان کے رشتہ دار، ان کی عبادت گاہیں، اور ہر وہ چیز جو تھوڑی بہت ان کے قبضے میں ہے سب کا تحفظ ہوگا۔ کسی پادری کو اس کے عہدے سے نہیں بدلا جائے گا، کوئی راہب اپنی رہبانیت یا کوئی کاہن اپنی کہانت سے نہیں روکا جائے گا۔ ان لوگوں سے کوئی بدسلوکی یا کمینہ پن کا برتاؤ نہ ہوگا اور نہ ان پر جاہلیت کا کوئی خون بہا عائد ہوگا، نہ تو انہیں جہاد میں شرکت کے لئے بلایا جائے گا اور نہ ان سے عشر وصول کیا جائے گا، نہ ان کی زمین پر کوئی لشکر کبھی قدم رکھے گا۔ جو بھی ان سے کسی حق کا مطالبہ کریگا، تو ان کے درمیان انصاف ہوگا۔ نہ کوئی کسی پر ظلم کرے گا نہ اس پر ظلم ہوگا

ان لوگوں میں سے آئندہ جس نے سود کھایا اس سے میرا وعدۂ تحفظ بری ہے ان میں سے کسی شخص کو کسی دوسرے کے ظلم کے بدلے میں نہیں پکڑا جائے گا، اس دستاویز میں جو کچھ ہے اس پر انہیں ہمیشہ کے لئے اللہ کی ہمسائگی اور نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ و تحفظ حاصل رہے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے۔ بشرطیکہ وہ مخلص اطاعت گزار اور اپنے واجبات کے سلسلے میں اصلاح کا راستہ اختیار کریں، کسی ظلم کی وجہ سے سرکشی یا فرار نہ اختیار کریں!"

اس دستاویز پر گواہ ابوسفیان بن حرب، غیلان بن عمرو، مالک بن عوف، بنی نصر سے، اقرع بن حابس اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم تھے، اور یہ دستاویز مغیرہ بن شعبہؓ نے لکھی۔

(۱۱)

عهده صلى الله عليه وسلم لعمرو بن حزم الأنصاري حين ولاه اليمن،

وفد بنو الحارث بن كعب على رسول الله صلى الله عليه وسلم، فبعث إليهم، بعد أن ولى وفدهم، عمرو بن حزم الأنصاري ليفقههم في الدين ويعلمهم السنة ومعالم الإسلام ويأخذ منهم صدقاتهم، وكتب له كتابا بالعهد إليه وأمره فيه بأمره فقال:

"بسم الله الرحمن الرحيم، هذا بيان من الله ورسوله، يا أيها الذين آمنوا أوفوا بالعقود، عقد من محمد النبي رسول الله لعمرو بن حزم حين بعثه إلى اليمن، أمره بتقوى الله في أمره كله، فإن الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون، وأمره أن يأخذ بالحق كما أمره الله، وأن يبشر الناس بالخير ويأمرهم به، ويعلم الناس القرآن ويفقههم في الدين، وينهى الناس فلا يمس أحد القرآن إلا وهو طاهر، ويخبر الناس بالذي لهم والذي عليهم، ويلين للناس في الحق ويشتد عليهم في الظلم، فإن الله عز وجل كره الظلم ونهى الناس عنه وقال: ألا لعنة الله على الظالمين۔

ويبشر الناس بالجنة وبعملها، وينذر بالنار وبعملها، ويستألف الناس حتى يفقهوا في الدين، ويعلم الناس معالم الحج وسنته وفريضته، وما أمر الله به في الحج الأكبر، والحج الأصغر وهو العمرة، وينهى الناس أن يصلي أحد في ثوب واحد صغير إلا أن يكون ثوبا واحدا يثني طرفيه على عاتقيه، وينهى الناس أن يحتبي أحد في ثوب واحد

ۭ سیرۃ ابن ہشام ۲/۵۹۳، فتوح البلدان ص ۷۰، الطبری ۳/۱۵۷، جمہرۃ رسائل العرب ۱/۹۲

يفضي بفرجه إلى السماء، وينهى الناس أن لا يعقص أحد شعر رأسه إذا عفا في قفاه، وينهى إذا كان بين الناس هيج عن الدعاء إلى القبائل والعشائر، وليكن دعاؤهم إلى الله وحده لا شريك له، ويأمر الناس بإسباغ الوضوء، وجوههم وأيديهم إلى المرافق وأرجلهم إلى الكعبين، ويمسحون برؤوسهم كما أمرهم الله عز وجل، وأمره بالصلاة لوقتها وإتمام الركوع والخشوع، ويغلس بالفجر ويهجر بالهاجرة حين تميل الشمس، وصلاة العصر والشمس في الأرض مدبرة، والمغرب حين يقبل الليل لا تؤخر حتى تبدو النجوم في السماء، والعشاء أول الليل، ويأمر بالسعي إلى الجمعة إذا نودي لها، والغسل عند الرواح إليها۔

وأمره أن يأخذ من المغانم خمس الله وما كتب على المؤمنين في الصدقة من العقار عشر ما سقت العين وما سقت السماء، وعلى ما سقى الغرب نصف العشر، وفي كل عشر من الإبل شاتان، وفي كل عشرين من الإبل أربع شياه، وفي كل أربعين من البقر بقرة، وفي كل ثلاثين من البقر تبيع، جذع أو جذعة، وفي كل أربعين من الغنم سائمة وحدها شاة، فإنها فريضة الله التي افترض الله عز وجل على المؤمنين في الصدقة، فمن زاد خيرا فهو خير له۔

وإنه من أسلم من يهودي أو نصراني إسلاما خالصا من نفسه، ودان بدين الإسلام فإنه من المؤمنين، له مثل ما لهم وعليه مثل ما عليهم، ومن كان على نصرانيته أو يهوديته فإنه لا يفتن عنها، وعلى كل حالم ذكر أو أنثى حر أو عبد، دينار واف أو عوضه ثيابا، فمن أدى ذلك فإن له ذمة الله وذمة رسوله، ومن منع ذلك فإنه عدو لله ولرسوله وللمؤمنين جميعا، صلوات الله على محمد، والسلام عليه ورحمة الله وبركاته"

عمرو بن حزم انصاریؓ کو یمن کا گورنر بناتے وقت ان کے نام عہد نامہ نبوی

بنو حارث بن کعب کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد جب واپس ہوا تو آپ نے ان کے پاس عمرو بن حزم انصاری کو روانہ کیا تاکہ وہ انہیں دین کی تعلیم دیں، سنت نبوی اور اسلام کے شعائر سکھلائیں۔ ان سے زکوٰۃ وصول کریں، آپ نے ان

ایک دستاویز تحریر فرمائی جس میں انہیں احکام دئے اور ذمہ داری سونپی۔ آپؐ نے فرمایا۔

"اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے، یہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان: اے ایمان والو! اپنے عہد و پیمان پورے کرو، یہ عہد ہے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو عمرو بن حزم انصاریؓ کے لئے ہے جبکہ آپؐ نے انہیں یمن کا گورنر بنا کر بھیجا، آپؐ نے انہیں تمام معاملات میں تقویٰ اللہ کا حکم دیا، کیونکہ: "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ لوگ کہ جو بھلائی کرنے والے ہیں۔" آپؐ نے انہیں حکم دیا کہ حق کو اسی طرح وصول کریں جس طرح کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ لوگوں کو بھلائی کی خوشخبری سنائیں اور انہیں بھلائی کا حکم بھی دیں۔ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔ دین فہمی کی تربیت دیں اور لوگوں کو برائی سے روکیں۔ کوئی شخص قرآن کریم کو اس وقت تک ہاتھ نہ لگائے جب تک وہ پاک صاف نہ ہو، وہ لوگوں کو وہ باتیں بتائیں جو ان کے لئے ہیں اور وہ بھی جو ان پر واجب ہیں۔ وصولی حق کے سلسلے میں لوگوں سے نرمی برتیں، ظلم کے معاملے میں ان کے ساتھ سخت سلوک کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظلم کو ناپسند کرتے ہوئے اس سے منع فرمایا ہے۔ فرمایا؛ "آگاہ رہو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے!" لوگوں کو جنت اور اس کے لئے کام کرنے کی بشارت دیں، دوزخ اور اس کا سبب بننے والے کاموں سے ڈرائیں، لوگوں کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کریں تاکہ وہ دین کو سمجھ لیں لوگوں کو حج کے شعائر، سنن اور فرائض سکھائیں اور انہیں حج اکبر اور حج اصغر جو عمرہ ہے کے مسائل کے بارے میں اللہ کے احکام بتائیں۔

لوگوں کو اس بات سے منع کریں کہ وہ ایک چھوٹے سے کپڑے میں نماز پڑھیں اگر یہ ایک کپڑا اتنا بڑا ہو کہ اس کے دونوں کنارے کندھوں پر دوہرے ہو جائیں تو کوئی حرج نہیں! لوگوں کو اس بات سے بھی منع کریں کہ وہ ایک ہی کپڑے میں کمر اور پنڈلیوں کو لپیٹ کر اس طرح ڈھکیں کہ شرمگاہ آسمان کی طرف ہو جائے، اسی طرح گردن کے پچھلے حصے یعنی خطی پر سر کے بالوں کی مینڈھیاں نہ بنایا کریں جب وہ لمبے ہو جاتے ہیں۔ اگر لوگوں میں جوش پیدا ہو تو ایسے موقع پر اپنے قبائل اور خاندانوں کی طرف نہ بلایا کریں بلکہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو ہی پکارا کریں۔ تو جس نے اللہ کی جانب نہ بلایا اور قبائل و خاندانوں کو پکارا، تلواروں سے ان کے ٹکڑے کر دئے جائیں یہاں تک کہ وہ صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارنے لگیں۔ لوگوں کو اچھی طرح وضو کرنے کا حکم دیں، کہ لوگ اپنے چہرے اور ہاتھ کہنیوں تک دھویا کریں، پاؤں ٹخنوں تک دھویا کریں، اللہ عزوجل کے حکم کے مطابق اپنے سروں کا مسح کیا کریں! آپؐ نے انہیں وقت پر نماز پڑھنے کا بھی حکم دیا، پورا رکوع اور خشوع ہو، صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھا کریں، جب سورج ڈھل جائے تو ظہر کی نماز میں بھی جلدی کریں، عصر کی نماز اس وقت پڑھیں جب سورج زمین میں ڈوبتا نظر آئے رات آنے پر مغرب کی نماز پڑھیں اور اس میں اتنی تاخیر نہ کریں کہ آسمان پر ستارے نظر آنے لگیں، اول شب میں عشاء کی نماز پڑھیں، جمعہ کی اذان ہو تو اس کے لئے سعی کرنے کا حکم دیں اور جب نماز جمعہ کے لئے جائیں تو غسل کر کے جایا کریں۔

آپ نے انہیں حکم دیا کہ مال غنیمت میں سے اللہ کا پانچواں حصہ وصول کیا کریں۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں مومنین پر جو فرض ہے وہ بھی وصول کیا کریں، زمین میں سے جو چشمے یا بارش سے سیراب ہو اس میں دسواں حصہ ہے۔ ڈول یا کنوئیں سے جو سیراب ہو اس میں بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے، ہر دس اونٹوں پر دو بکریاں ہیں اور ہر بیس اونٹوں کی زکوٰۃ چار بکریاں ہیں۔ ہر چالیس گایوں پر ایک گائے ہے، اگر تیس گائیں ہوں تو ان کی زکوٰۃ ایک بچھڑا یا ایک بچھڑی ہے جو دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو جنگل میں چرنے والی چالیس بکریاں ہوں تو ان کی زکوٰۃ ایک بکری ہے۔ یہ ہے اللہ کا وہ فریضہ جو اس نے زکوٰۃ کے سلسلے میں مومنوں پر فرض کیا ہے، اگر کوئی زیادہ بھلائی کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اگر کوئی یہودی یا عیسائی اخلاص دل سے اسلام قبول کرلے اور دین اسلام کا مطیع ہو جائے تو وہ بھی اہل ایمان میں شامل ہے۔ اس کے حقوق بھی وہی ہیں جو ان کے ہیں اور اس کے فرائض بھی وہی ہیں جو ان کے ہیں۔ جو اپنے یہودی یا نصرانی مذہب پر قائم رہے تو اسے اپنے عقیدے سے بہلایا پھسلایا نہیں جائے گا، ہر بالغ مرد و عورت، آزاد یا غلام پر ایک پورا دینار بطور جزیہ واجب ہوگا، یا اس کے بدلے کپڑا، تو اگر کسی نے یہ ادا کر دیا تو اس کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ و تحفظ حاصل ہوگا اور جس نے ایسا کرنے سے انکار کیا تو وہ اللہ، اس کے رسول اور تمام اہل ایمان کا دشمن ہے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی طرف سے درود اور سلامتی ہو اور ان پر اللہ کی طرف سے رحمت اور برکتیں ہوں!"

(۱۴)

كِتَابُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّم لِمُجَّاعَةَ بْنِ مُرَارَةَ

وَقَدِمَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ وَفْدُ بَنِي حَنِيْفَةَ وَفِيهِمْ مُسَيْلِمَةُ بْنُ حَبِيبٍ الكَذَّابُ وَمُجَّاعَةُ بْنُ مُرَارَةَ فَسَأَلَ مُجَّاعَةُ رَسُولَ اللّٰهِ أَنْ يُقْطِعَهُ أَرْضًا فَأَقْطَعَهُ إِيَّاهَا وَكَتَبَ لَهُ كِتَابًا وَهٰذَا نَصُّهُ[1]:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، هٰذَا الكِتَابُ كَتَبَهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ لِمُجَّاعَةَ ابْنِ مُرَارَةَ بْنِ سُلْمَىٰ، إِنِّي أَقْطَعْتُكَ الغُورَةَ وَغُرَابَةَ وَالحُبَلَ فَمَنْ حَاجَّكَ فَإِلَيَّ»

مجّاعہ بن مرارہ حنفی کے لئے دستاویز نبوی ؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو حنیفہ کا وفد آیا جس میں مسیلمہ کذاب اور مجاعہ بن مرارہ بھی تھا مجاعہ نے درخواست کی کہ آپ میرے لئے کچھ جاگیر لکھدیں چنانچہ آپ نے اس کے لئے جاگیر لکھدی، آپ نے اس سلسلے میں جو دستاویز لکھی اس کا متن یہ تھا۔

اللہ کے نام سے جو رحمٰن رحیم ہے۔ یہ ہے دستاویز جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاعہ بن مرارہ بن سلمی کے لئے لکھی، میں نے تجھے عوزہ، غرابہ اور حبل جاگیر میں لکھدیے، اگر تجھ سے کوئی جھگڑے تو مجھ سے رجوع کر لینا۔



---

[1] فتوح البلدان ص ۱۰۰، جمہرۃ رسائل العرب ۶۷/۱